ہندوستان میں تحفظاتی پالیسی: ریاست آندھرا پردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کا مطالعہ

Reservation Policy in India: A Study of Reservations for Muslim Backward Classes in Andhra Pradesh

تحقیقی مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی
(نظم و نسق عامہ)

تحقیق کار

ریاض النساء

نگران کار

ڈاکٹر سید نجی اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ نظم و نسق عامہ

شعبہ نظم و نسق عامہ

اسکول آف آرٹس اینڈ سوشیل سائنسس، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد، تلنگانہ

2017

اقرارنامہ

میں، ریاض النساء اقرار کرتی ہوں کہ یہ تحقیقی مقالہ بعنوان **''ہندوستان میں تحفظاتی پالیسی: ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کا مطالعہ''** اسکول آف آرٹس اینڈ سوشیل سائنسس کے شعبہ نظم نسق عامہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی سند کے حصول کے لئے پیش کیا جارہا ہے، یہ میرا اپنا تحقیقی کام ہے۔ مقالہ نہ تو پہلے کبھی شائع ہوا اور نہ ہی کسی جامعہ یا ادارے میں ڈگری یا ڈپلوما کے حصول کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

مقام: حیدرآباد

تاریخ:

تحقیق کار

ریاض النساء

رول نمبر: **A161424**

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی حیدرآباد تلنگانہ **-32**

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ ریاض النساء بنت محمد رحمٰن شریف نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان **''ہندوستان میں تحفظاتی پالیسی: ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کا مطالعہ''**، میری راست نگرانی میں تحقیق کے اصولوں کے مطابق مکمل کیا ہے۔

لہٰذا میں انہیں نظم ونسق عامہ میں پی ایچ ڈی (Ph.D) کی سند کے حصول کے لئے مقالہ ہذا کو نظم ونسق عامہ، اسکول آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسس، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں داخل کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

مقام: حیدرآباد

تاریخ:

نگران کار

ڈاکٹر سید نجی اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ نظم ونسق

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی حیدرآباد۔32

کلمات تشکر

اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل کیلئے میں سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اس تحقیق کے قابل بنایا اور مجھے اپنی بیش بہا نعمتوں میں سے علم جیسی نعمت تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے صدقہ عطا فرمائی۔ میں یہاں اپنے والدین محمد رحمٰن شریف اور سراج النساء کا خاص شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انکی دعائیں اور جستجو کی بدولت ہی یہ تحقیقی مقالہ کی تکمیل عمل میں آئی۔

میں سب سے پہلے اپنے تحقیقی رہنما استاد محترم ڈاکٹر سید نجی اللہ صاحب اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ نظم ونسق عامہ کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہوں، انہوں نے اس تحقیقی موضوع کے انتخاب سے لیکر مقالہ کی تکمیل تک میری ہر قدم پر رہنمائی اور ہمت افزائی کی۔ ان کی اس ہمت افزائی اور مسلسل نگرانی کی بدولت ہی یہ تحقیقی کام پایہ تکمیل کو پہنچ سکا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مجھے اپنا قیمتی وقت دیتے ہوئے مجھے طریقہ تحقیق اور علمی امور میں بھی فیض پہنچایا۔ جس کے لئے میں انکی شکر گذار ہوں۔

میں استاد محترم پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ صاحب، ڈین اسکول برائے فنون اور سماجی علوم مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل کے لئے اپنے مفید مشوروں سے نوازتے ہوئے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں اپنے شعبہ کے صدر ڈاکٹر کنیز زہرہ صاحبہ کی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تحقیق کیلئے اپنے مشوروں سے نوازا۔

مزید براں میں اپنے شعبہ کے محترم استاد ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب اسوسی ایٹ پروفیسر کی انتہائی ممنون وشکر گذار ہوں کہ انہوں نے مقالہ کی تکمیل کے لئے نہ صرف اپنے مفید مشوروں سے نوازا بلکہ انگریزی مواد کا اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے میری مدد کی اور ساتھ ہی میں محترم ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ نظم ونسق عامہ کی بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے حسب موقع وحسب ضرورت تحقیق کی تکمیل میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

اس موقع پر میں محکمہ آندھرا پردیش پبلک سرویس کمیشن کے عملے کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ خاص طور پر محکمہ کے

محترم شریف صاحب، سکشن آفیسر کی انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے آندھراپردیش پبلک سرویس کمیشن سے مواد حاصل کرنے میں میری رہنمائی کرتے ہوئے موادفراہم کیا۔اس کے ساتھ ساتھ میں حیدرآباد DEO آفس کے منصور صاحب اور محکمہ آندھراپردیش پولیس ریکروٹمنٹ بورڈ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تحقیقی مقالہ کی تکمیل کیلئے ضروری مواد کو فراہم کیا۔

میں مزیدان تمام کتب خانوں کے عملہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جہاں سے میں نے استفادہ کیا ہے۔بطورِ خاص مرکزی کتب ، مولانا آزادنیشنل اردو یونیورسٹی، مرکزی کتب خانہ، عثمانیہ یونیورسٹی، اندرا گاندھی کتب خانہ، سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد، ریاست کی مرکزی کتب خانہ، اسمبلی لائبریری کے محترم منیر صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ میری مدد کی۔

میں اپنی بہن معراج النساء کی مشکور ہوں کہ انہوں نے ہر وقت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں میری رہنمائی اور مدد کی۔اوراس تحقیقی مقالہ کی تکمیل کیلئے اپنی خاص دعاؤں سے نوازا۔اور میں اپنے بھائیوں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے ہر وقت میری مدد کی۔

میں، میرے عزیز دوست محمد عبدالرحیم صاحب، پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر کی انتہائی ممنون اور شکر گذار ہوں کہ انہوں نے تحقیقی مقالہ کیلئے مواد کو اکٹھا کرنے اور تحقیق مقالہ میں درپیش تکنیکی کام کی تکمیل میں میری مدد کرتے ہوئے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔

میں اپنے تمام دوست و احباب کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی دعاؤں میں مجھے شامل رکھا جس کی بدولت میں اپنا تحقیقی مقالہ تکمیل کر پائی اور ساتھ ساتھ میں اس مقالہ کی کمپیوٹر کتابت کیلئے شیخ حاجی حسین کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنکی بدولت میرا تحقیقی مقالہ بروقت تکمیل پایا۔

ریاض النساء

فہرست ابواب

سلسلہ نشان		مضمون	صفحہ نمبر
1	باب I۔	تعارف	1-32
2	باب II۔	تحفظاتی پالیسی: تصوراتی خاکہ	33-69
3	باب III۔	ہندوستان میں تحفظات کی پالیسی اور مسلمان	70-119
4	باب IV۔	آندھرا پردیش میں مسلمانوں کا موقف	120-157
5	باب V۔	آندھرا پردیش میں مسلمانوں کیلئے تحفظات: ایک مطالعہ	158-193
6	باب VI۔	مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کی عمل آوری کا جائزہ	194-264
7	باب VII۔	اختتامیہ	265-272
8		کتابیات	273-291

فہرست جدول

صفحہ نمبر	مضمون	سلسلہ نشان
86-87	دیگر پسماندہ طبقات کی آبادی کا تخمینہ (1950 کی ابتداء میں)	3.1
97-98	ذات اور مذہب کے لحاظ سے ہندوستان کی آبادی کی تقسیم	3.2
141-142	آندھرا پردیش میں مسلمانوں کی آبادی (ضلع واری) 2011 کی مردم شماری	4.1
143	آندھرا پردیش میں مسلمان طلباء (2011ء مردم شماری آندھرا پردیش)	4.2
144	خواندگی شرح دیہی رشہری مرد وخواتین میں (2011 کی مردم شماری آندھرا پردیش)	4.3
146	ریاست آندھرا پردیش میں کام کرنے والی آبادی کا تناسب 2004-05	4.4
146	ریاست آندھرا پردیش میں شہری غربت کی شرح 2004-05	4.5
146	ریاست آندھرا پردیش میں دیہی غربت کی شرح 2004-05	4.6
147	SRC میں 0-6 سال کی آبادی میں ICDS میں احاطہ کا فیصد 2004-05	4.7
148	6 تا 16 سال کی آبادی کا دوپہر کے کھانے کی اسکیم میں احاطہ کا فیصد 2005-06	4.8
149	ریاست آندھرا پردیش میں مسلم عہدیدار کی تعداد و تناسب	4.9
150	آندھرا پردیش مقنّنہ میں مسلم اراکین کی تعداد	4.10
151	ریاست آندھرا پردیش سے پارلیمنٹ میں مسلم اراکین	4.11
152	2009ء میں آندھرا پردیش میں مختلف منتخبہ اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی	4.12
195	BC.E زمرے کے تحت مختلف کورسوں میں مسلمانوں کیلئے مختص نشستیں (2007 تا 2014)	6.1
197	BC.E اور عام زمروں کے تحت MBBS میں داخلہ لینے والے مسلم طلبہ (2011 تا 2014)	6.2
199	BC.E اور عام زمروں کے تحت BDS میں داخلہ لینے والے مسلم طلبہ (2011 تا 2014)	6.3
200	یوجی تا پی ایچ ڈی کورسوں میں مسلم اور دیگر سماجی گروہ کی تفصیل (2011 تا 2013)	6.4

6.5	عثمانیہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے والے مختلف سماجی زمروں کے طلبہ۔2008 تا2016	202
6.6	ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کیلئے BC.E زمرے کے تحت مختلف کورسوں میں مختص نشستیں (2014 تا2015)	203
6.7	ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کے لئے BC.E زمرے کے تحت مختلف کورسوں میں مختص نشستیں (2014 تا2015)	205
6.8	ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کیلئے BC.E زمرے کے تحت پیشہ ورانہ کورسز میں مختص نشستیں ضلع واری (2014 تا2015)	207
6.9	ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کیلئے BC.E زمرے کے تحت دیگر پیشہ ورانہ کورسز میں مختص نشستیں ضلع واری (2014 تا2015)	209
6.10	ریاست آندھراپردیش میں بی سی ای زمرے کے تحت حاصل نشستوں کی ضلع واری تفصیل (2014-15)	211
6.11	ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کے لئے BC.E زمرے کے تحت دیگر پیشہ ورانہ کورسز میں مختص نشستیں (2014 تا2015)	214
6.12	ریاست آندھراپردیش میں گروپ I سرویس کیلئے منتخب مسلمان اور دیگر طبقات (2007 تا2009)	216
6.13	ریاست آندھراپردیش میں گروپ II سرویس کیلئے منتخب مسلمان اور دیگر طبقات (2004 تا2011)	218
6.14	گورنمنٹ پولی ٹیکنیک لیکچرر کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2006 تا2012)	220
6.15	ڈگری کالجوں میں لیکچرر کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2009 اور 2011)	221
6.16	اے پی کالجیٹ ایجوکیشن میں لائبریرین کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2007 اور 2012)	222
6.17	اسسٹنٹ ایگزیکیٹیو انجینئرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2004 تا2011)	224

225	پبلک ہیلتھ اینڈ میونسپل انجینئرنگ سب سرویس کے اسسٹنٹ انجینئرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2006 تا 2011)	6.18
227	حیدرآباد میٹرو واٹر (HMW) میں مینجرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2007 تا 2011)	6.19
228	اے پی اکنامک اینڈ اسٹاٹیسٹکل سرویس اور سب سرویس کے اسسٹنٹ ڈائرکٹرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2007 تا 2011)	6.20
230	شہری اور دیہی منصوبہ بندی خدمات میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی 2004 تا 2012	6.21
231	اسسٹنٹ آرکیٹکچرل ڈرافٹسمین اور سرویئر (PH) ٹاؤن پلاننگ سب سرویس کے تقررات میں مسلم نمائندگی 2008 اور 2011	6.22
233	APIMS میں سیول اسسٹنٹ سرجن اور ڈینٹل اسسٹنٹ سرجن کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2005 تا 2011)	6.23
235	چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹرز اور چائلڈ ہومس میں سپرنٹنڈنٹ کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2004،2011 اور 2012)	6.24
236	فاریسٹ رینج آفیسر اور اسسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹ کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2004 تا 2011)	6.25
238	فشریز ڈیولپمنٹ آفیسرز اور اسسٹنٹ انسپکٹر آف فشریز کے تقررات میں مسلم نمائندگی۔ 2007 اور 2011	6.26
239	اسسٹنٹ موٹر وہیکل انسپکٹر کے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی 2004 تا 2012	6.27
242	تحفظات سے قبل اور مابعد APPSC کے ذریعہ کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی (2004 تا 2012)	6.28

6.29	ریاست آندھراپردیش میں پولیس کانسٹبل (سیول) کیلئے منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2002 تا2012)	245
6.30	SCT Police Constable (AR) میں مسلمانوں کی نمائندگی	246
6.31	ریاست آندھراپردیش میں SCT پولیس کانسٹبل (APSP) کیلئے منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2002 تا 2012)	248
6.32	ریاست آندھراپردیش میں SI، SCT اور SCT RSI (Civil) کیلئے منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2003 تا 2011)	249
6.33	ریاست آندھراپردیش میں SCT SI اور SCT RSI (AR) میں مسلم اور دیگر طبقات (2003 تا 2011)	251
6.34	ریاست آندھراپردیش میں SCT SI اور SCT RSI (APSP) میں مسلم اور دیگر طبقات (2003 تا 2011)	252
6.35	ضلع حیدرآباد میں DSC کے تحت سکنڈری گریڈ ٹیچرس کے طور پر منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2006 تا2012)	254
6.36	ضلع حیدرآباد میں DSC کے تحت اسکول اسسٹنٹ کی جائیدادوں پر منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2006 تا 2012)	256
6.37	ضلع حیدرآباد میں Language Pandit اور Physical Education Teacher کے جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی	258
6.38	ضلع حیدرآباد میں DSC کے تحت منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2006 تا 2012)	259
6.39	ریاست آندھراپردیش کے یونیورسٹیز کے تدریسی شعبے میں مسلم اور دیگر طبقات (2002 تا 2013)	262-264

فہرست گراف

صفحہ نمبر	مضمون	سلسلہ نشان
195	Seats available under BC.E category for Muslims for various courses in A.P from 2007 to 2014	6.1
197	Muslim students enrolled in MBBS under BC.E and OC categories in A.P from 2011 to 2014	6.2
199	Muslim students enrolled in BDS under BC.E and OC Categories in A.P from 2011 to 2014	6.3
200	UG to Ph.D enrollment percentage of students of Muslim and other social groups in A.P from 2010 to 2013	6.4
203	Enrollement of Muslim BC.E & other social groups students in PG courses in Osmania University from 2008 to 2016	6.5
204	Seats available in verious courses under BC.E category for Muslims in T.S (2014-2015)	6.6
206	Seats available in verious courses under BC.E category for Muslims in A.P (2014-2015)	6.7
217	Muslims selected under different categories in Group- I Services in A.P (2007 & 2009)	6.8
218	Muslims selected under different categories in Group- II Services in A.P (2004-2011)	6.9

220	Muslims and other social groups recruited as Lecturers in Government Polytechnic Colleges in A.P (2006 -2012)	6.10
221	Muslims recruited as Lecturers in Government Degree Colleges in A.P (2009 & 2011)	6.11
222	Muslims and other social groups recruited as Librarian in A.P Collegiate Education 2007 and 2012.	6.12
224	Muslims selected under differnt categories as Assistant Executive Engineers in A.P (2004- 2011)	6.13
225	Muslims recruited as Assistant Engineers in A.P Public Health & Municipal Engineering Sub Service (2006-2011)	6.14
227	Muslims and other social groups recruited as Assistant Motor Vehicle Inspectors in AP (2004-2012)	6.15
229	Muslims and other social groups recruited as Asst. Directors in AP Economic and Statistical Services and Sub Services (2007-2011)	6.16
230	Muslims and other social groups recruited as Asst. Director in Town and Country Planning Service (2004-2012)	6.17
232	Muslims and other social groups recruited as Asst. Architectural Draughtsman and Surveyors (PH) Town Planning Sub- Service in A.P (2008 & 2011)	6.18
234	Muslims and other social groups recruited as Civil Asst. Surgeons in A.P.I.M.S and Dental Asst. Surgeons (2005-2011)	6.19

235	Muslims and other social groups recruited as Asst. Directors in Child Development Project Office and Superintendents in Children Homes (2004 -2012)	6.20
237	Muslims recruited as Forest Range Officers and Asst. Conservators of Forest in AP (2004-2011)	6.21
238	Muslims recruited as Fisheries Development Officers and Asst. Inspector of Fisheries in AP(2007 and 2011)	6.22
240	Muslims and other social groups recruited as Assistant Motor Vehicle Inspectors in AP (2004-2012)	6.23
243	Before reservation Muslims recruited in selected services in APPSC (2004&2005)	6.24
243	After reservation Muslims recruited in selected services in APPSC (2006 to 2012)	6.25
245	Muslims & other social groups recruited as SCT Police Constable (Civil) in AP (2002-2012)	6.26
247	Muslims recruited as SCT Police Constable (AR) in AP (2002-2012)	6.27
248	Muslims recruited as SCT Police Constable (APSP) in AP (2002-2012)	6.28
250	Muslims and other social groups recruited as SCT SI and SCT RSI (Civil) in AP (2003-2011)	6.29
251	Muslims recruited as SCT SI and SCT RSI (AR) in AP (2003-2011)	6.30

252	Muslims and other social groups recruited as SCT SI and SCT RSI (APSP) in AP (2003-2011)	6.31
255	Muslims recruited as Secondary Grade Teacher Post in DSC Hyderabad (2006-2012)	6.32
256	Muslims recruited as School Assistant Post in DSC Hyderabad (2006-2012)	6.33
258	Muslims and other social groups recruited as Language Pandit & Physical Education Teacher Post in DSC Hyderabad (2006 -2012)	6.34
259	Muslims and other social groups recruited in DSC in Hyderabad (2006-2012)	6.35
264	Muslims Teachers recruited in the Universities of Andhra Pradesh from 2002 to 2013	6.36

باب 1

تمہید

Introduction

ہندوستان ایک تکثیری سماج ہے۔ جہاں یہ ملک اپنی مذہبی، تمدنی، لسانی اور نسلی تنوع کیلئے مشہور ہے وہیں اس ملک کا ذات پات پر مبنی منفرد سماجی نظام دنیا کی نظر میں اسکے وقار میں کمی کا باعث بھی ہوا ہے۔ پیدائش اور پیشہ کی بنیاد پر ہندوستان میں درجہ بند تقسیم کا ایک انوکھا سماجی نظام ہے۔ ورنا نظام نے ایک چار درجاتی ذات پات کا نظام پیدا کیا اور وہ تمام گروہ جو اس نظام سے باہر ہیں اسکو اچھوت سمجھا گیا اور انہیں سماج کے سب سے نچلے درجہ پر رکھا گیا۔ ان نچلی ذاتوں کو معمولی اور ناپاک کام اور ملازمتوں تک محدود کرتے ہوئے انہیں سماجی و معاشی ترقی سے دور رکھا گیا۔ اس میں درمیانی گروہ بھی ہیں جو زراعت اور دوسرے پیشوں میں مصروف ہیں جو شودر کہلاتے ہیں۔ ہندو مذہب کے مختلف اصلاحی تحریکات اور مساوات میں یقین رکھنے والے مذہب جیسے اسلام اور عیسائیت اس ذات پات کے نظام کی گرفت کم کرنے میں کوئی خاص اثر نہیں چھوڑے ہیں۔ دوسری طرف یہ مذاہب جیسے اسلام بھی مقامی اثر کے تحت ذات پات کی ساختوں کو اپنا لئے ہیں۔

جدید دور کے آغاز اور انگریزوں کی آمد نے ہندوستانیوں کو آزادی، مساوات اور بھائی چارگی کے اصولوں سے آشکار کیا۔ برطانوی مشنریوں نے تعلیم کو سماج کی نچلی ذاتوں تک پہنچایا۔ جسکی وجہ سے ان طبقات میں ایک چھوٹا سا تعلیم یافتہ گروہ پیدا ہوا اور تعلیم کے فوائد کو دوسروں تک پہنچانے کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مظلوم طبقات میں سماجی شعور کو بیدار کیا۔ جدوجہد آزادی نے اگرچیکہ ہندوستانیوں میں سیاسی اتحاد کو پیدا کیا لیکن سماجی اتحاد ہمیشہ ایک چیلنج ہی رہا ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندوستانی جدوجہد آزادی کے قائدین سے مظلوم طبقات کو اوپر لانے کے لئے رعایتیں حاصل کرنے کا تہیہ کرتے ہوئے تعلیم، خدمات اور منتخبہ اداروں میں متناسب نمائندگی کا مطالبہ کیا۔

نتیجتاً ہندوستان کے پاس ایک ایسا دستور ہے جو مظلوم طبقات کے درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لوگوں کو متناسب نمائندگی دیتا ہے۔ جسکے نتیجہ میں سماج کے دیگر پسماندہ طبقات کے لئے بھی اسی طرح کے تحفظات کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ کئی ریاستوں نے تحفظات کے فوائید دوسرے پسماندہ طبقات کو بھی دیئے ہیں۔ مرکزی حکومت نے بھی مثبت اقدام کے لئے پسماندہ طبقات کی اہلیت کو طئے کرنے کے لئے کالیکر کمیشن اور منڈل کمیشن کا تقرر کیا۔ مرکزی حکومت نے 1990ء میں قومی سطح پر تحفظات کے فوائد کو دیگر پسماندہ طبقات تک توسیع دیا۔ تاہم اقلیتیں، خصوصاً مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ سوائے چند پیشہ ورانہ گروہوں کے معاشی اور تعلیمی طور پر پسماندہ ہونے کے باوجود مثبت امتیازی سلوک کی اس پالیسی کے فوائد سے محروم رہا۔

مسئلہ کا بیان

اسلام جسکا چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں آغاز ہوا تھا بہت جلد ہی ایشیاء کے وسیع علاقوں میں پھیل گیا اور کئی ممالک جیسے ایران اور ترکی اسکے اثر میں آگئے۔ ایران کے مسلم حکمران جو ہندوستان میں داخل ہوئے اسلام کے پیامبر بھی تھے۔ محمد بن قاسم علاقہ سندھ کو برہمن حکمرانوں کے ظلم سے نجات چاہنے والے مقامی زراعت طبقات کی سرگرم مدد سے فتح کیا۔

محمد بن قاسم کی فتح سے بہت پہلے ہی عرب سوداگر کیرالا کے ساحل سے تعلقات رکھتے تھے اور اس علاقہ میں کئی لوگوں کو مسلمان بنایا تھا۔ کئی مذہبی، سماجی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا۔ بارھویں صدی عیسوی سے سترھویں صدی عیسوی تک مسلسل مسلمانوں کی ہندوستان کے ایک وسیع علاقہ پر حکمرانی سے بھی ہندوستان میں اسلام کی جڑوں کو مستحکم کرنے میں مدد ملی۔ اس طرح مسلمان ہندوستان میں ایک بڑے گروہ کے طور پر ابھرے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں سال 1857ء ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ غدر میں سرگرم حصہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں انگریزی حکمرانوں کے عتاب کا شکار ہوئے اور وہ حاکم سے محکوم بن گئے۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت مسلمانوں کو اپنے سیاسی اقتدار کے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھتی تھی اس لئے انہیں کچلنے اور علاحدہ رکھنے کی

پالیسی کواپنایا۔مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کردیئے گئے۔مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے معاملہ میں بھی پیچھے تھے اسکی ایک وجہ حکومت کا معاندانہ رویہ تھا تو دوسری وجہ خود مسلمانوں کے اپنے سماجی تعصّبات تھے۔بیسویں صدی کی ابتداء میں انگریزوں نے تقسیم کرواور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت مسلمانوں کی ہمت افزائی کی اور مسلم لیگ کے مطالبہ پر مسلمانوں کے لئے علاحدہ رائے دہندگان اور ملازمتوں میں تحفظات فراہم کیا۔ملک کی تقسیم سے ہندوستان اور پاکستان میں اقلیتوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ ان دونوں ہی ممالک میں اقلیتوں کو پیدا کیا۔مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنے پیدائشی وطن میں ہی رہ گئے اور ہندوستان میں سب سے بڑی مذہبی اقلیت کے طور پر ابھرے۔

2011ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی جملہ آبادی میں 14.5 فیصد اور سبب سے بڑا اقلیتی طبقہ اور دوسرا بڑا آبادی ہیں۔مسلمان زیادہ تر نچلے طبقہ کے مقامی آبادی کا ایک حصہ ہیں جو اسلام قبول کئے تھے اور ایک چھوٹا سا گروہ وہ بھی ہے جو عرب، ایران، وسطی ایشیاء اور ترکی سے ہجرت کئے تھے۔مسلمانوں کی آبادی کا بڑا حصہ غربت میں ہے۔انکی خواندگی کی شرح تمام مذہبی گروہوں میں کم تر ہے۔مرکزی وریاستی حکومتوں میں انکی حصہ داری سب سے کم ہے۔قومی معیشت میں انکی حصہ داری بہت معمولی ہے۔وہ معمولی ذرائع روزگار، چھوٹے موٹے کاروبار اور کم ترین اجرت کی ملازمتوں میں کام کرتے ہیں۔انہیں مشکل ہی سے ترجیحی سلوک کی پالیسیوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ 2005ء میں ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت کے مطالعہ کیلئے قائم کی گئی سچر کمیٹی نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کی حالت پسماندہ طبقات سے بھی بدتر لیکن درج فہرست ذاتوں اور قبائل سے کچھ حد تک بہتر ہے۔سچر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد سے علمی حلقوں میں مسلم مسائل توجہ کا مرکز بنے ہیں اور محققین میں ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق نئی دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔اس تناظر میں یہ طئے کیا گیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی وسیع تر حالت پر تحقیق کی جائے۔اس غرض کے لئے ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت کے متعلق دستیاب مواد کا سروے کیا گیا تاکہ تحقیق میں پائے جانے والے خلاء کی نشاندہی کی جاسکے اور تحقیق کے لئے ایک موزوں و مستحکم موضوع کا انتخاب کیا جاسکے۔

ادب کا جائزہ

اس باب میں تحقیق کے وسیع میدان، ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل پر دستیاب ادب کا جائزہ لینے کی

کوشش کی گئی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ، تمدن اور مذہبی پہلوؤں کے متعلق مواد کی کمی نہیں ہے۔ دستیاب مواد کو کئی درجوں جیسے نظریاتی، تاریخی اور تمدنی، تقابلی، سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی پہلوؤں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں اقلیتیں

مسلم اقلیتوں کے مسائل میں لازماً فرقہ پرستی اور سیکولرازم کا مطالعہ بھی شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ، بپن چندرا کی تصنیف، فرقہ پرستی 1984، (انگریزی) کافی سودمند ہے جس میں مصنف نے فرقہ پرستی کی تعریف کو متعین کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظریاتی رجحان کو پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرقہ پرستی ایک جدید واقعہ ہے اور یہ برطانوی وراثت کی پیداوار ہے۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ فرقہ پرستی غلط شعور کا نتیجہ ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفادات کے درمیان کوئی حقیقی تنازعہ نہیں ہے۔ ان کے مطابق فرقہ پرستی کے خلاف لڑنے کے لئے صرف فرقہ واریت کی منفی سوچ کو اجاگر کرنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ہندوستانی عوام کو چاہئے کہ وہ اپنے حقیقی مفادات کے لئے مشترکہ جدوجہد کے لئے متحد ہوں۔ یہ کتاب ہندوستان میں فرقہ پرستی کے بنیادی مسئلہ کو پیش کرتی ہے۔

مشیر الحسن کا مضمون "Adjustment and Accomodation- Indian Muslims after Partition" کے این پانیکار کی مرتب کتاب Communialism in India- History, Polity and Culture"(1991) میں شائع ہوا۔ اس میں ہندوستان اور پاکستان کے تقسیم کے بعد مسلمانوں کی حالت کو بتایا ہے۔ جس میں انہیں ایک طرف مراعات سے ہاتھ دھونا پڑا ہے تو دوسری طرف ان کی وفاداری پر شک کیا جاتا رہا ہے اور فرقہ وارانہ فسادات سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے ہندوستان میں جماعت اسلامی کے فرقہ وارانہ نظریات پر بھی بحث کی ہے۔

رندھیر سنگھ نے اپنے مضمون "Communalism and the Struggle against Communalism- A Marxist Perspective" میں کہا ہے کہ فرقہ پرستی سرمایہ داریت کی پیداوار ہے۔ ہندوستانی معیشت کی غیر مساوی اور ناہموار ترقی نے ہندوستان میں فرقہ پرستی جواز کا پیدا کیا ہے۔

سی پی بھامبری نے اپنے مضمون "State and Communalsim in India" میں آزادی سے پہلے

اور آزادی کے بعد مختلف طبقات کے ساتھ نپٹنے میں ہندوستانی حکومت کے رول کا تقابل کیا ہے۔ ان کے مطابق ہندوستان میں مملکت اور سماج کے درمیان بہت تضادات ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کے سیکولر اور فرقہ پرست حکمران طبقہ کی خصوصیات کا تقابل کیا ہے۔

زویا حسن نے اپنے مضمون "The State and Emergence of Majoritarianism in 1980's" میں کہتی ہیکہ ہندوستان میں جس سیکولرزم پر عمل کیا جاتا ہے وہ ہمہ مذہبی سیکولرزم ہے جس نے قومی اتحاد کو مضبوط کرنے کے لئے فرقہ پرستی سے مرکزیت کے رجحان کو فروغ دیا ہے۔

کرشنا بھردواج نے اپنے مضمون "Education Development and Communalism" میں کہتے ہیں کہ نہ تو تعلیم اور نہ ہی مادی ترقی نے سماجی امتیازات کو ختم کیا ہے۔ معاشی ترقی بھی سماجی درجہ بندی کے خطوط پر ہے اور سماجی درجہ بندی کو ختم کرنے کے بجائے اسے مزید جلا ملی ہے۔ اسی طرح معیار زندگی میں یکسانیت لانے کیلئے تعلیم تمام طبقات میں یکساں نہیں فروغ پائی ہے۔

اچھن ونایک نے اپنی تصنیف "The Painful Transition" (1990) میں جدوجہد آزادی کے دوران فرقہ پرستی کے رول پر بحث کی ہے۔ انکی دلیل ہیکہ ہندوستان میں قوم پرستی ہندو مذہبی نشاۃ ثانیہ کے نتیجہ میں فروغ پائی ہے۔ فرقہ پرستی سے لڑنے کے لئے صرف مملکت کو سیکولر بنانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ سیکولرزم کو سماج کے اندر سرایت کرنا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیکولرزم کیلئے سرمایہ داریت اور بورژوا جمہوریت کے ساتھ اشتراکی پرولتاریہ کی لڑائی اور پرولتاریہ ڈکٹیٹرشپ کا قیام ضروری ہے۔ یہ تمام تصانیف ہندوستان میں ایک تکثیری سماج کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ تمام تصانیف خصوصاً مسلمانوں کے مسائل کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ پر تصانیف کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے جو ہندوستان میں انکی آمد، حکمرانی، انگریزوں کی حکمرانی میں مسلمان اور جدوجہد آزادی میں ان کے رول کو بتاتے ہیں۔ یہ تصانیف ہندوستانی مسلمان کی موجودہ نفسیات اور انکے سیاسی رویے کو مناسب وموزوں پس منظر میں سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

ایس پی گلاٹی کی مرتب کتاب "The Quintessence of Islamic History and Culture" (1986) بڑی کارآمد ہے، چونکہ اس میں تاریخ اسلام، تمدن اسلام، سماجی نظام، ہندوستانی اسلام میں مملکت اور تبدیلی

اور ہندوستان میں مختلف اصلاحی تحریکات پر مضامین ہیں۔ یہ مضامین مسلمانوں کے مختلف پہلوؤں جیسے اسلامی تمدن، خواتین کا موقف، پردہ کا نظام، اسلام کا تصور فلاحی مملکت اور اسلام میں جدید رجحانات کا احاطہ کرتے ہیں۔

محمد مجیب کی تصنیف "Indian Muslim" (1967) میں ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے میدان میں ایک نمایاں تصنیف ہے۔ یہ کتاب ابتدائی عہد وسطیٰ اور جدید دور میں ہندوستانی مسلمانوں کے حالات، انکا قانون، نظم و نسق، مذہبی افکار، صوفی ازم، فن اور سماجی زندگی کو پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب بڑی تفصیل سے ہندوستان میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور تمدنی ارتقاء کے پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کی وجوہات کو صحیح سمت میں سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ مصنف یہ بتاتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق کوئی بھی عمومی خیال سچائی کا صرف ایک جزوی بیان اور گمراہ کن ہوگا۔

محمد شان نے اپنی تصنیف "The Indian Muslims- A Documetary Record" (1980) میں بیسویں صدی کے پہلے پچاس برسوں کے دوران ہوئی تبدیلیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب اس دور کے سیاسی تبدیلیوں پر روشنی ڈالتی ہے اسکے علاوہ برطانیہ کا ردعمل اور قومی تحریک میں مسلمانوں کے رول کو بھی پیش کرتی ہے۔

مشہور اسلامی اسکالر سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "Muslim in India" (1976ء) میں مختلف میدانوں جیسے تمدن، تہذیب، ادب، مذہب، تعلیمی نظام، جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کے دین اور انکے مسائل کو پیش کرتی ہے۔ انہوں نے ہندوستانی تمدن کو مضبوط کرنے میں مسلمانوں کی دین پر روشنی ڈالی ہے۔ مصنف کے مطابق مذہب اسلام نے ہندوستان کی سماجی ساخت میں دوررس تبدیلیاں لائی ہیں۔ اسلام نے موجودہ سماجی سختیوں کو کم کیا ہے اور ایک نئے تمدن کو پیدا کرنے کا کام کیا ہے۔ انہوں نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں مسلمان خاص کر علماء کے رول کو پیش کیا ہے جو مسلسل برطانوی حکمرانی کے خلاف ڈٹے رہے۔

اصغر علی انجینئر کی تصنیف "Islam and the Muslims" (1985) میں اسلام کا نظریہ مملکت، اسلامی سیاست، اور اسلامی سماج جیسے کئی پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں پر مذہبی اثرات کے کئی گوشوں پر بحث کی ہے۔

"Islam Society & Culture" (1983) ملٹن اسرائیل کی مرتب کردہ کتاب ہے، جس میں

عہد وسطیٰ میں اسلامی زندگی اور تمدن پر مضامین ہیں۔اس میں اس عہد کے مسلم سماج کے مختلف طبقات ہے جس میں کئی مطالعہ کیا گیا ہے۔"The Muslim Communities of Gujarat" (1989) اصغر علی انجینئر کی کتاب میں گجرات کے تین اہم مسلم طبقات جیسے بوہرا، میمن، اور کھوجہ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔مصنف کا کہنا ہے کہ یہ طبقات نسبتاً خوشحال ہیں، تعلیمی طور پر ترقی یافتہ ہیں اسکے باوجود ملک کی مسلم سیاست میں معمولی سیاسی اثر رکھتے ہیں۔

"Mapila Muslims of Kerala- A Study in Islamic Trends" میں ای ملر نے ہندوستان کے پہلے مسلمانوں کے طور پر انکا تاریخی جائزہ لیا ہے۔اس میں انکے دشوار تاریخی دور سے لے کر آج کی پیچیدہ کیرالا کی زندگی میں انکی شرکت کو بتایا گیا ہے۔

کے ستیہ نارائنا نے تاریخ آندھراپردیش سے متعلق اپنی دوسری جلد بعنوان "A Study of the History and Culture of the Andhras" (1982) میں گولکنڈہ سلطنت کے قطب شاہی دور کا جائزہ لیا۔انہوں نے گہرائی سے قطب شاہی دور میں انتظامی نظام، معاشی ساخت، مذہب، سماج، ادب اور فن کا جائزہ لیا ہے۔اس مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قطب شاہوں نے اعلیٰ عہدوں پر تقررات کے معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کیا تھا۔ہندو حکمرانوں کی جانب سے ذات پات پر مبنی امتیازات کی جو روایت رہی تھی مسلم حکمرانوں نے اس کو باقی و برقرار رکھا۔قطب شاہی حکمران اور انکے ماتحتین نے نہ صرف مندر بنوائی بلکہ برہمنوں کو بطور انعام اگراہار بھی عطا کئے۔ ان حکمرانوں کی جانب سے تعمیر کردہ مساجد میں ہندو اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ نظم ونسق میں برہمنوں کے اثر میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ جہاں ان حکمرانوں نے اسلام کی سرپرستی کی وہیں وہ ہندو مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری کا طریقہ اپنایا۔

آر۔سوماریڈی نے اپنی تاریخی کتاب "Hindu and Muslim Religions Institutions in Andhra Pradesh in 1300-1600" (1984) میں مذہبی اداروں کی ابتداء کو چودھویں صدی عیسوی سے بتایا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک اہم موڑ تھا جبکہ ہندو سیاسی اقتدار زوال پذیر تھا اور مسلم سیاسی اقتدار کا آغاز ہورہا تھا۔مسلمانوں کے حملوں سے نہ صرف مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا آغاز ہوا بلکہ ہندوستان کی مذہبی زندگی میں اسلام ایک طاقتور عنصر بن کر ابھرا۔اسلام کو سرکاری مذہب کے طور پر فروغ ملا تو یہ فطری تھا کہ اسکی نشوونما ہوا اور اسکے اپنے ادارے

چاروں طرف پھیلیں اور اسکا اثر ہندو مذہب اور اسکے اداروں پر پڑا جو کہ اس وقت غالب و برتر موقف رکھتے تھے۔ چودھویں صدی کی ابتداء میں تلگو علاقے میں صرف چند ہی اسلام کے ماننے والے تھے اور اسکا اثر صرف چند مقامات تک ہی محدود تھا۔ چودھویں صدی کے پہلے حصہ میں آندھرا کے علاقہ پر تغلق کی حکمرانی سے اسلام کے لئے نئی راہیں ہموار ہوئیں۔ تغلق اور بہمنی حکمرانی کے دور میں آندھرا میں اسلام کے ماننے والوں کا تعلق زیادہ تر سنی مسلک سے تھا۔ اور یہی سرکاری مذہب بھی تھا۔ قطب شاہی حکمرانی کے دور میں اسلام کی شیعہ شاخ کو سرکاری مذہب کا درجہ ملا اور فطری طور پر اس علاقہ میں اسکے ماننے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اسکے باوجود شیعہ مسلک کے مقابلہ میں سنی مسلک کو ماننے والوں کی زیادہ تعداد تھی۔

چودھویں صدی میں آندھرائی مسلمانوں کے ادارے اور خصوصا سنی ادارے مستحکم ہوئے اور آندھرا میں انکی جڑیں مستحکم ہوئیں۔ لیکن ہندو مذہبی اداروں کو دھکا لگا۔ ریڈی، ویلما اور سنگما حکمرانی دور میں آندھرا میں مسلم مذہبی اداروں کا نمو بہت سست رفتار تھا۔ البتہ تلنگانہ علاقوں کے مغربی حصوں میں بہمنی حکمرانی میں اسلامی اداروں کو بدستور فروغ ملتا رہا۔ 1540ء میں گجپتی حکمرانوں اور 1565ء میں وجیانگر زوال کے بعد ہندو مذہبی اداروں کو دھکا لگا۔ اور ساحلی آندھرا اور رائلسیما میں بتدریج قطب شاہی حکمرانی میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ کتاب اس دور کے اداروں کی تاریخ، تنظیم، فرائض، مالیہ اور ریاست وسماج سے ان کے تعلق کو پیش کرتی ہے۔

اقلیتی حقوق

ڈاکٹر بی آر امبیڈکر نے اپنی کتاب "State and Minorities" (1947) میں اقلیتوں کے حقوق اور آزاد ہندوستان کے دستور کی مدد سے انکو حاصل کرنے کے طریقوں پر بحث کی ہے۔ انہوں نے اقلیتی حقوق پر بحث دستور کی تمہید کے دائرے میں کی ہے جس میں آزادی اور مساوات کو ہندوستان کے تمام عوام کے لئے یقینی بنایا گیا ہے۔ بنیادی حقوق نہ صرف تمام عوام کے ساتھ قانون کے سامنے مساوات کی ضمانت دیتے ہیں بلکہ درج فہرست ذاتوں کے تحفظ کے لئے خصوصی دفعات بھی فراہم کئے ہیں، اسکے علاوہ اقلیتوں کے لئے تمدنی و تعلیمی حقوق بھی فراہم کئے ہیں۔ اس طرح امبیڈکر نے اقلیتی حقوق کے مسئلہ کو دستور کے چوکھٹے میں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایل ایم خان اور ایس این یادو "We the Minorities of India" (2001) میں اقلیتوں کے لئے دستیاب دستوری و قانونی تحفظ کے تصورات پر بحث کی ہے۔ یہ کتاب اقلیتوں کی صورتحال خصوصاً ان پر ہونے والے مظالم کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں ان اداروں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جو اقلیتوں کی شکایتوں کے ازالہ کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔

اے جی نورانی کی کتاب ''The Muslim of India'' (2003) نئی صورتحال سے مسلمانوں کے توقعات، شکایتوں کے ازالہ کے لئے متحرک ہونا اور شکایتوں سے نمٹنے کیلئے سیاسی حکمت عملی پر بحث کرتی ہے۔ اس میں ہندو احیاء پرستی اور خصوصاً شاہ بانو مقدمہ اور بابری مسجد کے سوال پر مسلمانوں کے ردعمل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اردو کے تحفظ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی موقف پر ہونے والی مسلم سیاست کے رجحانات کو بھی چشم زدنی سے دیکھا۔

جیمس ماسے نے اپنی کتاب "Minorities and Religious Freedom in Democracy" (2003) میں جمہوریت میں اقلیتوں کے دستوری حقوق خصوصاً دستوری ہند کی دفعہ 25 اور 30 کے حوالے سے اقلیتوں کے موقف کی جانچ کی ہے۔

بھگوان داس نے اپنے مقالہ "Ambedkar, Buddhism and Minority" (2006) میں نارائن گرو سے لیکر بابا صاحب امبیڈکر تک انیسویں اور بیسویں صدیوں میں دلت تحریک معتبر سروے پیش کیا ہے۔ انہوں نے 1947ء سے قبل علاحدہ رائے دہندگی کی طویل لڑائی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ امبیڈکر نے اپنے پیروؤں کے لئے ہندوستان کے سیاسی نظام میں زیادہ سے زیادہ سیاسی اور سماجی مقام کے لئے برطانوی راج میں اور آزادی کے بعد بھی اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔ وہ دستور ساز اسمبلی میں ایک اہم اداکار اور دستور کے زبردست تدوین کار کے طور پر وہ درج فہرست ذاتوں کے لئے تحفظات کے فوائد کو حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

بھاگ چندرا جین نے اپنے مقالہ "Jain community: A Shift from Majority to Minority" (2006) میں جین مذہب کی ابتداء سے اب تک کی تاریخ پیش کی ہے۔ جین مذہب چھٹی صدی ق۔ میں قدامت پسند ہندو مذہب کے ردعمل کے طور پر پھیلا ہے۔ ہندو مذہب ایک پھیلے ہوئے برگد کی پیڑ کی طرح تھا جس میں رسومات کی بہتات تھی اور برہمن تمام پہلوؤں سے سماج کے دوسرے طبقات کو کمتر سمجھتے تھے۔ بھاگ

چندرا جین، جین مذہب کو عدم تشدد اور انسانیت نوازی کے نکتہ نظر سے دنیا کا سب سے قدیم مذہب سمجھتے ہیں۔ انکی دلیل ہیکہ جین مذہب کے عقیدہ کا نچوڑ عدم تشدد، سبز خوری اور عالم گیر امن ہے۔ جین سماج تاجر طبقہ ہے، تجارت کے ساتھ ساتھ انکے مذہب کا پھیلاؤ ہوا۔ آبادی کے اعتبار سے یہ ایک چھوٹا سماج ہے۔ معاشی، سماجی، تعلیمی اور تمدنی اعتبار سے جین ترقی یافتہ اور باشعور لوگ ہیں۔ مصنف جین طبقہ کے قومی کمیشن برائے اقلیتوں میں عدم شمولیت پر معترض ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ بی جے پی حکومت (2004-1999) کا غیر معاون رویہ جین طبقہ کو اقلیتی درجہ دینے میں ایک رکاوٹ رہا ہے۔ کیونکہ وہ جین کو ہندو مذہب کا ایک حصہ مانتے ہیں، جبکہ کبھی کبھی جین مذہب ہندوازم کا حصہ نہیں تھا۔

اجئے پانڈے نے اپنے مقالہ ''Indian Constitution & Minority Rights'' (2006) میں اپنی ساری بحث دستوری دفعات کے دائرے میں کی ہے۔ انکے مطابق دفعات 29 اور 30 ہندوستان میں مذہبی اقلیتوں کے لئے میگنا کارٹا کی طرح ہیں۔ اپنے مقالہ میں انہوں نے اقلیتی مذہبی طبقات کی جانب سے اپنی شکایتوں کے ازالہ کیلئے دروازہ کھٹکھٹائے جانے پر سپریم کورٹ اور مختلف ہائی کورٹس کی جانب سے دیئے جانے والے تاریخی فیصلوں کا تجزیہ کیا ہے۔ خاصکر سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہیکہ مذہبی گروہوں کو اقلیتی گروہوں کے طور پر پیش کرنے کے طریقہ کی ہمت شکنی کی جانی چاہئے چونکہ اس سے تقسیم کے رجحانات کو فروغ ملتا ہے اور قوم کمزور ہوتی ہے۔

کملیش کمار وادوا "Minority Safeguards in India: Constitutional Provisions and Their Implementation" (1975) میں ہندوستان میں لسانی اور مذہبی اقلیتوں کے موقف کا تجزیہ کیا ہے اوران طبقات کے مسائل کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے تفصیل سے اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ کرنے والے دستور کے مختلف دفعات کے حوالے سے اقلیتوں کو حاصل تحفظات کے موثر نفاذ میں حائل رکاوٹوں پر بحث کی ہے۔

ڈاکٹر ستیش چندرا نے اپنی کتاب "Minorities in National and International Law" (1985) میں اصطلاح اور تصور اقلیت پر بین الاقوامی قانون کے نکتہ نظر پر بحث کی ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی قانون کے حوالہ سے اقلیتوں کی درجہ بندی اور اقوام متحدہ کے کنونشن برائے شہری وسیاسی حقوق (UNCCPR) کے

دفعہ 27 کے مطابق اقلیتوں کے موقف کا تجزیہ کیا ہے۔اس کتاب میں عوام کے اور اقلیتوں کے انسانی حقوق،حق خود اختیاری اور اقلیتوں کا تحفظ،اقلیتی حقوق اور انکا بین الاقوامی قوانین کے تحت تحفظ اور دیگر معاہدات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مصنف نے تفصیل سے قومی اقلیتوں کے لئے اقوام متحدہ کے ذیلی کمیشن برائے اقلیتوں کے تحت اقلیتوں کے خلاف امتیاز کو روکنے اور تحفظ کے لئے موجود دفعات کے تحت دستیاب تدارک پر بحث کی ہے۔انہوں نے ہندوستان وچین میں اقلیتوں کو حاصل قانونی ودستوری تحفظ پر بحث کی ہے۔

عبدالرحمٰن ویجاپورکا مقالہ "Minorities of India: Manifestation of Prejudices and Discrimination" (2006) ہندوستان میں ایک آزاد خیال (لبرل) اور سیکولر مملکت کی تعمیر کے چیلنجس پر بحث کرتا ہے۔مصنف کے مطابق ہندوستان میں تنوع بہت زیادہ ہے۔مرکز اور ریاست دونوں ہی نے امتیازات کو کچل دیا جب کبھی یہ اپنا سر اٹھانے کی کوش کی۔ ویجاپور نے کچھ ٹھوس تجاویز اور تدارک کے طریقے پیش کئے ہیں جو پالیسی سازوں کو امتیاز کو روکنے میں مدد دیتے ہیں اور جن سے بین طبقاتی اتحاد میں ایک نئے دور کی شروعات ہوتی ہے۔قومی ترقی کے ایجنڈہ کے ساتھ اقلیتوں کو جوڑنے کی ضرور پر زور دینے کے لئے انہوں نے گاندھی کے اس قول کو پیش کیا ہے کہ ’’کسی بھی ملک کی تہذیب کو اس ملک کے اقلیتوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک سے پرکھا جاسکتا ہے‘‘۔

راجیش دیوکا مقالہ "Indignity, Minorities and Rights in North East India" (2006) اقلیتوں کے ایک نئے رخ کو پیش کرتا ہے۔اس میں شمال مشرقی ہندوستان کی سات ریاستوں میں 75 بڑے نسلی گروہوں اور ذیلی گروہوں کے ساتھ ساتھ 400 زبانیں بولنے والے لسانی اقلیتوں اور انکے مسائل خاص کر ملازمتوں میں موقعوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مقالہ خصوصیت کے ساتھ شمال مشرق کے ریاستوں میں حکومت اور عوام کے درمیان بڑھتے دباؤ پر روشنی ڈالتا ہے۔اس مقالہ کے ذریعہ مقالہ نگار نے ریاستی حکومت کی جانب سے مقامی اقلیتی گروہوں کی من مانی درجہ بندی کی وجہ سے مختلف نسلی شناختوں کے درمیان بڑھتے اختلافات کا جائزہ لیا ہے۔

رام پینانی نے اپنے مقالہ "Minority and Human Rights" (2006) میں اقلیتوں کے مسائل کو سمجھنے میں پائی جانے والی دراڑ کو بھرنے کی کوشش کی ہے۔اس مقالہ میں اس سچائی کو بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسانی حقوق ایک تیزی سے ابھرتا علم ہے جو مملکت کی جانب سے راست یا بالراست طور پر اقلیتوں کے لئے تفریق اور انکے

لئے ہراسانی کا باعث بننے والی پالیسیوں کے خلاف مسلسل لڑنے والے پالیسی سازوں اور اسکالرس کے ذخیرہ اسلحہ میں اضافہ کرتا ہے۔

اے ایف میتھیو اور چنچل شکتاوت "Minorities: Human Rights and Indian Media" (2006) میں اقلیتوں کے حقوق کو انسانی حقوق کے تناظر میں پیش کرنے کے صحافت کے رول کا تجزیہ کرتے ہیں۔ یہ ایک نا قابل تردید سچائی ہے کہ صحافت رائے ساز ہےاور راست بالراست طور پر انسانی رویہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جدید ہندوستان کی تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ اطلاعات کی فراہمی یا خبروں کی عدم فراہمی رہی ہے۔ ایودھیایا گودھرا دو ایسے واقعات ہیں جن کی خبروں کا احاطہ بین الاقوامی، قومی اور علاقائی صحافت میں بہت ہوا ہے۔ صحافت کے اعلیٰ ایڈیٹرس، مالکان اور صحافیوں نے مدیران اپنی سیاسی ترجیحات اور وابستگیوں کے مطابق خبروں کو توڑ اور مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس سے سچائی کا دم گھٹتا ہےاور یہ سماج وقوم دونوں کے لئے تباہ کن ہے۔ چونکہ آج کی دنیا ایک عالمی دیہات ہے، اس لئے اس سے بیرونی ممالک میں ہندوستان کی شبیہ بھی متاثر ہوتی ہے۔

جوزف بنجامن نے اپنے مقالہ "Christian Minority and Fight for Equality" (2006) میں دلت عیسائیوں کی درج فہرست ذاتوں میں اپنی شمولیت کے لئے جدوجہد کا مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے دلت عیسائیوں کے درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں شمولیت سے متعلق دستور ساز اسمبلی اور پارلمنٹ میں ہوئے مباحث پر بحث کی ہے وہ کہتے ہیں کہ قانون 1919 اور 1935 میں عیسائیوں کیلئے تحفظات کی گنجائش تھی۔ لیکن آزادی کے بعد دلت عیسائیوں کو تحفظات نہیں دیئے گئے۔ ہندو سماج کے دلتوں کو 1950 کے صدارتی حکمنامہ میں درج فہرست ذاتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح سکھ دلتوں اور بدھسٹ دلتوں کو درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں بالترتیب 1956 اور 1990ء میں شامل کیا گیا۔ مقالہ نگار نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ دوسرے دلتوں کے درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں شمولیت کے لئے مذہب ایک بنیاد ہے تو پھر دلت عیسائی کو تحفظات سے کیوں محروم کیا جارہا ہے۔

انڈین جرنل آف سیکولرزم کے ایڈیٹر اصغر علی انجینئر نے اپنے مقالہ بہ عنوان "Muslim Minority: Their Rights and Status" (2006) میں برطانوی دور میں مسلم مذہبی طبقہ کے مسائل اور محکومیت کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ برطانوی حکمرانی نے اپنے شاہی نوآبادیاتی مفادات کے فروغ کے لئے ہندو مسلم طبقات میں

اکثریت اقلیت کے جذبات کو ہوا دیئے اور تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی کو اپنایا۔ روزگار اور دوسرے مواقعوں کے متعلق مصنف کا خیال ہیکہ مسلمانوں کے ساتھ امتیاز کیا گیا ہے جسکی وجہ سے وہ کمائی کے لئے خود روزگار مواقعوں کو ڈھونڈنے کے لئے مجبور ہوئے ہیں۔ عوامی اور خانگی شعبہ کی ملازمتوں اور سیول سرویس میں مسلمانوں کی نمائندگی انکی آبادی کے اعتبار سے غیر متناسب اور بہت ہی کم ہے۔ خواندگی کے محاذ پر بھی مسلمان بچے دوسرے طبقات سے بہت پیچھے ہیں۔

سماجی ومعاشی موقف

مسلمانوں کی سماجی۔معاشی موقف کے متعلق بہت سے تحریریں ہیں۔ اس میں ایسی تصانیف بھی شامل ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں میں سماجی درجہ بندی پر روشنی ڈالتی ہیں۔

میر حسن کی کتاب ''ہندوستان کے مسلمانوں کا مشاہدہ'' (1832) اٹھارویں صدی عیسوی کے دوران مسلمانوں کے اخلاق، عادات، رسومات اور مذہبی رائے وغیرہ کا ایک تاریخی ریکارڈ ہے۔ یہ کتاب اس دور کے مسلمانوں کی حالت کو سمجھنے کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ مصنف نے تفصیل سے تمدنی پہلوؤں جیسے محرم، رمضان، شادی کی رسومات، خواتین کی حالت تعدد ازدواج اور سماج پر انکے اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے اس دور کے مسلمانوں کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ویویک کمار کا مقالہ "Sociology of Indian Minority" (2006) میں اقلیتوں کی قسموں کا تصویری خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے اقلیتوں کے مسائل کو سمجھنے کے لئے سماجی حرکیات کے ایک پیمانہ پر بھی اس مقالہ میں بحث کی ہے۔

"Ensuring the Dignity of Minorities in India" (2006) میں پرکاش لوئیس جو کہ سوشیل اکیڈمی کے ایڈیٹر بھی ہیں، نے اپنے وسیع تر تجزیہ میں اقلیتوں کے معاملات میں 10 دسمبر 1947 کا اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا اعلان کے رول اور سرگرمیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس میں 1950ء کے انسانی حقوق کے یوروپین کنونشن کو بھی اپنے دائرہ میں شامل کیا ہے۔ اس طرح پرکاش لوئیس نے پرزور دلیل دی ہے کہ کس طرح اقلیتیں اس

آزاد ملک میں گذشتہ 57 برسوں سے امتیازارت کے خلاف لڑ رہی ہیں۔

EPW میں شائع اپنے مقالہ "The Condition of Muslims" (2007) میں گھنشیام شاہ نے سچر کمیٹی رپورٹ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔انہوں نے سچر کمٹی کے نتائج کا تجزیہ کیا ہے۔انہوں نے خواندگی، معاشی صورتحال اور عوامی کمپنیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا بے باک تجزیہ کیا ہے۔انہوں نے تعلیم اور معاشی میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کا بھی حوالہ دیا ہے۔انکی رائے ہیکہ سچر کمیٹی کی رپورٹ نئی بوتل میں پرانی شراب کی طرح ہے اور ہندوستان میں مسلم اقلیت کے موقف وحالت کو جاننے کے لئے ابھی بھی بہت کچھ تحقیق کی ضرورت ہے۔

ایم اے کلام نے EPW میں شائع اپنے مقالہ "Conditional Lives" (2007) میں ہندوستانی سماج میں پائے جانے والے تفاوتوں پر غور کیا ہے جن سے ہندوستانی مسلمان بھی متاثر ہوئے ہیں۔انکے مطابق حکومتوں کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ کیا جانے والا سوتیلا سلوک بھی مسلمانوں کی پسماندگی کی ایک وجہ ہے۔ مصنف نے تجویز دی ہے کہ حکومت مسلم سماج کی ترقی کے لئے سچر کمیٹی کی جانب سے کی گئی سفارشات کو نافذ کرے۔

روینا رابنسن کا ایک مضمون بعنوان "Indian Muslisms : The Varied Dimension of Marginality" (2007) میں EPW میں شائع ہوا۔اس مضمون میں ہندوستانی مسلمانوں کی علاقائی اور دوسرے تغیرات اور اسکے اثرات سے ابھرنے والی سماجی سیاسی اور معاشی تصویر کی جانچ کی ہے۔مصنف نے مسلم سماج کی صحت، زرخیزی اور آبادی کے نمو کے پہلوؤں کا بھی تجزیہ کیا ہے۔مصنف نے سچر کمیٹی کی رپورٹ کی بنیاد پر مسلم مرکز علاقوں میں مسلمانوں کے تعلیمی موقف، روزگار، آمدنی کی سطحیں، غربت کی سطحیں اور دستیاب بنیادی سہولتوں پر بحث کی ہے۔

اسٹی ویو وینکنن "Analysis of Sachar Committee" (2007) میں یہ تبصرہ کیا ہے کہ کمیٹی نے مواد کو حکومتی محکمہ جات، مردم شماری، NCAER جیسی خانگی تنظیموں کے ساتھ ساتھ خود اسکی جانب سے کئے گئے ایک چھوٹے سے سروے کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔رپورٹ میں مسلمانوں سے متعلق مواد کو جدول کی شکل اور تکنیکی نوٹس کی شکل میں پیش کیا گیا ہے تاہم اس میں سے زیادہ مواد بہت ہی قیمتی ہے حالانکہ اس پر تازہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ لیکن محض ایک دستاویز مسلمانوں کی سماجی ومعاشی حالت کو تبدیل نہیں کرسکتی۔البتہ یہ رپورٹ مسلمانوں کے مسائل کو

اجاگر کرنے میں ضرور کامیاب ہوئی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق کئے گئے مطالعوں کا ایک اہم پہلو انکی سماجی، معاشی ترقی ہے۔ یہ مطالعات یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان اس میدان میں بھی پیچھے ہیں۔ اس سلسلے میں کئے گئے کچھ مطالعے حسب ذیل ہیں۔

امتیاز احمد کی مرتب کردہ کتاب ''ہندوستانی مسلمانوں میں جدیدیانہ اور سماجی تبدیلی'' (1983)، جدیدیانہ خونی رشتہ، نسل، ذات، خواتین کا موقف اور شہری مسلمانوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق طرز عمل پر بحث کرتی ہے۔ مصنف یہ دلیل دیتا ہے کہ مسلمانوں میں آئی سماجی تبدیلی کی پیمائش کے لئے جدید مغربی پیمانوں کو استعمال نہیں کیا جاسکتا چونکہ وہ ہندوستانی تناظر میں مسلمانوں کے حالات کی جانچ میں مدد نہیں دیتے۔ مصنف اس بات کو نہیں مانتا کہ ہندوستان کے مسلمان بدل نہیں رہے ہیں اور مسلمانوں میں وراثتی طور پر اپنے مذہبی عقیدہ کے متعلق جدیدیانہ کا رجحان نہیں ہے۔ وہ دلیل دیتا ہے کہ مسلمانوں اور دوسرے طبقات اور گروہوں کے درمیان جدیدیت کی قبولیت کی شرح کے معاملے میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے، بشرطیکہ انکی پیمائش ان سب کی زندگی کے معروضی حالات کے مطابق کی گئی ہو۔

"Muslim and Modernization" (1986) میں سشیلا جین نے یہ جانچ کی ہے کہ آیا ماء بعد آزادی معاشی ترقی اور جدیدیانہ کی کوشش اس ملک میں مسلمانوں کو جدید بنانے کے عمل میں مددگار ثابت ہوئی ہے یا رکاوٹ بنی ہے۔

قمر حسن نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں مسلمان: طرز عمل، موافقت اور ردعمل'' (1987) میں ہندوستان میں فرقہ وارانہ مسئلہ پر مسلمانوں اور ہندو نوجوانوں کے طرز عمل، رجحانات، امنگوں اور خدشات کے متعلق تجربی مطالعہ کیا ہے۔ انکی تجویز ہیکہ ہندو۔مسلم مسئلہ کو اکثریت و اقلیت کے درمیان تعلقات کے طور پر دیکھا جانا چاہئے نہ کہ ہندو۔مسلم تعلقات کے طور پر مزید انکا مشاہدہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل اور انکے سیاسی ادارے ہندوستان سے اتنی ہی جڑے یا جدا ہیں جتنے کے اکثریت کی نئی نسل یا انکے سیاسی ادارے ہندوستان سے جڑے یا جدا ہیں۔ اگر مسلمانوں کو غربت سے باہر نکالا جائے تو اس سے مسلمانوں کی احساس کمتری میں کمی آئے گی اور اس سے مسلمانوں کا موافق مزید بہتر ہوگا۔

ایس این فریدی کی کتاب "Economic Welfare of Indian Muslims" (1965) میں

مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کی وجوہات کی جانچ کی گئی ہے۔مصنف کے نزدیک مسلمانوں کے مسائل کا حل معاشی ترقی میں مضمر ہے۔اسکے لئے انہوں کئی عملی حل جیسے بینکنگ نظام کوفروغ دینا،ٹکنیکل تعلیم اور مسلمانوں کے لئے علاحدہ ایمپلائمنٹ اکسچینج وغیرہ۔وہ لکھتے ہیں کہ تنظیم مشترکہ کاوشیں اور مربوط وسائل وہ عوامل ہیں جوکہ مسلم سماج کی ترقی کیلئے لازمی ہیں۔اس کتاب میں مصنف نے مسلم سماج کے لئے معاشی تکنیکی تعلیمی اداروں کے قیام کوازحد ضروری قرار دیا ہے۔اوصاف احمد نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان۔سماجی ومعاشی ترقی کے مسائل'' 1993 میں کہتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی علاقائی تقسیم اور انکی تاریخی وراثت انکی ترقی کی موجودہ سطح کومتعین کرنے والے دواہم عوامل ہیں۔

رتنا نائیڈو نے اپنی کتاب "New Predicaments : A Study of Hyderabad" (1990) میں قدیم شہر حیدرآباد کا ایک عملی مطالعہ کیا ہے۔ایک نمونہ سروے کے ذریعہ پرانے شہر میں یہ مطالعہ کیا گیا۔اس میں پرانے شہر کے مسلمانوں کی سماجی،معاشی حالات،سلم کے قیام،فرقہ وارانہ سیاست اور مقامی نظم ونسق وغیرہ کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

این سی سکسینا نے اپنے مقالہ "Public Employment and Educational Backwardness among Muslim in India" (1983) میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی موجودگی اور انکی تعلیمی پسماندگی کے متعلق قابل اعتماد اعداد وشمار کی کمی کو بتایا ہے۔اس مقالہ میں اعداد وشمار پرمبنی مواد کوجمع کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ اسکی بنیاد پر مزید تحقیق کی جاسکے اور مسلمانوں کی تعلیم وروزگار کی صورتحال پر بحث کی جاسکے۔

1981EPW میں شائع اپنے ایک مقالہ "Muslim Educational Backwardness : An Inferential Analysis" میں مقالہ نگار امتیاز احمد نے بھی اس بات کو بتایاہیکہ مسلمانوں کی تعلیمی حالات کے متعلق صحیح اعداد وشمار پرمبنی مواد کی کمی کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کے متعلق جانکاری حاصل کرنا مشکل ہے۔انکے مطابق مسلمانوں کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہی تعلیم یافتہ ہے۔ملک کی تقسیم کے بعد مسلمانوں میں کئی لحاظ سے متوسط طبقہ میں گراوٹ آئی ہے۔مختصراًیہ کہ مصنف کہتا ہے کہ مسلم سماج کی ترقی کا بہترین طریقہ یہ ہیکہ مسلمانوں کو

اپنے داخلی وسائل کومحترک کرنا چاہئے۔خصوصاانسانی وسائل،معاشی وسائل اوردوسرے خانگی اقدامات کوفروغ دینے کی ضرورت ہے۔

شیلاراج نے اپنی کتاب "Mediavalism to Modernism Socio Economic and Cultural History of Hyderabad 1869-1911" (1987) میں حیدرآباد کی سماجی معاشی اورتمدنی تاریخ کا خاکہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب میں انیسویں صدی کے آخری حصہ میں مملکت حیدرآباد کی ایک وسیع تصویرابھرتی ہے۔یہ تصویرعوام کی خوشحالی،انکی زندگی،تمدن اورجدوجہد سے بھری ہے۔مصنفہ نے اس دور کے امراءاور عام دونوں طبقات کا احاطہ کیا ہے جس میں ان کے خیالات لوازمات،حتیٰ کہ لباس اور انکی روزمرہ مصروفیتوں و سرگرمیوں کوبھی بتایا ہے۔انہوں نے سماج کی ساخت،طبقات،ذات پات لسانی طرز اور دیہی وشہری زندگی کے طورطریقوں کو بتایا ہے۔انہوں نے سماج کی ساخت،طبقات،ذات پات لسانی طرز اور دیہی وشہری زندگی کے طور طریقوں کو بتایا ہے۔انہوں نے تعلیم یافتہ پیشہ ورانہ متوسط طبقہ کے عروج کا بھی ذکر کیا ہے جس سے دفتر شاہی اور دانشورانہ طبقہ ابھرا ہے اور یہی طبقہ مملکت حیدرآباد کی ترقی میں ایک اہم رول ادا کرتا تھا۔مصنفہ نے اس دور میں کی گئی اہم انتظامی اصلاحات پربھی بحث کی ہے۔مصنفہ نے مملکت حیدرآباد کی ترقی کے دیگر پہلو جیسے اراضیات،آبپاشی، صنعت اورتجارت کا بھی احاطہ کیا ہے۔اس کے علاوہ ہندومسلم رسوم ورواج،روایتوں،رسومات اورطرز زندگی پرایک دوسرے کےتمدنی اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔

اقبال اے انصاری نے اپنی مرتب کتاب "The Muslim Situation in India" (1989) میں مسلمانوں کی پسماندگی،انکے سماجی رویہ،معاشی حالات،تعلیمی کامیابیاں اور مذہبی طورطریقوں پر بحث کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی پسماندگی کی اہم وجہ انکی معاشی وتعلیمی پسماندگی ہے۔

سیدزین الدین نے اپنی تصنیف ''اسلام میں سماجی درجہ بندی:مسلمان اوبی سی کی مجازیت'' (2003) میں کہتے ہیں کہ اسلام کسی بھی طرح کی سماجی درجہ بندی کا مخالف ہے،لیکن جب اسلام دنیا کے دوسرے علاقوں میں پھیلنے لگا تو یہ سماجی درجہ بندیاں اس میں درآئیں۔دنیا کے دوسرے علاقوں میں عرب فتوحات کےنتیجہ میں عربوں اوراسلام کو قبول کرنے والے مقامی باشندوں کے درمیان پیدائش،نسل،اورسماجی رتبہ پرمبنی درجہ بندنوعیت کے تعلقات فروغ

پائے۔ ہندوستان میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ تر لوگوں کا تعلق سماج کے نچلے طبقات سے تھا۔ مذہب تبدیل کرنے والوں نے ہندو ذات پات پر مبنی درجہ بندی اور امتیازات سے بچ نکلنے کیلئے اور سماجی و معاشی ترقی کے لئے اسلام قبول کیئے۔ لیکن اسکے باوجود انکی امنگیں اور آرزو پوری نہیں ہوئیں۔ مسلانوں کا آپس میں مساوات کا تصور بڑی حد تک عقیدہ تک ہی محدود رہا اور وہ نومسلموں کی سماجی و معاشی پسماندگی واستحصال کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مسلمان زعماء نے سیکولر تعلیم کی ہمت افزائی کی بجائے نومسلموں کی صرف مذہبی تعلیم پر ہی توجہ دی۔ جسکے نتیجہ میں مسلم سماج اس طبقہ کو روایتی پیشہ ورانہ درجہ بندی میں ہی رہنے کے لئے مجبور کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی بیرونی نسل اور مقامی نومسلم کے طور پر درجہ بندی کی گئی اور بیرونی نسل کے لوگوں کو ''اشراف'' اور اسلام قبول کرنے والے مقامیوں کو ''اجلاف'' کہا جانے لگا۔ یہ دونوں درجہ بندیاں بعد میں بتدریج مزید چھوٹے گروہوں میں منقسم ہوگئیں۔ اشراف میں سید، شیخ، مغل اور پٹھان ہوئے جبکہ اجلاف میں ان گنت گروہ پیدا ہوئے۔ ان میں سے کچھ اپنے پیشوں کے ذریعہ جانے جانے لگے، جیسے جلاہا، قصاب، دھوبی، حجام، لوہار، رنگریز، مالی، لال بیگی وغیرہ۔

مصنف نے ہندو پسماندہ طبقات اور مسلمان پسماندہ طبقات میں بھی امتیاز کیا ہے اور بتایا ہیکہ مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں زیادہ پسماندہ ہیں اور وہ تحفظات کے فوائد کو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہیں اگرچیکہ کچھ مسلم طبقات کو بھی دیگر پسماندہ طبقات کے 27 فیصد تحفظات میں شامل کر لیا گیا ہے۔ مصنف کے مطابق مسلم پسماندہ طبقات کو پسماندہ کوٹہ میں ہی علاحدہ کوٹہ مقرر کیا جانا چاہئے۔

راکیش بسنت نے EPW(2007) میں شائع اپنے مقالہ "Social Economic and Educational Conditions of Indian Muslims" میں سچر کمیٹی کے سفارشات کا جائزہ لیا ہے۔ بین علاقائی فرق کو مٹانے کے لئے مصنف نے تجویز پیش کی ہے کہ چار عوامل جیسے مسلمانوں کی ترقی کے لئے مثبت اقدام، سیاسی طور پر متحرک کرنا، تاریخی تناظر اور حکمرانی کی نوعیت کو ذہن میں رکھا جانا چاہئے۔ مصنف محسوس کرتا ہے کہ ان چار عوامل کے تفاعل کے نتیجہ میں مساوات، سلامتی اور شناخت کے مسائل ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔

دیپک مہتا کی کتاب "Work Ritual Biography : A Muslim Community in North India (1977)" میں ریاست اتر پردیش کے ضلع بارہ بنکی کے دو دیہاتوں میں انصاری طبقہ طرز زندگی،

رہن سہن کا مطالعہ کیا ہے۔اس مطالعہ میں مختلف پہلو جیسے انکے کام کی نوعیت رسم و رواج جنسی اقلات   برادری اور مذہبی شناخت کا انکا تصور پیش کیا ہے۔ جولا ہے کے طور پر انکی عملی سرگرمیاں اور شناخت سماج اور خدا کے متعلق انکے تصورات اہم ہیں۔عبادت کی اسلامی روایتیں جیسے نماز کے علاوہ رسومات جیسے ختنہ اور مرنے والے کی تدفین کے طریقوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔مصنف کے مطابق کام کی تنظیم ایک نسل سے دوسری نسل میں جولا ہے کے کام کی منتقلی اور اہم رسومات انصاری برادری کی مختلف سطحوں میں مختلف ہیں۔اسطرح یہ کتاب انصاری طبقہ کے پیشہ اور سماجی و مذہبی زندگی سے جڑی باتوں کا خاکہ کھینچتا ہے۔

راجندر پانڈے نے اپنی تصنیف "Minorities in India-Protection and Welfare" (1977) میں بین الاقوامی اور قومی تناظر میں اقلیتوں پر بحث کرتے ہوئے دوسرے نسلی گروہوں سے انکے تعلقات، ہندوستان میں پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات، سماجیاتی اور قانونی پہلوؤں اور ہندوستان میں نسل پرستی کے خطرات پر روشنی ڈالی ہے۔

اصغر علی انجینئر اور معین شاکر نے سیاسی تناظر میں مسلمانوں کے مسائل پر بحث کی ہے۔معین شاکر کی کتاب ''اقلیتوں کی سیاست'' (1980) میں ہندوستان کے بڑے اقلیتی طبقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اقلیتوں کو ایک خودمختار اکائی سمجھنا غلط ہوگا۔اقلیتوں کا مسئلہ مراعات حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس نظام کو تبدیل کرنے میں مدد دینے کا ہے۔ایک اور تصنیف ''ہندوستان کی سیاست میں اسلام'' (1983) میں معین شاکر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مسئلہ، مسلم ذہن اور مسلم سیاست کی اصطلاحیں گمراہ کن ہیں اور ان تمام عوامل کا ایک طبقاتی تناظر اور طبقاتی تعصب ہے۔وہ کہتے ہیں کہ دوسرے طبقات کے غریبوں سے ہاتھ ملانے سے ہی غریب مسلمان آزاد ہو سکتے ہیں۔

(1985)"Indian Muslims : A Study of the Minority Problem in India" میں اصغر علی انجینئر، ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل کی ابتداء کو 1857ء سے دیکھتے ہیں۔اس میں اقلیتوں کے مسئلہ کے تاریخی، سیاسی، سماجی ومعاشی پہلوؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔مصنف کے مطابق مسلمان کوئی متجانس سماج نہیں ہے، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ افقی اور عمودی طور پر مختلف علاقوں اور تمدنی گروہوں میں منقسم ہیں اور اس وجہ سے انکے مسائل بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔مصنف نے مسلمانوں کے مسائل کا آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد کے

دور میں تجزیہ کیا ہے۔مصنف نے مسلم قیادت پر اپنے مفادات کے لئے مسلم مسائل کا استحصال کرنے کے لئے تنقید کی ہے انکی تجویز ہیکہ مسلمانوں کے نفسیاتی اور جذباتی مسائل پر سماجی، معاشی مسائل کو فوقیت دی جانی چاہئے۔انکی رائے ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ ملک میں اشترا کی اور جمہوری قوتوں کو مستحکم کریں۔

اقبال انصاری کی مرتب کردہ کتاب "The Muslim Situation in India" (1989) میں مسلمانوں کی پسماندگی، انکے رویہ، مذہب، سیاست، فرقہ واریت اور صحافت خصوصا مسلمانوں کے سماجی، معاشی اور تعلیمی ترقی کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے۔کتاب کے تعارف میں مصنف مسلمانوں کے مسائل کے حل کیلئے انکی تعلیمی اور معاشی ترقی پر زور دیا ہے۔

"Muslim Political Issues and National Integration" (1978)، ایچ اے غنی کی کتاب میں مسلمانوں کے مسائل جیسے اردو، مسلم پرسنل لاء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، قومی یکجہتی پر انکے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔وہ قومی یکجہتی اور سیکولرازم کے فروغ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔انکی تجویز ہے کہ ان دونوں موضوعات کو تعلیمی اداروں میں پڑھایا جانا چاہئے اور اسکی ماس میڈیا جیسے ریڈیو، اور سینما کے ذریعہ تشہیر کی جانی چاہئے۔وہ چاہتے ہیں کہ حکومت قومی یکجہتی کو فروغ دے اور اس مقصد کے لئے ایک علاحدہ سیل (Cell) قائم کرے۔

ایم۔آر۔اے بیگ نے اپنی کتاب "The Muslim Dilemma in India" (1974) میں مسلمانوں میں علاحدگی پسندی کی سماجیاتی، نفسیاتی اور سیاسی وجوہات کا تجزیہ کیا ہے جسکے نتیجہ میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔مصنف نے مسلمانوں کے انجذاب میں پائے جانے والے تذبذب کا تجزیہ کیا ہے۔مصنف اسلام کی جدید رسائی کی وکالت کرتے ہیں اور انکا کہنا ہے کہ سیول قانون کو اخلاقی یا مذہبی قانون سے علاحدہ کرنے کی ضرورت ہے۔وہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی زبردست وکالت کرتے ہیں۔انکی تجویز ہیکہ مسلمان اپنے آپ کو ایک علیحدہ اکائی سمجھنا چھوڑ دیں اور قومی سیکولر جماعتوں میں شامل ہو جائیں۔

ایس کے غوث کی کتاب "Muslim Politics in India" (1987) میں مسلم سماج کو مذہبی اور فرقہ وارانہ خطوط پر بانٹنے والی فرقہ پرست تنظیموں اور بنیاد پرست قائدین کا مطالعہ کیا ہے۔

سلمان خورشید کی کتاب "At Home in India: A Restatement of Indian

"Muslim (1986) میں ہندوستانی مسلمانوں، انکی امیدوں، تمدنی یکجہتی اور انکے استحصال پر انکے تعلق خاطر کا مطالعہ کیا ہے۔ مصنف نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، شاہ بانو اور بابری مسجد کے مقدمات، فرقہ وارانہ فسادات اور فرقہ وارانہ قیادت جیسے موضوعات پر بحث کی ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ انجمنوں اور اوقاف جیسی تنظیموں پر خود انحصاری سے مسلمانوں کو اپنے غریب حالات سے باہر نکلنے میں مدد ملے گی۔ تعلیمی ترقی اور بتدریج سماجی تبدیلی سے مسلمانوں کو چند ایک خراب عادتوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

نرملا سرینواس کی کتاب {"Identity Crisis of Muslims-Profile of Lucknow Youth" (1981) ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کے نوجوانوں کی شناخت کے بحران کا مطالعہ ہے۔ نوجوانوں کی شناخت پر یہ ایک نظریاتی تجربہ ہے اسکے ساتھ ساتھ یہ اقلیتی مسائل پر ایک علمی تصنیف بھی ہے۔

سلطان عمر کا مطالعہ ''جدیدیانہ اور نسل: تلنگانہ مسلمانوں کا ایک مطالعہ'' (1987) میں جدیدیانہ، نسل اور انجذاب کے پہلوؤں پر بنیادی مواد ملتا ہے۔ اس مطالعہ کے لئے حیدرآباد، نظام آباد، محبوب نگر، سدی پیٹ اور نلگنڈہ کے پانچ شہری علاقوں سے نمونے اکٹھا کئے گئے تھے۔ یہ مطالعہ اس نتیجہ میں پر پہنچا ہے کہ مسلم سماج بڑی حد تک متوسط طبقہ اور زیریں متوسط طبقہ پر مشتمل ہے۔ سست رفتار ترقی کی کمی کی بنیادی وجہ روزگار اور معاشی مواقعوں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز ہے۔ مسلمان اجتماعی اقدام میں سرگرم ہیں اور یہ محرومیت کا احساس رکھتے ہیں۔ محقق کا مشاہدہ ہیکہ تلنگانہ کے مسلمانوں کے مسائل میں اہم ترین مسئلہ معاشی پسماندگی ہے۔ وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے سیاسی رویہ پر مسلم قیادت کا اثر بہت ہی معمولی ہے۔ مسلمانوں کی سیاست میں حصہ داری صرف ووٹ ڈالنے کی حد تک محدود ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ مملکتی اداروں کی جانب سے امتیاز کی وجہ سے وہ سماجی، معاشی اور تعلیمی ترقی سے دور ہو گئے ہیں۔

عرفان باشاہ نے آندھراپردیش کے علاقہ رائلسیما کے مسلمانوں کی سماجی و معاشی حالات کا ایک تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ 2005 میں شائع انکی کتاب مسلمانوں کے سماجی رتبہ اور معاشی و تعلیمی حالات کا احاطہ کرتی ہے۔ انہوں نے اس علاقہ میں علم، ادب اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصہ کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کے فروغ کے لئے کام کرنے والے اداروں کی کارکردگی پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔

سید علی نے اپنی کتاب ''اجتماعی اور انتخابی نسل: ہندوستان کے شہری مسلمانوں میں ذات پات'' (2007) میں حیدرآباد کے شہری علاقہ میں عملی تحقیقی سروے کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان ذات پات کو ڈھونڈ نے کی کوشش کی ہے۔ انکے مطابق بعض مسلمانوں کے نزدیک ذات پات ایک بہت ہی اہم ادارہ ہے اور یہ اہم سماجی تفاعل کو طئے کرتا ہے جبکہ دوسروں کے لئے ذات باہمی تعلقات میں کوئی اثر پذیری نہیں رکھتی۔

آندھراپردیش کی آبادی میں مسلمانوں کا فیصد نو تھا اور حیدرآباد کی آبادی میں 39 فیصد ہے۔ حیدرآباد ہندوستان کے شہری علاقوں میں بڑی مسلم آبادی کا ایک مرکز ہے۔ حیدرآباد کے اعلیٰ ذات کے مسلمانوں نچلی ذات کے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے اعلیٰ ہونے کا احساس دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے کبھی اپنی ذات کی شناخت پر توجہ دیتے ہیں تو کبھی اپنی شناخت صرف مسلمان کی حیثیت سے بتاتے ہیں۔ جبکہ نچلی ذات کے مسلمان ایسا نہیں کر پاتے۔ چنانچہ قصاب اپنی شناخت قصاب کے طور پر اور جولاہا اپنی شناخت جولاہے کے طور پر ہی کراتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جنوبی ایشیاء میں خاص طور پر مسلمانوں میں ذات کا تصور ہندوؤں کی طرح سلسلہ حسب ونسب کی بنیاد پر ہے۔ تاہم مسلمانوں کے پاس ذات کے درجہ بند تعلقات ہیں۔ مصنف دوسری تصانیف پر بھی بحث کرتے ہیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان ذات پات کا مطالعہ کی ہیں اور اسکی بنیاد پر بتاتا ہے کہ ہندوؤں کے درمیان ذات کی طرح مسلمانوں میں بھی ذات کی جڑیں پیوست ہیں۔ حیدرآباد میں عملی تحقیقی سروے کی بنیاد پر انہوں نے یہ بتایا کہ مسلمانوں کی روزمرہ سماجی ومعاشی زندگی میں ذات ایک اہم رول ادا کر رہی ہے۔

مسلمانوں کا تعلیمی موقف

مسلمانوں کا تعلیمی موقف بھی مصنفین کی توجہ کو راغب کیا ہے۔ کل ہند سطح کے علاوہ ریاست آندھراپردیش میں بھی مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے متعلق متعدد مطالعے کئے گئے ہیں۔

اے آر کامت نے اپنے مقالہ "Literacy and Education of Muslims: A Note" EPW(1981) میں مسلمانوں کے درمیان تعلیمی پسماندگی کی اہم وجوہات جیسے ہندوستان کی تقسیم جسکی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک طبقہ کے طور پر سخت ترین شناخت کے بحران کا پیدا ہونا، ہندو اکثریت کی جانب سے

مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک اور خواندگی و تعلیم کے ساتھ ایک متوسط اور نچلے متوسط طبقہ جو حکومتی خدمات میں ایک باعزت مقام رکھتا ہو کی عدم موجودگی وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

امتیاز احمد نے "Muslim Educational Backwardness : An Inferential Analysis" EPW(1981) میں شائع اپنے مقالہ میں محسوس کیا ہے کہ مسلمانوں کے تعلیمی موقف کے متعلق قابل اعتماد مواد کی عدم موجوگی، ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو سمجھنے اور انکا جائزہ لینے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اسکی وجہ دراصل تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کی چھوٹی جسامت ہے۔ تقسیم کے بعد متوسط طبقے میں مزید کمی آئی ہے۔ انکی رائے ہے کہ مسلم سماج کی مدد کرنے کی ایک بہتر حکمت عملی یہ ہوسکتی ہے کہ انہیں اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے داخلی مسائل جیسے انسانی وسائل، تعلیمی سہولتوں، معاشی وسائل اور دیگر خانگی پیش قدمیوں کے فروغ کے لئے استعمال کریں۔

محمد محمود کا مقالہ ''اسلام اور جدید دور میں ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم'' (1983) میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی وجوہات کو تلاش کرتے ہوئے چند پالیسی تجاویز کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انکے مطابق' مسلمانوں کے ایک علاحدگی پسند سیاسی اقلیت ہونے کا غلط رویہ انگریزوں کے دور حکمرانی سے شروع ہوا ہے۔ مزید یہ کہ مصنف یہ محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی ان کی غربت سے جڑی ہے۔ انہیں مسابقت، بیروزگاری، وسائل کی کمی، ترقی کے مواقعوں کی کمی کی سخت حقیقتوں کا سامنا ہے۔ چنانچہ ایک موثر سماجی پالیسی کے بغیر وہ قومی دھارا سے الگ ہی رہیں گے۔ مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے لئے سب سے موزوں حکمت عملی یہ ہوگی کہ مسلم سماج کی اپنی کوششوں کو مملکت کے اقدام سے جوڑا جائے۔

راجیش کوچھر نے مسلم انڈیا میں شائع اپنے مقالہ "Caste as a Factor in Muslim Educational Backwardness" (1992) میں مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی کی کچھ اہم وجوہات کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مقابلہ میں انیسویں صدی میں مسلمانوں نے انگریزی تعلیم سے فائدہ اٹھانے سے انکار کردیا تھا چونکہ انگریزوں نے جن حکمرانوں کو اکھاڑ پھینکا تھا وہ مسلمان تھے۔ چنانچہ مسلمان غصہ میں اپنے آپ کو نئے حکمرانوں سے دور رکھنے لگے۔ مسلم رہنما یہ سمجھنے لگے تھے کہ انگریزی تعلیم سے مسلم نوجوان عیسائیت کو قبول کریں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کے طاقتور مذہبی اور ذات کے الحاقات نے انہیں مغربی تعلیم سے دور رکھا۔

"Education among Muslims : Problems میں شائع اپنے مقالہ Social Action and Prospects" میں مصنف عبدالرحیم ویجاپور کہتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان سماجی تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ ہیں۔حتیٰ کہ حکومت نے بھی نئی تعلیمی پالیسی 1986 کی دستاویز میں مسلمانوں کو قومی سطح پر تعلیمی طور پر پسماندہ قرار دیا ہے۔مسلمان دوسرے سماجی گروہوں میں ان جغرافیائی علاقوں میں بھی بہت پیچھے ہیں جہاں کہ یہ اکثریت میں ہیں۔ اور یہی حالت مسلمانوں کی جانب سے قائم کردہ اور چلائے جانے والے اداروں کی ہے۔ چونکہ تعلیم ایک بنیادی حق نہیں ہے اس لئے والدین بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے پابند نہیں تھے، چنانچہ کئی مسلمان بچوں کو مضر رساں پیشوں میں کام کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے یہ مقالہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی چند اہم وجوہات کو بتاتا ہے اور تجویز کرتا ہے کہ ابتدائی تعلیم کو ایک بنیادی حق بنایا جائے اور مسلمانوں کو تعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ تسلیم کیا جائے۔

خواجہ نظام الدین نے اپنی پی ایچ ڈی مقالہ "Eudcational Rights of Minorities under the Indian Constitution : A Case study of A.P" (1992) میں اقلیتوں کو تعلیم کے معاملہ میں دی گئی دستوری ضمانتوں سے بحث کی ہے اور یہ بتایا ہیکہ اقلیتوں نے ریاست آندھراپردیش میں کس طرح ان سے استفادہ کیا ہے۔ اس مقالہ میں ریاست میں اقلیتی طبقات کے اراکین کی جانب سے چلائے جانے والے تعلیمی اداروں کے موقف اوران کے مسائل کو بھی بتایا ہے۔محقق محسوس کرتا ہے کہ اقلیتی حقوق کا مسئلہ بڑی حد تک انگریزوں کی تقسیم کرواور حکومت کروکی پالیسی کا نتیجہ ہے۔لیکن دستور میں اقلیتوں کو دی گئی تعلیمی ضمانت تحقیق واضح نہیں ہے۔مقنّنہ کی قانون سازیوں اور عاملہ کے احکامات کے ذریعہ اقلیتوں کے حقوق میں مداخلت ہوتی رہی ہے۔جسکی وجہ سے اقلیتیں ان کو حاصل مراعات کو حاصل نہیں کر پائے ہیں۔

سید شاہ محمد مظہرالدین فاروقی نے اپنے پی ایچ ڈی کا مقالہ "Study of Alienation of Muslim Minority Student in Telangana Area in Relation to Their Educational and other Demographic Factor" (1987) مختلف عوامل جیسے سماجی پس منظر، جنس، مسلم طلباء کا سماجی و معاشی موقف، ان سے تفریق کے اقدامات اورانکی تعلیم پر روشنی ڈالتا ہے۔محقق اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ سماجی ومعاشی موقف اور تفریق کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے اور تعلیمی سطح میں اضافہ کے ساتھ ساتھ تفریق کی سطح میں کمی آتی جاتی ہے۔

شفیق الزماں نے اپنی کتاب "Problems of Minorities" (2001) میں دستور میں اقلیتوں کو دئے گئے تیقنات کے باوجود کہ وہ اپنے تعلیمی ادارے قائم کر سکتے ہیں اور انہیں چلا سکتے ہیں، اقلیتوں میں پائی جانے والی تعلیمی پسماندگی پر بحث کرتے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان میں دستوری تیقنات کے تاریخی ارتقاء اور مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی حالت اور اردو زبان کے موقف پر روشنی ڈالتی ہے۔ مصنف غربت، مسلمانوں کے احساس عدم سلامتی، اقلیتوں سے متعلق موجودہ قوانین کا ابہام، مخالف دفتر شاہی، اقلیتی تعلیمی اداروں کو کھولنے سے متعلق ہمت شکنی کرنے والے قوانین اور غیر سماج کی کاوشیں سب مجموعی طور پر اقلیتوں کی تعلیمی پسمانگی کیلئے ذمہ دار ہیں۔

"Muslims in the Process of Rural Development" (1984) ممتاز علی خان کا مطالعہ ریاست کرناٹک میں دیہی و شہری سطحوں پر مسلمانوں کے تعلیمی و معاشی پہلوؤں کا تجزیہ کرتا ہے۔ مصنف یہ بتاتا ہے کہ مسلمان خود اپنی پسماندگی کے لئے ذمہ دار ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے تحفظات کی پالیسی کو ناگزیر قرار دیتے ہیں جس سے مسلمان برتر و غالب گروہ کے ساتھ مسابقت کر سکتے ہیں اور تعلیمی و معاشی طور پر اوپر اٹھ سکتے ہیں۔ زندگی کی تمام شعبوں میں مسلمانوں کی ترقی کے لئے مصنف نے کئی تجاویز دی ہیں۔

"Cultural and Educational Rights of the Minorities under Indian Constitution" (1985) کے عنوان سے لکھے گئے ارون کمار کے مطالعہ میں اقلیتوں کے تاریخی پس منظر، دستور ہند میں اقلیتوں کے حقوق، تصور سیکولرزم، اقلیتوں کے معنی اور قسموں پر رشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مطالعہ میں اقلیتوں میں پسماندہ طبقات، لسانی اقلیتوں، سہ زبانی فارمولہ، اقلیتی تعلیمی اداروں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (ترمیمی) ایکٹ 1951 پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مطالعہ دستور کی دفعات 29 اور 30 (1) کی وسعت پر بحث کرتا ہے، خاص طور پر اقلیتی تعلیمی اداروں کے حقوق، مملکتی امداد کا حق، گرانٹ ان ایڈ اور عدم امتیاز کے دفعات کے تناظر میں ان دو دفعات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ مطالعہ اقلیتوں کو دیئے گئے ضمانتوں کے تحفظ میں اقلیتی کمیشن کے رول پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

ستیش چندرا اور دیگر کی کتاب "Religions Minorities and their Educational Institutions" (1993) میں اقلیت کا تصور، اقلیتوں کے حقوق کا تاریخی پس منظر اور برطانوی ہند کے دوران مسلم اقلیت کے حالات کو پیش کیا گیا ہے۔ جدوجہد آزادی کے دوران اقلیتوں کے متعلق مختلف سیاسی جماعتوں خصوصاً ہندو

مہا سبھا اور کانگریس کے نکتہ نظر پر بھی اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔اس کتاب میں تفصیل سے اقلیتی حقوق، خصوصا ان کے تعلیمی اداروں کے قیام سے متعلق ہوئے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے دستور میں دئے گئے تیقنات خصوصاً دستور کی دفعات 29 اور 30 میں دئے گئے تعلیمی وتمدنی حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آر این ٹھاکر کی کتاب "Rights of the Minorities : Problems and Grievances in Their Education" (1999) میں تصوراتی اور دستوری پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اقلیت کا تصور، دستوری دفعات اور اقلیتوں کے تعلیمی حقوق کے متعلق عدالتی فیصلوں کو پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں اقلیتوں کی جانب سے چلائے جانے والے تعلیمی اداروں، انکی مالی دیگر شکایتوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے مسائل اور شکایتوں کی واضح نشاندہی کرتے ہوئے انکی حالت زار کا نقشہ کھینچتی ہے اور مسلم اقلیت کی حالت کا دوسرے اقلیتی طبقات جیسے عیسائیوں، سکھوں، پارسیوں اور بدھسٹوں کی حالت سے تقابل کرتی ہے۔

امتیاز حسنین کا مقالہ "Minority Rights and Education ; Question of Survival of Minority Languages" (2006) میں ہندوستان میں اقلیتوں کی جانب سے بولی جانے والی زبانوں اور انکو حاصل دستوری تحفظات پر روشنی ڈالتا ہے۔ ہر ریاست کی اپنی سرکاری زبان ہے اور جو اسکے علاوہ اپنی مادری زبان کے طور پر دوسری زبان بولتے ہیں اپنے آپ کو لسانی اقلیت سمجھتے ہیں۔ یہ اقلیتی زبانیں نہ صرف ایک شناخت دیتے ہیں بلکہ ایک جذباتی اور ادبی بقاء بھی دیتے ہیں۔ مصنف نے لسانی اقلیتوں کے کمیشن کے رپورٹس اور کمیشن کی جانب سے اقلیتی زبانوں کے تحفظ کے لئے دی گئی سفارشات پر بھی بحث کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اقلیتی زبانوں کو نظر انداز کرنے سے بتدریج یہ زبانیں ختم ہوجائیں گی اوران زبانوں کو بھی ایک طرح سے ختم کرنے کا خطرہ ہوگا۔ چاہے یہ اردو ہو یا تولو (Tulu) یا قبائلی بولیاں، ان سب کو بقاء اور زندہ رہنے کے لئے مملکتی مدد ضروری ہے۔ مصنف اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ ایک ہمہ تمدنی سماج اور سیاست میں زبان کے تحفظ کو اہمیت ہونی چاہئے۔

اقلیتوں کے لئے تحفظات

ہندوستان کی تحفظات کی پالیسی پر کئی کتابیں اور مقالے ہیں۔تاہم اقلیتوں خاصکر مسلمانوں کے لئے تحفظات کے مسئلہ پر بہت کم مواد دستیاب ہے۔ذیل میں تحفظات پر موجود مواد کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

گھنشیام شاہ نے اپنے مقالہ "Social Backwardness and Politics of Reservation" جو کہ 1991 میں EPW میں شائع ہوا ہے، میں پسماندہ ذاتوں اور طبقات کی جانب سے اپنائی گئی سیاست اور سماجی پسماندگی کی نوعیت اور زعماء طبقہ کی ردعمل کی جانچ کی ہے۔مصنف کے مطابق سماجی پسماندگی کو متعین کرنے والے عوامل معاشی ساخت میں تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں لیکن ایسی تبدیلی خود بخود نہیں ہوتی' بلکہ اس کے لئے سیاسی نظام کے اندر اور باہر سے اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔تحفظات محروم طبقات کے لئے صرف عارضی راحت ہیں اور اس سے صرف معمولی یا محدود تبدیلیاں آتی ہیں جو کہ سماجی اور سیاسی قوتوں کی مدد سے ہوتی ہیں۔

تھیوڈر پرنگے جے آر، نے اپنے مقالہ A New Demand for Muslim Reservation in India" (1997) میں برطانوی دور حکمرانی میں مسلمانوں کی حالت کی جانچ کی ہے جبکہ انہیں ترجیحی سلوک ملتا تھا اور 1950 کے دستور کو اپناتے وقت اس میں توسیع نہیں کی گئی۔اس طرح کے ترجیحی سلوک کی ضرورت دستور ساز اسمبلی کے خیال میں مسلمانوں کو اس لئے نہیں تھی کہ ملک تقسیم ہو گیا تھا اور قیام پاکستان کے بعد اس طرح کے ترجیحی سلوک کی ضرورت نہیں ہے۔

1994ء میں پانچ ریاستوں کے انتخابات کے موقع پر مسلمانوں کے لئے سیول سرویس اور تعلیم میں تحفظات کا نیا مطالبہ کیا گیا،لیکن مقنّنہ میں اس طرح کے مطالبہ پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ستیارام کیسری کی صدارت میں انڈین نیشنل کانگریس نے ڈسمبر 1996 میں مسلمانوں اور دوسروں کے لئے کوٹہ کی وکالت کی اور اسکا مقصد مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا تھا، جو بابری مسجد کی شہادت کے بعد کانگریس سے دور ہو گئے تھے۔1996ء میں دسویں پارلیمانی انتخابات کے بعد صرف جنتا دل نے ہی چند ایک مذہبی اقلیتوں کے لئے تحفظات فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ پسماندہ طبقات کے لئے موجودہ تحفظات کے انتظام کو تبدیل کئے بغیر ہی مسلم پسماندہ طبقات کو تحفظات فراہم کرنے کا تھا۔بی جے پی نے مسلمانوں کے لئے تحفظات کی مخالفت کی اور اسے اقلیتوں کی خوشامدی

سے تعبیر کیا۔ زیادہ تر سیاسی جماعتیں صرف چند ایک دعوے جیسے اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ مسلم ووٹروں کے لبھانے کیلئے کیں۔ 1996 کے انتخابات کے بعد توجہ مسلم تحفظات سے تبدیل ہو کر ذات پات کے خطوط پر مقنّنہ میں خواتین کے لئے تحفظات پر مرکوز ہوئی۔

کونڈل راؤ وکیل نے 20 دسمبر 2007 کو پسماندہ طبقات کی تنظیم ''مترولو'' (دوست) کی جانب سے آندھرا پردیش کمیشن برائے پسماندہ طبقات کو پیش کئے گئے یادداشت (میمورنڈم) جسے بعد میں مجلد شکل دی گئی میں مسلمانوں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی مخالفت کی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ کسی بھی سماجی گروہ، ،ذات یا طبقہ بشمول مسلم سماج کو مواقعوں کے تناسبی حصہ کے مخالف نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے لئے تحفظات کی جس نکتہ نظر سے مخالفت کی گئی وہ یہ تھی کہ تحفظات کے فیصد میں اضافہ کئے بغیر دوسری ذاتوں یا طبقات کو تحفظات دینا پسماندہ طبقات سے ناانصافی ہوگی۔ اسکے علاوہ انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ قومی اوسط کے مقابلہ میں آندھرا پردیش میں مسلمانوں کا موقف کئی معنوں میں زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے اپنی دلیل کی تائید میں اعداد و شمار بھی پیش کئے۔

انہوں نے کئی ایک کمیٹیوں جیسے اننت رامن کمیشن، مرلیدھر راؤ کمیشن، جنہیں آندھرا پردیش کی حکومت نے قائم کیا تھا کا حوالہ دیا۔ ان کمیشنوں نے بھی تمام مسلمانوں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کئے جانے کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے یہ بھی دلیل دی کہ منڈل کمیشن نے بھی جو کہ کئی پسماندہ طبقات/ذاتوں کی شناخت کی ہے مسلمانوں کی BC فہرست میں شمولیت کی تجویز نہیں دی ہے۔ جبکہ یہ ایک حقیقت ہیکہ منڈل کمیشن نے تمام مسلمانوں کی پسماند طبقات میں شامل کرنے کی سفارش نہیں کی ہے، تاہم اس کمیشن نے پسماندہ طبقات کے طور پر 80 مسلم پیشہ ور گروہوں کی شناخت کی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں پر کئے گئے مندرجہ بالا ادب کے جائزہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محققین نے مسئلہ کے سماجی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں پر کما حقہ توجہ نہیں دی ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کی مقنّنہ میں نمائندگی، روزگار اور تعلیم پر توجہ مرکوز نہیں کی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کی معاشی ترقی میں مسلمانوں کی کم حصہ داری کی وجوہات کی جانچ کی جائے۔

حاشیائی طبقات خصوصاً مسلم اقلیت کو ترقی کے عمل میں جوڑنے کے لئے مشمولی پالیسیوں کی ضرورت کی جانچ کی جانی چاہئے۔ چنانچہ یہ موجودہ تحقیقی مطالعہ کیلئے ''آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات'' کے موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

یہ مطالعہ ہندوستان میں آندھراپردیش کے حوالہ سے مسلمانوں کی سماج، معاشی و تعلیمی موقف کا تجزیہ کیا جائیگا۔ اس مطالعہ میں حکومت آندھراپردیش کی تحفظات کی پالیسی کی جانچ کی جائے گی اور یہ دیکھا جائے گا کہ کس حد تک یہ پالیسی ریاست میں مسلمانوں کی امنگوں کی عکاسی کرتی ہے اور اس پالیسی کا مسلم سماج کی سماجی، معاشی اور تعلیمی ترقی پر کیا اثر ہوا۔

مطالعہ کے مقاصد

اس تحقیقی مطالعہ کے حسب ذیل مقاصد ہیں:

1۔ سماجی انصاف کے حصول میں تحفظات کی پالیسی کی موثریت کا مطالعہ کرنا۔
2۔ سماج میں حاشیائی طبقات کی ترقی میں تحفظات کی پالیسی کے رول کا تعین قدر کرنا۔
3۔ مسلمانوں کے لئے تحفظات کے دستوری اور دیگر پہلوؤں کی جانچ کرنا۔
4۔ آندھراپردیش میں مسلمانوں کیلئے تحفظات کے مطالبہ کی وجوہات کا مطالعہ کرنا۔
5۔ آندھراپردیش میں مسلمانوں کیلئے تحفظات کے لئے بنائے گئے قوانین کا جائزہ لینا۔
6۔ تعلیم اور روزگار کے میدانوں میں مسلم پسماندہ طبقات کیلئے تحفظات کے اثرات کا مطالعہ کرنا۔
7۔ آندھراپردیش میں مسلمانوں کی مجموعی ترقی میں تحفظات کی موثریت کا مطالعہ کرنا۔

تحقیقی طریقہ کار

یہ تحقیقی مطالعہ ایک تجزیاتی مطالعہ ہے جس کے لئے لائبریری' سرکاری دفاتر اور دیگر ذریعہ مواد کو جمع کیا گیا ہے۔ تحقیقی موضوع کے لئے ابتدائی مواد جمع کرنے کی غرض سے اس موضوع کے ماہرین، پالیسی سازوں کے ساتھ

ساتھ تحفظات کی پالیسی کے نفاذ کاروں سے انٹرویو کے ذریعہ معلومات حاصل کی گئی ہے۔مسلم پسماندہ طبقات کے تعلیمی وروزگار کے موقف کے متعلق ابتدائی مواد کو آندھراپردیش کی حکومت کے مختلف محکمہ جات جیسے محکمہ اعلیٰ تعلیم، تکنیکل تعلیم، APSRTC اور تقررات کرنے والی مختلف ایجنسیاں جیسے APPSC، AP Police Recruitment Board, اور ڈسٹرکٹ سلکشن بورڈس وغیرہ سے قانون حق اطلاع کے ذریعہ جمع کیا گیا۔

ہندوستان میں مسلم اقلیت اور مسلمانوں کے لئے تحفظات سے متعلق ثانوی مواد کو حیدرآباد کے اطراف واکناف میں پائی جانے والے کتب خانوں جیسے اندرا گاندھی لائبریری حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی، عثمانیہ یونیوسٹی لائبریری، اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، مولانا آزاد اورینٹل ریسرچ سنٹر، اور لائبریری کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل کا دورہ کرتے ہوئے جمع کیا گیا ہے۔مواد کو موضوع کتابوں، جرائد ورسائل اور غیر مطبوعہ مقالہ جات سے بھی جمع کیا گیا ہے۔ریاست میں پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات کی غرض سے قائم کئے گئے کمیٹیوں اور کمیشنوں جیسے اننت رامن کمیشن، مرلیدھر راؤ کمیشن، جسٹس سبرامنیم کمیشن اور پی ایس کرشنن رپورٹ کا بھی مطالعہ کیا گیا۔ ہندوستان میں مسلم اقلیتوں کی مجموعی صورتحال اور تحفظات کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے منڈل کمیشن رپورٹ، ڈاکٹر گوپال سنگھ کمیشن رپورٹ، سچر کمیٹی رپورٹ اور رنگناتھن مشرا کمیشن کی رپورٹوں کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔

جمع کئے گئے مواد کا سائنسی طریقوں کے مطابق تجزیہ کیا گیا اور منطقی نتائج اخذ کئے گئے جنہیں ایک مقالہ کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

مفروضات

یہ مطالعہ مندرجہ ذیل مفروضوں پر مبنی ہے۔

1۔ ریاست آندھراپردیش میں BC.E زمرے کے تحت مسلم پسماندہ طبقات کو دیئے گئے تحفظات کے نتیجہ میں انکا تعلیمی موقف بہتر ہوا ہے۔

2۔ آندھراپردیش میں BC.E درجہ کے تحت مسلم پسماندہ طبقات کو دیئے گئے تحفظات کے نتیجہ میں سرکاری خدمات میں مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ ہوا ہے۔

3۔ تحفظات کی پالیسی مسلم سماج کومعاشی ترقی کے مواقع فراہم کرنے میں جزوی طور پر ہی کامیاب ہوئی ہے۔

ابواب کی تقسیم

اس مطالعہ کوسات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب تعارف پر مبنی ہے۔اس باب میں مسئلہ کا بیان، مقصد مطالعہ، مفروضہ اور طریقہ کار پر بحث کی گئی ہے۔اسکے علاوہ اس باب میں ایک طویل جائزہ ادب کو پیش کیا گیا ہے۔ دوسرا باب تحفظات کی پالیسی کے تصوراتی پہلوؤں سے متعلق ہے جس میں تحفظات کی پالیسی کی ابتداء اسکی خوبیاں اور خامیاں، اور سماجی و معاشی ترقی کے ایک آلہ کے طور پر تحفظات پر مختلف نکات نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا باب ہندوستان میں تحفظات کی پالیسی کے ارتقاء سے متعلق ہے۔ اس باب میں تحفظات کی پالیسی کی دستوری وقانونی توضیعات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ہندوستان میں سماجی انصاف کے حصول میں اس پالیسی کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے تحفظات پالیسی کا بھی جائزہ لیا گیا۔

چوتھا باب آندھراپردیش میں مسلم اقلیت کے موقف وصورحال پر مشتمل ہے۔ اس باب میں مسلمانوں کی سماجی۔معاشی موقف کے علاوہ آندھراپردیش میں مسلمانوں کی ترقی کے لئے بنائی گئی پالیسیوں اور پروگراموں پر بحث کی گئی ہے۔ پانچواں باب میں آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس باب میں مسلم طبقہ کے لئے تحفظات کے مطالبہ اور اسکے لئے سیاسی وقانونی کوششوں پر بھی غور کیا گیا ہے۔اسکے علاوہ اس باب میں مسلمان پسماندہ طبقات کے موجودہ موقف کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

باب ششم میں تحفظات کی پالیسی کے نفاذ کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ریاست میں مسلمان پسماندہ طبقات کی حالت کو بہتر بنانے میں تحفظات کی پالیسی کے اثرات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

اختتامی باب ہفتم مطالعہ کے نچوڑ اور نتائج پر مبنی ہے۔اس باب میں مطالعہ کے مشاہدات کے ساتھ ساتھ پیش بھی کئے گئے ہیں ہیں۔

مطالعہ کی تحدیدات اور مزید مطالعہ کی گنجائش

موجودہ تحقیق مقالہ متحدہ ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے لئے تحفظاتی پالیسی کا سال 2014 تک احاطہ کرتا ہے۔ 2014 میں یہ ریاست، آندھراپردیش اور تلنگانہ دو علیحدہ ریاستوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں دونوں ریاستوں کی سلم آبادی کی نوعیت بھی بدل گئی ہے۔ وقت اور وسائل کی تحدیداور ریاستوں کی تقسیم نو کی وجہ سے مواد کو حاصل کرنے میں دشواری کی بناء پر محقق ان دونوں ریاستوں میں تحفظات سے متعلق موجودہ صورتحال کا پوری طرح احاطہ نہیں کرسکی اس میں مزید تحقیق کی گنجائش ہے۔

............☆☆☆............

باب2

تحفظاتی پالیسی: تصوراتی خاکہ

Reservation Policy: A Conceptual Framework

تصورتحفظات Concept of Reservation

تحفظات کی پالیسی یا مثبت اقدام کی پالیسیاں یا ترجیحی سلوک اور معاوضاتی انصاف ان مختلف طریقوں میں سے ایک ہیں جنہیں مثبت مساوات کے فروغ کے لئے اپنایا گیا ہے۔غالب اور مظلوم طبقات کے درمیان سماجی تصادم سے بچنے کے لئے مثبت انصاف کے تصور کو اپنایا گیا۔ مساوات اور عدم امتیاز پر مبنی مساوی سماج کے قیام کے لئے ضروری ہے۔

اس تصور میں عموماً تین پہلو شامل ہیں۔ مثبت امتیاز(Positive Discrimination)، الٹا امتیاز(Reverse Discrimination)، معاوضاتی امتیاز (Compensative Discrimination)اور مثبت مساوات سے مراد ان لوگوں کے ساتھ خصوصی سلوک کرنا ہے جو استحصال کا شکار ہوتے ہیں الٹا امتیاز ایک طرح کا انتقامی قدم ہے، یعنی ان لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنا ہے جو دوسروں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے رہے ہیں۔معاوضاتی امتیاز میں تاریخی طور پر سماج کے محروم طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لئے معاوضہ اور دیگر اقدامات کو اپنانا ہے۔ یہاں معاوضہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کسی گروہ کے ساتھ کی گئی سنگین سماجی ناانصافی کے بدلے میں کی گئی ادائیگی ہے''۔[1] مثبت اقدام اور تحفظات کی پالیسی تقسیمی انصاف(Distinctive Justice) کے وہ اقدامات ہیں جن کے ذریعہ عدم مساوات کا مداوا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہندوستان میں تحفظات مثبت اقدام کی ایک شکل ہے جس میں تعلیمی، سماجی اور انتظامی اداروں میں کم نمائندگی رکھنے والے مختلف برادریوں کی کم از کم نمائندگی کو یقینی بنانے کے لئے نشستوں کی تعداد یا فیصد کو مختص کیا جاتا ہے۔[2] تحفظات تاریخی طور پر ہندوستانی سماج کے محروم طبقات کی شرکت اور با اختیاری کو یقینی بنانے کی مملکت ہندوستان کی

ایک سماجی پالیسی ہے، جو سماجی ومعاشی طور پر پسماندہ ومحروم طبقات جیسے درج فہرت ذاتیں (SC)، درج فہرست قبائل (ST) اور دوسرے پسماندہ طبقات (OBC) کو اوپر اٹھانے کا ایک قدم ہے۔ دراصل یہ محض ایک مخصوص کوٹہ مقرر کرنے کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ ذات، نسل، مذہب، جنس وغیرہ سے اوپر اٹھ کر سب کے لئے مواقع فراہم کرتے ہوئے سماج کو متحد اور مضبوط بنانے کا ایک مشن ہے۔ اسکے علاوہ سماجی دھارے سے الگ آزادی ووقار سے محروم طبقات کو سہارا دیکر ایک تمدنی سرمایہ (Cultural Capital) بنانا بھی اس پالیس کا مقصد ہے۔

معاوضاتی انصاف کا مقصد ان لوگوں کو فوائد فراہم کرنا ہے جنہیں غلط طور پر ماضی میں محروم رکھا گیا تھا۔ چنانچہ معاوضاتی پروگرام از سر نو تقسیم کے پروگراموں سے مختلف ہیں چونکہ انکا تعلق خاطر ماضی سے ہے۔ از سر نو تقسیم کا تعلق موجودہ عدم مساوات کو ختم کرنا ہے جبکہ معاوضاتی انصاف کا تعلق نہ صرف اس سے ہے بلکہ ماضی میں غیر منصفانہ بوجھ اور تسلط سے گزرنے کیلئے معاوضہ فراہم کرنا ہے۔ اس طرح معاوضاتی انصاف محض غربت کے خاتمہ کا پروگرام نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ ایک متنوع سماج میں تشدد کی جگہ اتحاد پیدا کرنے کا آلہ ہے۔

تحفظات کو دوسرے پہلو کو الٹ امتیازی بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں تمام شہریوں کیلئے مساوات کو یقینی بنانا ہے۔ ان لوگوں کیلئے روزگار میں حصہ داری کو یقینی بنانے کا ایک میکانزم ہے جو اسکے بغیر اسے حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ میکانزم تحفظات ایک چھتری جیسا ہے، جسکے سایے میں تمام محروم طبقات کو لایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا امتیازی سلوک ہے جو سماج کے سرمایہ کو میرٹ کے نام پر محض چند افراد یا طبقات تک محدود کرنے کے بجائے ان تمام محروم طبقات کو جو اپنے حصے کو مانگنے کے قابل بھی نہیں ہیں، اس سرمایہ میں برابر کا شریک کرتا ہے۔ اس طرح یہ محروم طبقات جیسے درج فہرست ذاتوں، قبائیل اور دیگر پسماندہ طبقات کیلئے اعلیٰ طبقات کے خلاف الٹ امتیاز کا کام کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نوکری یا نشست جو میرٹ کی بنیاد پر صرف اعلیٰ ذات کے فرد کو مل سکتی تھی، اب مخصوص کوٹہ کے تحت پچھڑے طبقہ کے فرد کو مل رہی ہے۔ یہ الٹا امتیاز کے سواء کچھ نہیں ہے۔ تحفظات کا قانون دراصل غیر مساوی کو مساوی کے برابر آگے بڑھانے کا صرف ایک قدم ہے جسکا بالآخر مقصد سماج میں مکمل مساوات لانا ہے۔ مزید یہ کہ محافظتی اور الٹا امتیاز محروم طبقہ کے تئیں ذمہ داری کا احساس دلاتے ہیں۔ سماج کے غیر مساوی لوگوں کو مساوی بنانے کا یہ ایک دستوری انتظام ہے۔[3]

محافظتی امتیاز Protective Discrimination

ہر ایک کیلئے مساوی مواقع دستور ہند میں دیئے گئے بنیادی حقوق کا جوہر ہے۔لیکن ملک کے مخصوص سماجی نظام اور سماجی درجہ بندی کے تناظر میں دیکھیں تو یہ مساوات کا حق سماج کے کمزور اور پچھڑے طبقات کو بھی پہنچ سکتا ہے جب ان کے لئے مخصوص اقدامات کئے جائیں۔ اس موضوع پر دستور ساز اسمبلی میں باریکی سے کئی بار گرما گرم غور وخوص اور مباحث بھی ہوئے۔تب کہیں جا کر بانیان دستور نے فیصلہ کیا کہ محافظتی امتیاز کوفراہم کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ،اگرچیکہ شہریوں کے درمیان امتیاز عام حالت میں درست نہیں ہے،لیکن مخصوص حالات میں محافظتی امتیاز قانونی اور جائزضرورت بن جاتا ہیں۔محافظتی امتیاز درج فہرست ذاتوں اورقبائیلوں کے مسائل کوحل کرنے کےطریقوں میں سے ایک ہے۔

محافظتی امتیاز یعنی تحفظات روایتی طور پرنظرانداز کئے گئے سماجی گروہوں کودوسروں کے برابرشریک ہونے کی ضمانت دینے والاطریقہ ہے۔ڈاکٹرامبیڈکر کے مطابق ہندوستان آزاد ہونے سے ہمیں سیاسی مساوات تو مل جائے گی لیکن سماجی ومعاشی مساوات نہیں مل پائے گی۔ جب تک کہ سب لوگوں کو برابر کا سماجی رتبہ اور معاشی مواقع حاصل نہ ہوں۔ [4]

تصورمساوات کی موزونیت

The Relevance of the Concept of Equality

مساوات بہتر زندگی کا ایک لازمی جز ہےاورتمام سیاسی سماجوں کا مقصد اپنے اراکین کی زندگی کی بہتری ہوتا ہے۔گہرے تجزیہ سے یہ سچائی سامنےآتی ہے کہ مساوات کے مثبت پہلوکوصرف اسی وقت حاصل کیا جاسکتا ہے جبکہ ’’ہر ایک کیلئے مناسب مواقع ہوں نہ صرف کسی پیشہ یا کاروبار میں داخل ہونے کے لئے بلکہ بہتر زندگی گذارنے اوراپنی شخصیت کی تکمیل کےمواقع ہونا چاہئے۔ [5]

چنانچہ مساوات کا تقاضا ہیکہ جب کبھی تحفظات کی پالیسی بنائی جائے یا اسکی عمل آوری ہوتو ’’اچھی زندگی گذارنے‘‘ اور’’اپنی شخصیت کی تکمیل کےمقصد کے درمیان تعلق کو پورا کرے۔ پالیسی سازی کے ذریعہ اس مقصد کو

حاصل کرنا سیاسی نظام کی کوشش ہونی چاہیۓ۔

جدید جمہوریت، مساوات کو حکمرانی کے ایک بہتر اصول کے طور پر پیش کرتی ہے۔ چونکہ یہ ایک حقیقت ہیکہ جمہوریت یہ فرض کر لیتی ہے کہ تمام شہری فیصلہ سازی کے عمل میں حصہ لے رہے ہیں' اور شہریوں یا انکی جانب سے دیئے گئے اختیار کے لوگوں کی جانب سے فیصلے کئے جاتے ہیں تو اس سے سیاسی سماج کا مستقبل متاثر ہوتا ہے جسکے کہ یہ خود رکن ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام کی بہتر کارکردگی کیلئے ہر شہری کو ایک ووٹ سیاسی مساوات کا مظہر ہے۔ لیکن' یہ مساوات ناکافی ہے چونکہ دوسری سہولتیں خصوصا سماجی ومعاشی عدم مساواتیں سیاسی مساوات پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ زندگی کے دوسرے میدانوں میں ''عدم مساواتیں'' دیگر تمام عدم مساواتوں کو جنم دیتی ہیں جس سے پورا جمہوری نظام ہی متاثر ہوتا ہے۔

مارکسی فلسفہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عدم مساواتوں کا تعلق اس بات سے ہیکہ وسائیل پیداوارکس کی ملکیت میں ہیں۔ چنانچہ طبقاتی فرق اور اسکے نتیجہ میں پیدا ہونے والے طبقاتی تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے اور مارکیسوں کے مطابق اس مسئلہ کا حل صرف اشتراکی نظام کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اشتراکی مفکرین مساوات کا ایک ایسا تصور پیش کرتے ہیں جو کہ ایک طبقاتی سماج کا ایک خیالی تصور ہوتا ہے۔ وہ صرف معاشی مساوات پر زور دیتے ہیں۔ مارکسی نکتہ نظر پر تنقید کرتے ہوئے Bertrand Russel نے کہا تھا۔ ''سب سے بڑی سیاسی برائی دولت کی عدم مساوات نہیں ہے جیسا کہ بالشویک نظریہ ساز سمجھتے ہیں' بلکہ یہ اقتدار کی عدم مساوات ہے''۔[6]

مساوات کی نوعیت

تصور مساوات ایک مثالی تصور ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سب کو مساوی مواقع فراہم کرتے ہوئے تمام افراد کے ساتھ مساوی سلوک کیا جانا چاہیۓ۔ تاکہ وہ اپنی شخصیت کو فروغ دے سکیں اور اس سے مملکت کو بھی فائدہ ہوگا۔ لیکن کیا سب کے ساتھ یکساں اور مساوی سلوک کیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ ایک دیئے گئے سماجی، سیاسی و معاشی صورتحال میں تصور مساوات ایک مثالی تصور بن جاتا ہے جسے حاصل شاید ہی کیا جا سکتا ہو' تاہم اس تصور کو حاصل کرنے کے لئے سنجیدگی و پوری توانائی سے کوشش و جستجو کی جانی چاہیۓ لیکن قانونی طور پر اس کو کس طرح سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس

سلسلے میں یہ بہتر ہوگا کہ قانون ساز Rawls کی کہی گئی باتوں کا نوٹ لے۔ اسکے مطابق مساوات کے دو اہم پہلو ہیں۔ پہلے یہ کہ ہر شخص کو بنیادی آزادی کا حق مکمل ہو اتنا ہی جتنا کہ دوسروں کو حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ سماجی و معاشی عدم مساواتوں کا اس طرح سے انتظام کیا جائے کہ ہر فرد کو برابر کے سماجی و معاشی موقع حاصل ہوں۔ اسکے علاوہ یہ واجبی طور پر ہر ایک کے مفاد میں ہو اور سرکاری عہدے مساوی طور پر سب کے لئے کھلے ہوں''۔[7]

رالس ''مساوات'' اور ''انصاف'' کے درمیان تعلق کی جانچ کرتا ہے۔ وہ خامیوں سے پاک ہونے (Fairness) کو تصور انصاف سے علاحدہ نہیں سمجھتا۔ چنانچہ مساوات کے تصور سے فلسفیانہ اور عملی سطحوں پر مسائل پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ Ben اور Peter نے کہا ہے کہ ''ایک مثبت مشاورتی سماج کسی تفریق کے بغیر یکساں سلوک کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سے خرافات پیدا ہوتے ہیں۔ تمام امتیازات کو ختم کرنے کے لئے ناانصافیاں کرنا ناقابل معافی ہوگا اور اس پر اعتراضات بھی ہونگے''۔[8]

کسے ہم ''غیر موزوں یا نامناسب عدم مساواتیں سمجھیں ایک بہت ہی موزوں و مناسب سوال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مناسب اور غیر موزوں عدم مساواتوں کو ہٹانے کے لئے لاسکی کے الفاظ میں ''مساوات کا عمل درکار ہوتا ہے''۔[9] تاہم مکمل مساوات کا حصول ناممکن ہے اور اسی لئے ''مساوی لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک ہو اور غیر مساوی لوگوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک ہو اور جس معاملے یا میدان میں انہیں غیر مساوی سمجھا جارہا ہو وہ سلوک میں فرق جسکی ہم مخالفت کرتے ہیں، موزوں و مناسب ہو''۔[10] اسکے باوجود یہ سوال جوں کا توں باقی رہتا ہے کہ عدم مساوات کا تخمینہ کون کرے اور اسکے لئے کونسے مثالی پیمانہ کو اپنایا جائے۔

بیسویں صدی کے وسط تک انسانوں کے ساتھ ''مساوی سلوک'' ایک طاقتور سیاسی اور جذباتی مسئلہ تھا۔ اور یہ ''حقوق انسانی'' کا ایک اہم اصول بن گیا۔ انسانی حقوق کا تصور عمومی طور پر ایک جذباتی موضوع بن گیا خصوصاً دوسری جنگ عظیم کے بعد نازیوں کے زیادتیوں کی وجہ سے۔ اقوام متحدہ کی جانب سے اعلان نامہ انسانی حقوق کی اجرائی سے تصور مساوات کو عالمی سطح پر ایک قانونی جواز ملا۔ جدید جمہوریتیں لازماً ان حقوق کو اپنے دستور میں شامل کئے۔[11] اور یہ حقوق جمہوری دستوریت کا ایک اہم اصول بن گئے۔

نظریاتی و تصوراتی سطح پر تحفظات کی پالیسی سماجی انصاف کا ایک مظہر ہے۔ سماجی انصاف تصور انصاف کا ایک

ذیلی تصور ہے۔اس تصور کا تعلق پورے سماج میں فوائید اور نقصانات کی تقسیم سے ہے۔رافیل،مل اور ہیوم جیسے مصنفین نے ''سماجی انصاف'' کی تعریف حقوق کے اصطلاحوں میں کی ہے۔Hayek اور Spencer جیسے مصنفین نے ''سماجی انصاف'' کی تعریف خواہشات کی اصطلاحوں میں کی ہے۔سماجی مصنفین نے ''سماجی انصاف'' کی تعریف احتیاج کی اصطلاحوں میں کی ہے۔[12]

چنانچہ تقسیم کی بنیاد کو طئے کرنے کی تین کسوٹیاں ہیں۔(الف)حقوق(ب)خواہشات اور(ج)احتیاجات۔ ان تینوں کسوٹیوں کو مساوات کے دو حسب ذیل تصورات ''رسمی مساوات'' اور ''تناسبی مساوات'' میں بتایا جاسکتا ہے۔

رسمی مساوات Formal Equality

رسمی مساوات کو جیفرسن کا تصور مساوات کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہ تصور یہ بتاتا ہے کہ شہریوں کو آزادیوں کے استعمال کے لئے ہر فرد کا تحفظ کیا جانا چاہئے تاکہ ہر فرد کو اپنی استعداد و اہلیت کے مطابق مساوی مواقع ملیں۔یہ تصور آزادی کے حق میں جھکاؤ رکھتا ہے اور مواقع کے مساوات کی ضمانت دینا چاہتا ہے حصول کی مساوات کی نہیں۔[13] یہ مساوات اس بات کو تسلیم کرتی ہیکہ انسان مختلف النوع ہوتے ہیں اور بہت سے معاملوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور یہ کہ تمام طرح کے فرق و اختلافات سماج کے اراکین میں فوائید و نقصانات کی تقسیم کے مقصد میں نامناسب و غیر موزوں ہیں۔یہ نمونہ عوامی شعبہ میں تمام انسانوں کے ساتھ مساوی سلوک چاہتا ہے چاہے خانگی شعبہ میں عدم مساواتیں ہوں۔

رابرٹ نوزک اور Hayak انسانوں کی رسمی مساوات و آزادیوں کے جدید حامیوں میں سے ہیں۔نوزک انصاف کے ان تمام تصورات پر اعتراض کرتا ہے جنکا مقصد سماجی اشیاء کی تقسیم مناسب طور پر کرنا چاہے۔یہ تصورات یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی بھی فرد دوسرے کی لیاقت و محنت سے حاصل کی جانے والی کمائی یا حصول پر دعویٰ کرسکتا ہے۔ اس نے اپنے نظریہ انصاف کو پیش کیا جسے نظریہ حق کے نام سے جانا جاتا ہے۔جسکا مغز جوں کی توں حالت کی برقراری ہے۔اس تصور مساوات پر بھی کئی مصنفین نے تنقید کرتے ہوئے اسے بھدا،اخلاقی طور پر ناکافی اور سماجی طور پر غیر منصفانہ قرار دیا ہے۔[14]

تناسبی مساوات Proportional Equality

اس تصور کو جاکسن (Jacksonian) تصور انصاف کہا جاتا ہے۔ اس تصور کے مطابق یہ کافی نہیں کہ قانون ہر شخص کے ساتھ یکساں سلوک کرے، بلکہ قانون کو چاہئے کہ ہر فرد کو وہ تمام مواقع فراہم کرے جو کہ اپنی نوعیت میں بنیادی ہوتے ہیں اور جو کہ دستیاب آزادیوں کو مکمل طور پر جاننے اور استعمال کرنے کے لئے ایک اہم بنیادی شرط ہوتے ہیں۔ ایک فرد کے طور پر عوام اپنی ترقی کے لئے تمام سہولتوں کے مساوی حقدار ہوتے ہیں۔ مساوات کا یہ تصور ہر فرد کو یہ یقین دہانی کراتا ہے کہ ہر فرد کو وہ تمام بیرونی حالات فراہم کی جائیں گی جو ایک معقول زندگی گزارنے کے لئے مکمل ترقی اور صلاحیتوں کے اظہار کے لئے ضروری ہوتے ہیں اور دستیاب وسائل تک سب کی غیر محدود رسائی ہوگی۔ چنانچہ رسمی مساوات مواقع کی مساوات کی ضمانت دیتی ہے اور آزادی کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے، تناسبی مساوات موقع کو حاصل کرنے کی جستجو کرتی ہے، جسکے نتیجہ میں مساوات کے حصول کے لئے آزادی کچھ حد تک محدود ہو جاتی ہے۔ اور یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اسکے بغیر مواقع سب کے لئے مساوی نہیں ہو سکتے۔ جہاں رسمی آزادی میں مملکت کوئی رول نہیں رکھتی، وہیں ہر تناسبی مساوات کا تصور حکومت کے لئے ایک مثبت رول دینا ہے جس کے تحت اسے مساوات کے حصول کے لئے شرائط عائد کرنے کا اختیار رہوتا ہے۔

اگرچیکہ تناسبی مساوات کا تصور مساوات کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے، لیکن یہ تصور آزادی کو ختم نہیں کرتا۔ تناسی مساوات کے تصور کی وکالت آزاد خیال (لبرل) جمہوری حکومتوں اور مصنفین نے کی ہے جو فلاحی مملکت کے حق میں ہیں چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ قانونی مساوات اس وقت تک بے معنی ہے تاوقتیکہ مساوات کو یقینی بنانے کا ماحول فراہم نہ کیا جائے۔

سماجی اور معاشی عدم مساوات میں بھی فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ سماجی عدم مساوات صدیوں سے جاری ادارتی ساختوں کی جانب سے کئے گئے امتیازات کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں واجبی انسانی وجود کے امکانات تک سے فرد کو محروم کیا جاتا ہے۔ اس سے وہ کمی یا خامی پیدا ہوتی ہے جسے Veleskar (1986) نے ''تمدنی سرمایہ'' (Cultural Capital) قرار دیا ہے۔ تمدنی سرمایہ اپنے اطراف کی دنیا کو سمجھنے اور عالمی نکتہ نظر کو پیش کرنے کے علم کو حاصل کرنے کی اہلیت وصلاحیت ہے۔ تمام طبقات اور برادریاں تمدنی سرمایہ کو جمع کرتی ہیں۔ لیکن ہماری طرح کے

درجہ بند و امتیازی سماجوں میں کچھ خاص قسم کا تمدنی سرمایہ چند مراعات یافتہ افراد کا سمجھا جاتا ہے چونکہ چند ایک گروہوں کو ہی سماج کے جمع کردہ علم تک رسائی ہوتی ہے اور وہ اسے تعلیم کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں جس سے پسماندہ طبقات کو محروم رکھا جاتا ہے اور اس سرمایہ کو مراعات یافتہ طبقات اپنے علم اور اقتدار کی حفاظت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

تاہم کچھ ایسے مصنفین بھی ہیں جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آزادی کو مساوات کا ماتحت بنائے بغیر ہی تناسبی مساوات کی تائید کرتے ہیں۔ John Rawls کا نظریہ مساوات اسکی ایک مثال ہے' جس نے آزادی اور مساوات کے اصول کو باہم ملانے کی کوشش کی ہے۔ رالس کا نظریہ انصاف دو اصولوں پر مشتمل ہے۔ (1) ہر فرد کو اس حد تک مساوی حق ہونا چاہئے جتنی کہ ہر فرد کو بنیادی آزادیاں کسی سیاسی نظام میں حاصل ہوتی ہیں۔ (2) سماجی اور معاشی عدم مساواتوں کا انتظام اس طرح سے ہو کہ یہ دونوں ہی (الف) کم تر فوائد کے حامل کے حق میں زیادہ سے زیادہ ہوں اور یہ منصفانہ مساوات کے اصولوں کے مطابق ہو' اور (ب) یہ مواقع کی منصفانہ مساوات سب کے لئے کھلے شرائط اور حالات کے تحت عہدوں سے جڑے ہوں۔[15] اس طرح رالس کے مطابق تین کسوٹیوں حقوق، خواہشات اور احتیاجات سب کیلئے منصفانہ طور پر فراہم ہوں۔

اس طرح' معاوضاتی پروگرام تقسیم نو کے پروگراموں سے مختلف ہوتے ہیں۔ خصوصاً یہ انکے ماضی سے تعلق خاطر سے متعلق مختلف ہوتے ہیں۔ تقسیم نو کا تعلق موجودہ عدم مساواتوں کو ختم کرنے سے ہوتا ہے، جبکہ معاوضاتی انصاف کا تعلق نہ صرف اس سے ہوتا ہے بلکہ ماضی میں غیر منصفانہ سلوک کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ناانصافیوں کے ازالہ کیلئے معاوضہ کی ادائیگی سے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ معاوضاتی انصاف ایک فرد کو ماضی کے نقصانات کی پابجائی کیلئے آج تحفظات دینا ہے۔

تحفظات کی قسمیں

تحفظات کا مقصد تعلیمی اداروں، ملازمتوں اور قانون ساز اداروں میں داخلہ کی شرائط کو چند قابل شناخت گروہوں کے لئے جو آبادی کے تناسب سے کم نمائندگی رکھتے ہیں کم کرتے ہوئے سماجی تنوع میں اضافہ کرنا ہے۔ تحفظات کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (1) تعلیمی تحفظات، (2) ملازمت میں تحفظات اور 3) سیاسی

تحفظات ۔ان تین تحفظات کے علاوہ حکومتی اسکیمات جیسے فراہمی امکنہ اور دیگر فلاحی اسکیمات میں کوٹہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر، ہندوستان میں ایس سی /ایس ٹی اور بی سی طبقات کے لئے تعلیم اور ملازمتوں میں تحفظات فراہم کئے گئے ہیں۔اس پالیسی کے تحت نہ صرف چند درجوں کے لئے کچھ فیصد نشستیں محفوظ کی گئی ہیں، بلکہ انکے لئے مختلف کورسس اور ملازمتوں میں داخلوں کے لئے درکار کم سے کم اہلیت میں بھی چھوٹ دی گئی ہے۔اسی طرح، سیاسی تحفظات کے تحت درج فہرست ذاتوں اور قبائیلوں کے لئے پارلیمنٹ اور ریاستی مقنّنہ میں انکی آبادی کے تناسب سے نشستوں کا تحفظ کیا گیا ہے۔مقامی اداروں میں درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے علاوہ پسماندہ طبقات اور خواتین کے لئے بھی نشستیں محفوظ کی گئی ہیں۔

تحفظات کی بنیادیں

ہندوستان میں دستوری اور قانونی طور پر کوٹہ کا طریقہ فراہم کیا گیا ہے جسکے ذریعہ کچھ فیصد حکومت اور عوامی شعبہ کی ملازمتوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ تحفظات صرف مذہبی ولسانی اقلیتی تعلیمی اداروں کو چھوڑ کر تمام عوامی اور خانگی شعبہ کے تعلیمی اداروں میں دیے گئے ہیں۔ یہ تحفظات سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات، درج فہرست ذاتوں اور قبائل کی تعلیمی وسماجی پسماندگی کو دور کرنے اور ملازمتوں میں قانون ساز اداروں میں انکی نمائندگی یقینی بنانے کے لئے دیے گئے ہیں۔اس کے تحت متناسب نمائندگی سے محروم طبقات کو انکی آبادی کے لحاظ سے کوٹہ مقرر کیا جاتا ہے۔جس میں صرف اس طبقہ کے افراد کا ہی تقرر یا انتخاب ہوتا ہے۔البتہ یہ طبقات جن کے لئے تحفظات کے تحت مخصوص کوٹہ مقرر کیا گیا ہے، عام زمرے کے نشستوں اور عہدوں کیلئے بھی امیدوار بن سکتے ہیں۔[16] تعلیمی اداروں میں نشستوں اور ملازمتوں کو مختلف کسوٹیوں کی بنیاد پر محفوظ رکھا جاتا ہے۔

تحفظات کا مقصد سماج میں عدم مساوات سے نمٹنا ہے۔مختلف سماجوں میں عدم مساوات کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔نسل، مذہب، ذات، قبیلہ، صنف، سکونتی علاقہ وہ عام وجوہات ہیں جنکی بنیاد پر امتیازات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ذات کو پچھڑے اور پسماندہ گروہوں کی شناخت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔تاہم ذات کے علاوہ

تحفظات فراہم کرنے کے لئے دیگر کسوٹیاں بھی ہیں۔

ذات

اس کسوٹی کے مطابق پیدائش کی بنیادوں پر درج فہرست ذاتوں، قبائیلیوں اور دیگر پسماندہ ذاتوں کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے مختلف تناسب سے نشستوں کو محفوظ کیا ہے۔ ذات کا تعین پیدائش کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اسے کبھی بھی بدلا نہیں جاسکتا۔ جب کسی فرد کو اپنا مذہب تبدیل کرنا ہو تو وہ اپنا مذہب تبدیل کرسکتا ہے۔ اس سے اسکا معاشی موقف تبدیل ہوتا ہے، لیکن اسکی ذات مستقل رہتی ہے۔

مرکزی حکومت کے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں 22.5 فیصد تحفظات درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے لئے (15% درج فہرست ذاتوں، 7.5% درج فہرست قبائیلیوں کیلئے) ہیں۔ تحفظات کے اس فیصد کو دیگر پسماندہ طبقات (او بی سیز) کیلئے زائید 27 فیصد دیتے ہوئے جملہ 49.5 فیصد کیا گیا۔ درج فہرست ذاتوں کے لئے 15 فیصد اور درج فہرست قبائیلیوں کو 7 فیصد پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے نشستوں میں بھی عمل کیا جارہا ہے۔ چند ریاستوں جیسے ٹاملناڈو میں درج فہرست ذاتوں کے لئے 18 فیصد اور درج فہرست قبائیل کیلئے ایک فیصد مقامی آبادی کی بنیاد پر تحفظات دیئے گئے ہیں۔ آندھراپردیش میں 15 فیصد درج فہرست ذاتوں کیلئے، 6 فیصد درج فہرست قبائیلیوں اور 25 فیصد پسماندہ طبقات کے لئے اور 4 فیصد مسلم پسماندہ طبقات کے لئے کل 50 فیصد تحفظات ذات کی بنیاد پر دیئے گئے ہیں۔

صنف

صنف بھی تحفظاتی پالیسی کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ دستور ہند میں جہاں دفعہ 15 کے تحت کسی کے ساتھ امتیاز کو ممنوع قرار دیا ہے، وہیں (3)15 کے تحت خواتین کے لئے مخصوص اقدامات کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ خواتین کو حکومت مقامی خوداختیاری کے اداروں گرام پنچایتوں اور بلدیات کے انتخابات میں 33 فیصد تحفظات حاصل ہیں۔ بعض ریاستوں میں حکومت مقامی کے اداروں میں خواتین کے لئے تحفظات کو بڑھا کر 50 فیصد بھی کیا گیا ہے۔ اسکے

علاوہ ریاست آندھراپردیش اور دیگر چند ریاستوں میں تعلیم اور ملازمتو ں میں خواتین کو تحفظات حاصل ہیں۔ ہندوستان میں قابل لحاظ رائے تمام میدانوں میں شہریوں میں یکسانیت ومساوات کو لانے کے لئے خواتین کے لئے تحفظات کے حق میں ہے۔ پارلیمنٹ میں خواتین کے لئے 33% تحفظات فراہم کرنے والے مسودہ قانون کو راجیہ سبھا میں 9/مارچ 2010 کو ایک کے مقابلہ میں 186 ووٹ سے منظور کرلیا گیا، لیکن لوک سبھا میں اسے منظوری حاصل نہ ہوسکی۔

مذہب

مذہب بھی تحفظاتی پالیسی کے لئے ایک کسوٹی ہوسکتا ہے۔آزادی سے پہلے ہندوستان میں مذہب کی بنیاد پر نہ صرف ملازمتوں میں بلکہ قانون ساز اداروں میں بھی کوٹہ فراہم کیا گیا تھا جسے فرقہ وارانہ نمائندگی (Communal Award) کہا جاتا تھا۔آزادی کے بعد مذہب کو مثبت امتیازی پالیسی کے لئے ایک کسوٹی کے طور پر قبول کرنے پر کافی بحث چل رہی ہے۔

دستور ساز اسمبلی میں مذہبی اقلیتوں کو تحفظات کے دائرے میں لانے پر طویل بحث چلی۔ اقلیتوں کو مذہبی بنیاد پر تحفظات فراہم کرنے کو تائید حاصل نہیں ہوئی۔البتہ دیگر پسماندہ طبقات کو دئے گئے 27 فیصد تحفظات میں کئی مسلم پسماندہ طبقات بھی شامل ہیں۔کیرالا، تملناڈو، کرناٹک، یوپی، بہار، آندھراپردیش کے علاوہ دیگر کئی ریاستوں میں بھی مسلم پسماندہ طبقات کو تحفظات کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔انہیں مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی سماجی پسماندگی کی وجہ سے تحفظات کے دائرے میں شامل کیا گیا ہے۔

درج فہرست ذاتوں کو دئے گئے تحفظات سے مسلم اور عیسائی دلتوں کو باہر رکھا گیا ہے جبکہ ہندو، سکھ اور بدھ مت کے دلتوں کو درج فہرست ذاتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ درج فہرست قبائلیوں کو دئے گئے تحفظات میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہے۔قبائلی علاقوں میں رہنے والے تمام افراد چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان تحفظات سے استفادہ حاصل کررہے ہیں۔

سکونت

چند ایک استثنیٰ کو چھوڑ کر، ریاستی حکومت کی تمام ملازمتیں اور ریاستی اداروں میں داخل ہونے والوں کی اکثریت اس ریاست سے تعلق رکھنے والوں کیلیئے ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر پنجاب، انجینئر نگ کالج چندی گڑھ میں پہلے 80 فیصد تحفظات چندی گڑھ کے رہنے والوں کیلیئے محفوظ تھیں۔ جنہیں اب 50 فیصد کیا گیا ہے۔ اسی طرح آندھراپردیش85 فیصد نشستیں مقامی امیدواروں کے لئے محفوظ ہیں۔ اور 15 فیصد نشستیں کھلی مسابقت کے لئے ہیں جنکے لئے مقامی اور غیر مقامی دونوں ہی لوگ اہل ہیں۔

ادارے

کئی ادارے اپنے طلبہ کے لئے اور کسی مخصوص ادارے سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے مخصوص کوٹہ مقرر کرتے ہیں۔ جیسے جواہر لال انسٹی ٹیوٹ آف پوسٹ گرائجویٹ میڈیکل ایجوکیشن اینڈ ریسرچ (Jimper) ، پانڈیچری میں پوسٹ گرایجویٹ کی نشستیں ان لوگوں کے لئے مختص ہیں جنہوں نے Jimper سے ایم بی بی ایس کیا ہے۔ AIIMS کی 120 پوسٹ گرایجویٹ نشستوں میں سے 40 نشستیں ان طالب علموں کیلیئے مختص ہیں جنہوں نے AIIMS سے ہی MBBS کی تکمیل کی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہیکہ یہاں سے MBBS کی تکمیل کرنے والے ہر طالب علم کے لئے پوسٹ گریجویشن میں داخلیہ میں ترجیح دی جائے گی، جسے بعد میں عدالت نے غیر قانونی قرار دیا۔

عملہ کے لئے کوٹہ

اکثر کالج، جامعات اور اعلیٰ پیشہ وارانہ کورسس کے ادارے، حتی کہ مدارس بھی اپنے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کے بچوں کے لئے کسی نہ کسی طرح کا کوٹہ رکھتے ہیں۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کھڑگ پور نے اپنے حالیہ ایک قانون حق اطلاع کے جواب میں اس بات کو تسلیم کیا ہیکہ وہاں کے تدریسی عملہ کے بیٹوں/بیٹیوں کیلیئے 25 فیصد کوٹہ ہے جنکے لئے صرف اتنا کافی ہوگا کہ وہ بارھویں کے امتحان میں 60 فیصد نشانات حاصل کریں اور انکے لئے داخلوں کے لئے منعقد کئے جانے والے داخلہ امتحان کو کامیاب کرنا ضروری نہیں ہے۔

دیگر کسوٹیاں

مجاہدین آزادی کے بیٹوں/بیٹیوں/پوتروں/پوتریوں کے لئے کچھ تحفظات حاصل ہیں۔اسی طرح جسمانی طور پر اپاہج، کھیل کود، غیر مقیم ہندوستانیوں کے لئے بھی تحفظات ہیں۔اس طرح فوج میں کام کرنے والوں کے بچوں اور جوابی اقدام میں مارے جانے والے فوجیوں کے بچوں، بین ذات شادیوں سے پیدا ہونے والے بچوں کے لئے حکومت یا فوج کے مدارس وغیرہ میں بھی نشستیں محفوظ ہوتی ہیں۔

روزگار میں تحفظات

تحفظات کی پالیسی کا سب سے اہم پہلو حکومتی خدمات میں تحفظات سے جڑا ہے۔دستور کی دفعہ 16(4) مملکت کو ''تقررات یا عہدوں کے لئے شہریوں کے کسی بھی پسماندہ طبقہ کے لئے تحفظات فراہم کرنے کا اختیار'' دیا ہے۔اور دفعہ 16(5) کے تحت مملکت کو خدمات میں درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے لئے کسی بھی درجہ کے عہدوں کے لئے ترقی کے معاملہ میں تحفظات فراہم کرنے کا اختیار ہے۔ چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے حکومت نے درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کی آبادی کے تناسب سے ان کی حصہ داری کا تعین کرتے ہوئے انہیں تحفظات عطا کئے ہیں اسکے بعد دیگر پسماندہ ذاتوں (او بی سیز) کے لئے بھی تحفظات دیئے گئے ہیں۔ برسر روزگار افراد کے ترقی کے لئے بھی تحفظات ہیں۔حکومتی خدمات میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو سیول سرویس عوامی شعبہ کے اداروں، قانونی اور نیم حکومتی اداروں اور حکومت کی نگرانی میں کام کرنے والے رضا کارانہ ایجنسیوں اور حکومتی امداد حاصل کرنے والے اداروں میں کام کرتے ہیں۔تاہم، مرکزی سطح پر چند خدمات کو تحفظات کی پالیسی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ان میں خاص طور پر دفاع اور عدلیہ کے شعبے ہیں۔دستوری دفعات جنہیں وقتاً فوقتاً تبدیل کیا جاتا رہا ہے، اس طرح ہیں۔

(1) دفعہ 16(4) ''مملکت' اگر اسکی رائے میں مملکت کی ماتحت خدمات میں مناسب نمائندگی نہیں ہے تو شہریوں کے کسی بھی پسماندہ طبقہ کے حق میں تقررات یا عہدوں کو محفوظ کرنے کیلئے قانون سازی کر سکتی ہے۔

(2) دفعہ 16(4A) خصوصیت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ اس دفعہ کی کوئی بات مملکت کو درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے حق میں مملکتی خدمات یا عہدوں پر تقررات کے معاملہ میں تحفظ کے لئے قانون سازی سے نہیں روک سکتی،

اگر مملکت کی رائے میں مملکتی خدمات میں ان طبقات کی مناسب نمائندگی نہیں ہے۔

(3) دفعہ 16 (4B): اسمیں خصوصیت سے کہا گیا ہے کہ اس دفعہ کی کوئی بات مملکت کو کسی سال میں بھری نہ گئی کسی بھی ایسی خالی جگہوں کو اس سال میں بھری جانے کیلئے محفوظ کی گئی ہیں' آنے والے کسی سال یا سالوں میں بھری جانے کے لئے علاحدہ قسم کی خالی جگہوں کی مانند غور کرنے میں مانع نہیں ہوگی اور اسی قسم کی خالی جگہوں پر اس سال کی خالی جگہوں کی کل تعداد کی بابت پچاس فیصد کی حد کا تعین کرنے کیلئے غور نہیں کیا جائے گا۔

(4) دفعہ 335 میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ ملازمتوں اور عہدوں پر تقررات کرنے میں نظم ونسق کی کارکردگی کو برابر قائم رکھتے ہوئے درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے ارکان کے ادعا کا لحاظ کیا جائے گا، بشرطیکہ اس دفعہ کا کوئی امر درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبیلوں کے ارکان کے مفاد میں یونین یا کسی ریاست کے امور سے متعلق ملازمتوں کی کسی قسم یا قسموں یا عہدوں پر ترقی کے معاملوں میں تحفظ کے لئے، کسی امتحان میں اہلیت کے لئے ضروری نشانات میں رعایت دینے یا اسکی سطح کو کم کرنے کیلئے توضیعات کرنے میں مانع نہیں ہوگا۔

(5) دفعہ 320(4) کے مطابق فقرہ (3) میں کسی امر سے یہ لازم نہ ہوگا کہ پبلک سرویس کمیشن سے مشورہ اس طریقہ کے بارے میں' جس کے مطابق دفعہ 16 کے فقرہ (4) میں محولہ کوئی توضیح کی جائے یا اس طریقہ کے بارے میں کیا جائے جسکے مطابق دفعہ 335 کی توضیحات نافذ کی جائیں۔[17]

دفعہ 335 میں تحفظات کے لئے لگائی گئی شرط ''نظم ونسق کی کارکردگی کی مسلسل برقراری'' پر کئی تنازعات پیدا ہوئے ہیں۔حسب ذیل مسائل توجہ کے حامل ہیں (1) اکثر مرتبہ عدلیہ نے تحفظات کے مسئلہ کو مقدار کی اصطلاحوں میں لیتے ہوئے، پسماندہ طبقات کے تینوں درجوں کے لئے مجموعی تحفظات کی اوپری حد کو مقرر کیا ہے۔(2) عدالتی فیصلوں اور تحفظات کے مسئلہ پر پیدا ہونے والے تنازعات کے باوجود درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لئے تحفظات پر کوئی اثر نہیں پڑا۔کم از کم کاغذ پر تو یہ جوں کے توں ہی رہے۔عوامی خدمات میں تحفظات مملکت میں آبادی کے تناسب سے ہیں۔(3) دفعات 16 (4A) اور 16 (4B) اور دفعہ 320 (4) کے ساتھ ساتھ تحفظات کیلئے OBCs اور

خواتین کے درجوں کا اضافہ ایک قابل تذکرہ خصوصیت ہے۔[18]

تحفظات کے ساتھ ایس سی ⁄ایس ٹیز اور او بی سیز کی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں اضافہ کی بھی بات کی گئی ہے تاکہ وہ حکومتی ملازمتوں کے لئے مسابقت کرسکیں۔ ان میں ملازمت میں داخلہ کے لئے اقل ترین عمر میں چھوٹ، موزوں قابلیت میں اقل تر معیار کی برقراری، ماقبل امتحان ان طبقات کے لئے تربیت اور علاحدہ انٹرویو اور منتخب کرنے والی کمیٹیوں میں پسماندہ پس منظر رکھنے والے افراد کی نمائندگی وغیرہ شامل ہیں۔

تعلیم میں تحفظات

تحفظات کی پالسی کے دوسرے اہم ترین پہلو کا تعلق تعلیم سے ہے۔ دستور کی دفعہ 15(4) میں مملکت کو درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کی تعلیمی ترقی کیلئے خصوصی قانون سازی کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور حالیہ عرصہ میں یہ بات دیگر پسماندہ طبقات کے متعلق بھی کہی گئی ہے۔ چنانچہ اس دفعہ کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں اور حکومتی امداد سے چلنے والے تمام اداروں میں ایس سی، ایس ٹی اور دیگر پسماندہ طبقات طلباء کے لئے نشستیں محفوظ کی گئی ہیں۔ بشمول آندھراپردیش کئی ریاستوں میں خواتین کو بھی تعلیمی اداروں میں تحفظات دئے گئے ہیں۔ اسکے علاوہ کئی ایک مالی اسکیمات کے ذریعہ خصوصا وظائف، خصوصی ہوسٹل کے ذریعہ ایس سی ⁄ایس ٹی اور او بی سی طلبہ کو سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں اسی طرح زائید کوچنگ اور کتابوں کے لئے مالی امداد اور فیس میں رعایتیں دی جارہی ہیں۔

قانون ساز اداروں میں تحفظات

تحفظات کی پالیسی کا تیسرا اہم میدان مرکزی اور ریاستی مقننا ؤں میں تحفظات سے متعلق ہے۔ دستور کی دفعہ 330 ‘332 اور 334 کے تحت ST/SC کی آبادی کے تناسب سے مرکزی و ریاستی مقنّنہ میں ان کے لئے نشستیں محفوظ کی گئی ہیں۔ اس طرح کے تحفظات خواتین اور او بی سیز کے لئے شہری و دیہی مقامی سطح کے اداروں میں ضلع، تعلقہ اور دیہات کی سطحوں پر فراہم کئے گئے ہیں۔ ST/SC کی سیاسی شرکت میں اضافہ کے لئے قانونی توضیحات کے ذریعہ بھی ان کی مدد کی گئی ہے چنانچہ ان کے لئے انتخابی پرچہ نامزدگی کے ادخال کے وقت بھری جانے والی رقم

(ڈپازٹ) بھی کم رکھی گئی ہے۔

سیاسی نمائندگی کے لئے تحفظات کے لئے متعینہ وقت کی حد ہے۔ ابتداء میں انہیں صرف دس سالہ مدت کے لئے رکھا گیا تھا، لیکن قانون سازی کے ذریعہ ہر دس سال کے بعد مزید دس سال کے لئے اس میں توسیع کی جارہی ہے۔ تاہم، حکومتی خدمات اور تعلیم کے میدانوں میں تحفظات کو جاری رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق فیصلہ کو حکومت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب تک حکومت یہ سمجھتی ہے کہ ST/SC اور دیگر پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے تحفظات ضروری ہیں، انہیں جاری رکھ سکتی ہے۔

بعض مرتبہ، دیگر پسماندہ طبقات (او بی سیز) کی طرح ST/SC کے لئے بھی بالائی طبقہ (Creamy Layer) کے ضابطہ کے اطلاق کی وکالت کی گئی ہے۔ تاہم، سپریم کورٹ نے اندرا ساہنی مقدمہ میں یہ فیصلہ دیا کہ ST/SC کے لئے تحفظات کے مقصد کی بنیاد دیگر پسماندہ طبقات کے مقابلہ میں کچھ اور ہی ہے، اس لئے ST/SC کے معاملہ میں بالائی طبقہ کے ضابطہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ درج فہرست ذات میں دولت مند یا خوشحال ذاتوں کی تحفظات کے معاملہ میں ہمت افزائی نہیں کی جانی چاہئے تا کہ تحفظات کے فوائد باقی ماندہ محروم ذاتوں کو مل سکیں۔

سماجی انجینئرنگ کے نام پر بعض ریاستی حکومتوں نے درج فہرست ذاتوں کو ''دلت'' اور ''مہا دلت'' میں تقسیم کیا ہے۔ اس طرح، پسماندہ طبقات کو بھی تین درجوں پسماندہ، زیادہ پسماندہ اور بہت زیادہ پسماندہ میں تقسیم کیا ہے۔ تحفظات کے فائدہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ گروہ اور طبقات انہیں او بی سیز یا ایس سی/ایس ٹی میں شامل کئے جانے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ آندھرا پردیش میں مالا اور مادیگا، دہلی میں جاٹوں اور راجستھان میں گجروں کے مطالبات اور جدوجہد قابل ذکر ہیں۔ نئی قبائیلی پالیسی دستاویز (2006) میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ موجودہ کسوٹی کی جگہ ضرورت اس بات کی ہے کہ درج فہرست قبائیلیوں کی نئی درجہ بندی کی جائے اور ان قبائیلیوں کو فہرست سے خارج کردیا جائے جو بڑی حد تک عام آبادی کا حصہ بن گئے ہیں۔

انتظامی میکانزم

مرکزی حکومت نے تحفظات کی پالیسی کو منضبط کرنے ،اس پر نگرانی رکھنے اور اسکے نفاذ کیلئے ایک انتظامی میکانزم کو فروغ دیا ہے۔اس کام میں شامل اہم محکمہ جات میں محکمہ DOPT ،قومی کمیشن برائے درج فہرست ذاتیں اور قبائیل، قومی کمیشن برائے OBCs، ST/SC کی فلاح و بہبود سے متعلق پارلیمانی کمیٹی، وزارت سماجی انصاف اور امپاورمنٹ، وزارت قبائیلی امور ہیں۔ حال ہی میں وزارت اقلیتی امور کو بھی اقلیتوں کے فلاح و بہبود کے امور کی نگرانی و دیکھ بھال کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ان تمام کا ایک کام کوٹہ کی تکمیل کیلئے ضوابط کو نافذ کرنا اور ان پر نظر رکھنا ہے۔ ہر وزارت کی انتظامی اکائیاں، حکومتی ادارے اور تنظیمیں اس کام میں متعلقہ وزارتوں کی مدد کرتے ہیں۔

قومی کمیشن برائے ST/SC اور OBCs کی ذمہ داری ہیکہ وہ ان گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تقرری، اور ترقی کے معاملات سے متعلق شکایات کی تحقیق کرے۔ اسی طرح ان کمیشنوں کو دیوانی عدالت کے اختیارات حاصل ہیں اور وہ جانچ کے لئے ملازمین کو طلب کر سکتے ہیں۔ یہ سالانہ رپورٹس بھی تیار کرتے ہیں جن پر ہر سال پارلیمنٹ میں بحث ہوتی ہے۔ وزارت سماجی انصاف اور امپاورمنٹ اور وزارت قبائیل امور درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے ذمہ دار ہیں اور وہ تعلیمی و معاشی ترقی سے متعلق مختلف اسکیمات کو چلاتے ہیں۔ پارلیمانی کمیٹی برائے ST/SC کی یہ ذمہ داری ہیکہ ان طبقات کی قانون سازی سے متعلق نمائندگیوں پر ہونے والی کارروائی کی جانچ کرے اور ان پالیسیوں اور پروگراموں کے موثر نفاذ کے لئے سفارشات پیش کرے۔

قدیم ترین پالیسی ہونے کے باوجود تحفظات کی پالیسی کی بنیاد ابھی تک دفتری ہدایات اور یادداشتوں (OMS) پر ٹکی ہے۔حکومت کے دفاتر میں ان یادداشتوں و ہدایات کھلی شکل میں فراہم کئے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ یہ یادداشتیں متعلقہ دفاتر پر نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ یہ یادداشتیں (OMS) یا تو سیاسی دباؤ کے تحت جاری کئے جاتے ہیں یا اکثر مرتبہ عدالتی فیصلوں کی تکمیل کیلئے جاری کئے جاتے ہیں۔بعض معاملات میں ان موضوعات پر پہلے سے موجودہ یادداشتوں کی ان دیکھی کرتے ہوئے جاری کئے جاتے ہیں جسکی وجہ سے الجھن پیدا ہوتی ہے اور جسکی وجہ سے قانونی تنازعات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ نفاذ کے لئے ذمہ دار حکام کئی مرتبہ تحفظات سے متعلق یادداشتوں کو مناسب اہمیت نہیں دیتے، چونکہ وہ انہیں ماتحت قانون سازی سمجھتے ہیں، تجویز ہے کہ تحفظات کی پالیسی سے متعلقہ تمام ضوابط کو

باضابطہ طور پر قانون کی شکل میں ڈھالا جائے۔[19]

علمی وسیاسی دونوں ہی حلقوں نے تحفظات کی پالیسی پر مباحث کے بازار کو گرم کر رکھا ہے۔ استفادہ کنندہ پوری طرح اس پالیسی کے حق میں ہیں لیکن وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اس پالیسی کی وجہ سے انکی خوشحالی ونمو میں رکاوٹ آئی ہے اسکی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ ذیل میں تحفظات کی پالیسی کی تائید ومخالفت میں دی جانے والی دلیلوں پر تفصیل سے بحث کی جارہی ہیں۔

تحفظات کی تائید میں دلائل

مثبت اقدام کے اسکیمات دنیا کے مختلف مما لک بشمول امریکہ، جنوبی افریقہ، ملائیشیاء اور برازیل وغیرہ میں جاری ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں کئے گئے، ریسرچ سے معلوم ہوتا ہے کہ مثبت اقدام کے پروگرام غیر مراعات یافتہ / پسماندہ طبقات کے لئے فائدہ مند ہوتے ہیں۔، یہ مطالعے بتاتے ہیں کہ سیاہ فام جو اعلیٰ اداروں میں کم نشانات کے باوجود داخلہ حاصل کرتے ہیں وہ سفید فام کے مقابلہ میں گرایجویشن کے بعد قابل لحاظ کامیابیاں حاصل کئے ہیں۔ وہ اعلیٰ سندیں اپنے سفید فام ہم جماعتوں کے مساوی شرحوں سے حاصل کئے ہیں۔ وہ اعلیٰ اداروں میں سفید فام طالب علموں کے مقابلہ میں کسی قدر زیادہ پیشہ وارانہ سندیں قانون، بزنس اور طب میں حاصل کئے ہیں اور وہ اپنے سفید فام ہم جماعتوں کے مقابلہ میں شہری وسماجی سرگرمیوں میں زیادہ سرگرم ہوتے ہیں۔

مثبت اقدام سے غیر مراعات یافتہ یا کم نمائندگی رکھنے والے طبقات کے اگرچیکہ ہر فرد کو فائدہ نہیں پہنچ پاتا ہے، تاہم اس سے ان طبقات کے افراد کو دنیا کے سرکردہ صنعتوں میں اعلیٰ مقام ودرجہ حاصل کرنے میں مدد ملی ہے۔ تعلیم میں تحفظات کا دیا جانا ہی ایک واحد حل نہیں ہے بلکہ یہ کئی حل میں سے ایک حل ہے۔ تحفظات کم نمائندگی رکھنے والی ذاتوں اور گروہوں کی نمائندگی میں اضافہ کا ایک ذریعہ ہے جس سے جامعات کے کیمپس کے تنوع میں بہتری آتی ہے۔

سب سے زیادہ حاشیائی اور غیر مراعات یافتہ کو سماجی انصاف فراہم کرنا سماج کا فرض ہے۔ یہ ایک بنیادی انسانی حق ہے تحفظات حاشیائی عوام کو کامیاب زندگی گذارنے میں مدد دیتے ہیں، جس سے ذات پر مبنی امتیازات جو ابھی بھی ہندوستان خصوصاً دیہی علاقوں میں ہیں، ختم ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر گذشتہ 30 برسوں سے تحفظات اس حد تک کام کیا ہے کہ OBCs اعلیٰ ذات کے طبقات کے مقابلہ میں زیادہ بہتر موقف کے حامل بن گئے ہیں۔ اس لئے مجموعی طور پر طلبہ کی کارکردگی میں اضافہ ہوا ہے اور یہ دلیل کہ تحفظات سماج کے کمزور طبقات میں سے بہترین کو آگے لاتے ہیں صحیح ثابت ہوئی ہے۔

منڈل کمیشن کی رپورٹ کے مطابق ذات پات ہندوستان کی آدھی سے زیادہ آبادی کی مشکلات کی ایک اہم وجہ ہے۔ چنانچہ ذات پات کو ختم کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم غیر مراعات یافتہ عوام کی مدد کریں تا کہ وہ تعلیم میں بہتر مظاہرہ کرسکیں اور اعلیٰ ذات کے عوام کے برابر وہ بھی سماجی رتبہ پاسکیں۔

تحفظات ہندوستان میں ہر جگہ ہیں۔ ایک بڑے فرم کا سربراہ ہمیشہ کمپنی کے صدر نشین کا بیٹا ہی ہوتا ہے، چاہے اس سے زیادہ قابل دوسرا فرد کمپنی میں کیوں نہ ہو۔ مندروں میں مندر کے پجاری کا عہدہ صرف برہمن ذات کے آدمی تک ہی محدود ہے، حالانکہ کوئی دوسرا فرد بھی منتروں کو جانتا ہو۔ نچلے یا کمترین قسم کے کام ہمیشہ سے ہی نچلی ذات کے لوگ انجام دیتے آئے ہیں۔ اس معاملہ میں استثنیٰ بہت ہی کم ہیں جو کہ کسی اخبار کی سرخی بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے تحفظات کے لئے کوئی مخالفت نہیں ہوتی چونکہ یہ ''اعلیٰ ذاتوں'' کے فائدہ میں ہے۔ صرف تعلیم میں تحفظات کی مخالفت ہے، چونکہ اس سے جنہیں فائدہ ہوتا ہے وہ ''نچلی ذاتوں'' کے لوگ ہوتے ہیں اور وہ ان تحفظات کے نتیجہ میں سماج کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ [20]

قابلیت کی دلیل میں کوئی بڑی منطق نہیں ہے۔ قابلیت کسی کا کوئی پیدائشی حق نہیں ہے۔ اور سماج کے بعض طبقات تاریخی وجوہات کی بناء پر ترقی حاصل کئے ہیں جن میں جاری ذات پات کے سخت نظام کا بڑا دخل ہے۔ تحفظات کی تائید میں دلیلیں اس طرح ہیں۔ (1) تحفظات ایک دستوری ضرورت ہے، یہ نہ صرف ہندوستانی جمہوریت کی بنیاد ہیں؛ بلکہ یہ خود جمہوریت کے تحفظ کے لئے بھی ضروری ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ محروم اور حاشیائی گروہ بھی یہ محسوس کریں کہ وہ بھی ہندوستانی قومی مملکت کا ایک لازمی جز ہیں؛ اور انہیں قومی دھارا میں شامل ہونے کی اہمیت کا احساس دلایا جائے۔ (2) آج بھی جاری ذات پات پر مبنی امتیاز کی وجہ سے بھی تحفظات کو جائز وصحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندوستانی سماج کی ذات کی بنیاد پر تقسیم سماجی انقلاب کی ناکامی کو بتاتی ہے چونکہ ذات پات کو ختم نہیں کیا جاسکا ہے۔ ایک مساوی سماج کو بنانے میں ناکامی کی وجہ سے تحفظات کو جاری رکھنا ایک سماجی ضرورت بن جاتی ہے۔ (3) محروم اور حاشیائی

گروہ عددی اکثریت کے حامل ہیں، جنکے حقوق کو کچلا گیا ہے اور عددی اقلیت نے ہندوستان کی تاریخ کے ہر دور میں انہیں انکے حقوق و مراعات سے محروم رکھا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں تاریخی غلطیوں کو ابھی تک درست نہیں کیا گیا ہے، اس لئے تحفظات کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔[21]

تحفظات کے حامی یہ دلیل دیتے ہیں کہ برہمنوں اور دیگر اعلیٰ ذاتوں کی برتری اور پسماندہ ذاتوں وشودروں کے نچلے سماجی رتبہ کو ہندو مقدس کتابوں میں بتایا گیا ہے۔ وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آج بھی ایک غریب برہمن پسماندہ ذاتوں کے دولتمند انسان کے مقابلہ میں اعلیٰ سماجی رتبہ رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ پسماندگی کے تعین کے لئے ذات ہی ایک موزوں ترین کسوٹی ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ پسماندہ ذاتوں کے ساتھ ماضی میں کئے گئے ناروا سلوک کی پا بجائی انہیں بہتر نمائندگی، بہتر مواقع اور بہتر سہولتیں دیتے ہوئے ہی کی جاسکتی ہے۔ تحفظات کے حامی مزید یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ مذہبی درجہ سماجی درجوں کو بنانے کی ایک کسوٹی ہے اور معاشی وسیاسی طاقت رکھنا اس بات کی ضمانت نہیں ہوتی کہ کوئی فرد سماجی سیڑھی کی اونچی پادان پر ہوگا۔

ذاتوں اور طبقات کی اصطلاح پر مخالفت کرنے والے تحفظات کے مخالفین کی تنقید کو رد کرتے ہوئے، تحفظات کے حامی دعویٰ کرتے ہیں کہ پسماندہ ذاتیں پسماندہ طبقات بھی ہوتی ہیں۔ منڈل کمیشن نے اپنے باریک بینی مطالعہ جو کہ کئی دیہاتوں میں کیا گیا تھا، میں بڑی حد تک یہ پایا کہ ذات کی درجہ بندی اور طبقات کی درجہ بندی کے درمیان قریبی ربط وتعلق ہے۔ اگرچیکہ منڈل کمیشن کا مطالعہ ذات اور طبقہ کے درمیان تعلق و ربط کو پوری طرح ثابت نہیں کرتا ہے، دستور کی دفعہ 15(4) اور 16(4) میں ''پسماندہ طبقات'' کے الفاظ کو ''دیگر پسماندہ ذاتوں'' کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ ہندوستان میں پسماندہ طبقات کے قائدین یہ الزام لگاتے ہیں کہ 85 فیصد سرکاری ملازمتیں اعلیٰ ذاتوں کے ہاتھ میں ہیں، جبکہ وہ ہندوستان کی آبادی کا صرف 15 فیصد ہی ہیں۔

یہ صحیح ہیکہ دئے گئے سماجی۔ معاشی وسیاسی تناظر میں کسی خاص خاندان میں کسی کی پیدائش بڑی حد تک زندگی میں مواقعوں کو طئے کرتی ہے۔[22] اتنا ہی نہیں اعلیٰ ذاتیں کہلانے والے لوگوں نے صدیوں سے وسائل پر اپنا تسلط رکھتے ہوئے ان سے استفادہ کیا ہے' بلکہ انہوں نے عوام کے تمدن پر بھی اپنا تسلط وغلبہ بنائے رکھا ہے۔ اس تمدن نے اعلیٰ ذاتوں کی برتری اور پسماندوں کی کمتری کو بھی پیدا کیا ہے۔ پسماندہ طبقات کے قائدین اس بات کی بھی نشاندہی کرتے

ہیں کہ صدیوں سے برہمن سماج کے اعلیٰ ترین درجہ پر قائم ہیں اور کس طرح انہیں اس سے ترقی کی قدریں حاصل کرنے میں مدد ملی ہے۔[23] اگرچیکہ نچلی ذاتیں اب اوپر اٹھنے کا تہیہ کرلی ہیں' لیکن اوپر جانے کی رفتار بہت ہی سست ہے۔ برہمنوں اور دیگر اعلیٰ ذاتوں کے عوام کو تمدنی برتری حاصل ہے جس سے ان میں غریب ترین کو بھی فائدہ حاصل کرنے یا آگے بڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس طرح کی ذہنی افق اور سماجی ذہن پسماندہ طبقات کے لئے دستیاب نہیں ہے۔ چنانچہ سماجی و تعلیمی پسماندگی کا واجد جواب یا علاج صرف تحفظات ہی ہیں۔

پسماندہ طبقات کے قائدین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ذات پر مبنی تحفظات، ذات پات کے نظام کو استحکام دیتے ہیں۔ انکا دعویٰ ہیکہ پسماندہ طبقات کے طلباء اور ملازمین ذات پات کے نظام کے بدترین شکار ہیں اعلیٰ ذاتوں نے ہمیشہ ہی اپنے عوام کی مدد کی ہے۔ اگر تمام ذاتیں اور برادریاں تعلیمی اداروں اور حکومتی خدمات میں اپنی جائز نمائندگی کو حاصل کرتے ہیں تو اس سے علاقائی وفاداریوں کو روکنے اور تکنیکل تعلیمی اداروں اور حکومتی ملازمتوں میں دستوری ذرائعوں سے اعلیٰ ذاتوں کی اجارہ داری کو روکنے میں مدد ملے گی۔ دیوراج ارس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ذات پات کے نظام کی آواز کو دوسری قسم کے ذات پات کے نظام کی آواز سے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔[24] یہ کہنا درست نہیں ہے کہ نچلی ذاتوں اور محروم طبقات حکومت میں اپنی حصہ داری کیلئے لڑتے ہیں تو یہ ذات پات کی وکالت کے برابر ہے۔ اور یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر اعلیٰ ذاتیں سیاسی منظر پر غلبہ رکھتی ہیں اور حکومتی ملازمتوں میں اعلیٰ سطح کی نمائندگی رکھتے ہیں تو کیا یہ ذات پات کی وکالت کے برابر نہیں ہے؟ دیوراج ارس کے مطابق ہندوستان سماجی ساخت میں نچلی اور محروم طبقات مساوات سے محروم ہی رہیں گے۔ اور جب تک کہ مملکت مداخلت نہ کرے، ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

رام منوہر لوہیا جنھوں نے درج فہرست ذاتوں وقبائیل، پسماندہ طبقات اور خواتین کے لئے 60 فیصد تحفظات کی وکالت کی تھی نے کہا تھا کہ ''ملازمتوں میں تقرری کے لئے قابلیت واہلیت (میرٹ) ہی واحد کسوٹی ہو تو ذہنی بلندی میں مہارت کی پانچ ہزار سالہ روایت کی وجہ سے اعلیٰ ذاتوں کو کوئی شکست نہیں دے سکے گا''۔ مزید انہوں نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ ہندوستان کے حکمران طبقہ کی تین ممتاز خصوصیات ہیں: (1) اعلیٰ ذات، (2) انگریزی ذریعہ تعلیم اور (3) دولت۔ ان تین میں سے کوئی دو عوامل کسی بھی انسان کو حکمران ذاتوں کا رکن بناتے ہیں۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ پہلے عامل اعلیٰ ذات کی موجودگی پوری صورتحال کو جامد وساکت بنادیتی ہے اور ہندوستان کے 90 فیصد حکمران

طبقہ کا تعلق اعلیٰ ذاتوں سے ہے۔[25]

مزید یہ کہ تحفظات کے حامی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ نظم ونسق کو موثر طور پر چلانے کے لئے کسی کا بھی ذہین ترین ہونا ضروری نہیں۔ اگر اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور فیصلہ لینے کی صلاحیت ہوتو عام ذہانت بھی کافی ہوگی۔ پسماندہ طبقات کے رہنماؤں کے مطابق کسی کی اعلیٰ اہلیت (میرٹ) اسکے خاندان کی سماجی۔معاشی حالات کی پیداوار ہوتی ہے۔ سماجی طور پر برتر اور خوشحال والدین کے بچے تعلیم اور ملازمتوں کے بازار میں بہتر حصہ حاصل کرتے ہیں۔ پسماندہ ذاتوں کی سماجی و معاشی حالت میں سدھار نہیں ہوا ہے۔ اس لئے وہ تحفظات کے حقدار ہیں۔ تحفظات کی وجہ سے انتظامی کارکردگی میں کوئی زوال نہیں آتا۔ بلکہ اسکی وجہ سے دوسری طرف سیاسی وسماجی نظام باہم مربوط ہونگے اور اس سے سماجی مساوات کی ضمانت حاصل ہوگی۔ اس کی وجہ سے پسماندہ طبقات کا سیاسی نظام میں ایقان میں اضافہ ہوگا۔ جسکے نتیجہ میں قومی یکجہتی کو فروغ ملیگا۔

زمینی اصلاحات کے نفاذ کے نتیجہ میں پسماندہ ذاتوں کے زیادہ تر لوگ چھوٹے اور متوسط کسان بن گئے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ اس قابل بن گئے ہیں کہ کچھ جائیداد حاصل کرسکیں اور قرض دینے والوں سے اپنے تعلقات کو منقطع کرسکیں۔ اب انہیں صرف ملازمتوں کے میدان میں اعلیٰ ذاتوں کے چیلنج کا سامنا ہے چونکہ ابھی بھی وہ اپنی برتر تعلیم کی وجہ سے اپنا دبدبہ رکھتے ہیں۔[26]

سکھد یو تھورات نے عالمیانہ کے نتیجہ میں SC/ST اور غیر SC/ST کے درمیان بڑھتے تفاوت کی نشاندہی کی ہے۔ غریب ترین اور حاشیائی گروہوں یعنی SC، ST، OBCs خواتین، بچے اور دیگر سماجی گروہ عالمیانہ کے بعد زوال پذیر ہوئے ہیں۔ مرکزی دھارا کا معاشی نظریہ یہ بتاتا ہیکہ معیشت خصوصاً بازار کے امتیاز کے کئی اثرات ہوتے ہیں: جسکے نتیجہ میں معاشی نمو میں کمی ہوتی ہے، آمدنی کی مساوات میں کمی آجاتی ہے اور امتیازات کے شکار گروہوں کو مساوی مواقعوں سے دور رکھتے ہوئے بین گروہی تصادم کو ہوا دی جاتی ہے۔[27] چنانچہ، امتیازات کا علاج قانونی مثبت اقدام (Affirmative Action) یا معاوضاتی نوعیت ہے، جس میں مساوات اور معاشی نمو دونوں ہوں اور ان دونوں کے درمیان رابطہ کے لئے ضروری ہے کہ تحفظات اور شمولیاتی نمو ہو۔ تھوراٹ کی دلیل ہیکہ معاشی امتیاز کے تمام نظریات بازاری امتیازات کے معاشی نمو پر خراب اثرات کو بتاتے ہیں اور انکے اثرات منافعوں، اجرتوں اور مزدوروں

کے اختصاص کی موثریت پر بھی پڑھتے ہیں۔

یہ سب باتیں یہ بتاتی ہیں کہ معاشی امتیاز سے کارکردگی میں کمی ہوتی ہے جس سے نمو میں کمی آتی ہے چونکہ کمپنیوں اور معیشت میں مزدور کا اختصاص موزوں اور واجبیت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اسکے علاوہ چونکہ ملازم میں کام کے لئے جوکھم کا جذبہ بھی کم ہوتا ہے اور امتیاز کا شکار ہونے والے ملازمین میں کام کی جستجو بھی کم ہوتی ہے اس لئے امتیازات کے شکار گروہ انسانی سرمایہ کو پیداواری سرگرمیوں میں مشغول کرنا نہیں چاہتے جسکے نتیجہ میں معیشت نمو کی کمی کا شکار ہوتی ہے۔ نظام ذات پات کے معاشی نظریات واضح طور پر ذات، چھوا چھوت پر مبنی بازاری امتیاز کے معاشی نمو اور آمدنی کی تقسیم پر منفی اثرات کو بتاتے ہیں۔[28]

متعینہ پیشے لازمی طور پر مزدور اور سرمایہ کی ذات کے گروہوں میں نقل وحرکت کو محدود کرتے ہیں۔ جسکے نتیجہ میں ایک نامکمل بازار اور معاشی سرگرمیوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ذات پر مبنی معیشت کا اس حالت میں جو معاشی نتیجہ ہوتا ہے وہ مکمل مسابقتی بازار کے مقابلہ میں کم تر ہوتا ہے۔ امبیڈکر نے یہ دلیل دی تھی کہ ذاتوں کے رسمی ضابطوں اور مختلف قسم کے عدم ترغیبات کے نتیجہ میں مزدوروں کی پیداواری صلاحیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ذات پات کے نظام میں معاشی حصول فرد کی پسند، انتخاب اور ترجیح پر نہیں ہوتا چونکہ فرد کے لئے کام کو پہلے سے ہی متعین کر دیا جاتا ہے۔ اور اسکا انتخاب بھی اسکی تربیت اور اسکی استعداد وصلاحیت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ یہ سب سماج میں والدین کے رتبہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اپنے پسند کے میدان عمل کو چننے کے لئے فرد کی اپنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی بات ذات پات کے نظام میں نہیں پائی جاتی۔

مزید یہ کہ چند پیشوں کو گندے یا ناپاک سمجھا جاتا ہے اور انکی سماج میں عزت وتوقیر نہیں ہوتی۔ ان پیشوں میں کام کرنے والوں کو میں گندگی کا داغ لگ جاتا ہے اور انکا سماجی رتبہ بھی کم ہو جاتا ہے، جسکی وجہ سے انکے لئے معاشی ترغیب بھی کم ہوتی ہے۔ ''ایسے نظام میں جہاں نہ تو انسانوں کے دل اور نہ ہی ذہن کام میں لگتے ہیں کیا مہارت اور کارکردگی آئے گی''؟[29] کارکردگی کی عدم موجودگی میں پیداوار بھی متاثر ہوتی ہے۔ ذات پات پر مبنی امتیاز اور اخراج کا اثر آمدنی کی تقسیم، روزگار اور غربت میں دکھائی دیتا ہے اور اسکا تجربہ ان امتیازات کے شکار اور اخراجی گروہوں کو ہی ہوتا ہے۔ چونکہ جائیداد کے حقوق ہر ذات میں یکساں نہیں ہیں۔ اسی طرح آمدنی کی تقسیم بھی ذات پات کے خطوط پر

ہے۔معاشی تقسیم کے منفی اثر کے علاوہ ذات پات کے نظم کی وجہ سے مزدور کی ایک پیشہ سے دوسرے پیشہ میں منتقلی بھی ناممکن ہے جسکا اثر روزگار پر پڑتا ہے۔

امبیڈکر ایک علاحدہ تناظر میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ذات کے پیشوں میں مزدور کی نقل وحرکت پر پابندی اور اسے روزگار کی تبدیلی کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے اعلیٰ ذات کے لوگوں میں ''رضا کارانہ بیروزگاری اور نچلی ذات کے لوگوں میں'' غیر رضا کارانہ بیروزگاری'' پیدا ہوتی ہے۔اس مسئلہ کے حل کے لئے معاشی امتیاز میں کمی لانا اور معاشی نمو میں اضافہ کیا جانا چاہئے،امتیاز کے شکار گروہوں کو مساوی مواقع فراہم کئے جائیں، مختلف گروہوں کے درمیان عدم مساوات کو کم کیا جائے،سماجی اور معاشی شمولیت کو یقینی بنایا جائے اور ممکنہ سماجی تصادم کو کم سے کم کیا جائے۔[30]

آبادی میں اقلیتوں کی حصہ داری منصفانہ شرکت اور رسائی کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔بعض معاملات میں منصفانہ نمائندگی کو متعینہ کوٹہ کی اصطلاحوں میں دیکھا جاتا ہے۔جبکہ بعض دیگر معاملات میں اسکا اظہار نسلی رمذہبی اقلیت کے توازن کے اصطلاحوں میں دیکھا جاتا ہے۔اسکے علاوہ مناسب امیدوار کو جمع کرنے'' کی اصطلاح میں دیکھا جاتا ہے جو کوٹہ کے مقاصد ولائحہ عمل کو پورا کرتا ہو۔مزید یہ کہ ان متعینہ مقاصد یا اہداف کو بعض معاملات میں قانونی طور پر لازمی وضروری بھی قرار دیا جاتا ہے، جبکہ دیگر معاملات میں فرمس رکمپنیوں کی جانب سے ایک رضا کارانہ اقدام کے عنصر کے ساتھ اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔تاہم' دونوں ہی معاملات میں ان مقاصد اور اہداف پر نظر رکھنے کے لئے کسی نہ کسی طرح کی نفاذ کی مشنری بنائی گئی ہے۔چنانچہ امریکہ میں Federal Contract Compliances اور شمالی آئرلینڈ میں Fair Employment Agency اسکی چند مثالے ہیں۔[31]

مختلف ممالک کی جانب سے معاشی وسماجی امتیاز کے خلاف اپنائی گئیں حکمت عملیاں مسئلہ کے تئیں تدارک کی طرف اشارہ کرتے ہیں' جیسے روزگار میں مساوی مواقعوں کے لئے قوانین،تحفظات رمثبت اقدامات اور معاوضہ وجرمانہ۔شمولیاتی نمو کو یقینی بنانے کے لئے تھوراٹ نے خانگی شعبہ کے لئے بھی تحفظات کی پالیسی کی وکالت کی ہے، جیسے زراعت، خانگی صنعت اور خدمات کا شعبہ اور امداد باہمی کا شعبہ جن میں 90 فیصد ST/SC آبادی مصروف کار ہے۔اس طرح کی پالیسی کے لئے تین رہنما اصول ہونے چاہئے۔اسکا اطلاق مختلف سطحوں پر ہو،کسی نہ کسی طرح کے نگرانی کے میکانزم کے ساتھ متعینہ کوٹہ ہو اور امتیاز کی نوعیت کے مطابق تینوں ذرائعوں جیسے قانونی،منصفانہ رسائی اور

انکے ساتھ ساتھ معاوضوں کو استعمال کیا جائے۔[32]

تحفظات کے خلاف دلائل

اپنے مضمون ''تحفظ کے متعلق تحفظات'' میں نیرا چندوک نے ہندوستانی ریاستوں کی جانب سے تحفظات کو دی گئی شکل اور نفاذ میں پائی جانے والی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ انکے مطابق تاریخی غلطیوں کے لئے معاوضہ کے طور پر تحفظات کا مطالبہ مناسب نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ تحفظات سے مخالفانہ ماحول، دشمنی اور ناراضگی پیدا ہوتی ہے اور اسکے ذریعہ سے تحفظات کے فوائید حاصل کرنے والوں میں عزت نفس کے احساس کو پیدا کرنے میں مدد نہیں ملتی۔ اس لئے تجویز یہ ہیکہ مشترکہ وسائل میں جنہیں جائز یا صحیح مقام نہیں ملا ہے وہ اس مسئلہ کو ایک مساویانہ نکتہ نظر سے دیکھیں۔ تب ہی وہ حکومت سے نمائندگی ایک متاثرہ شکایات کنندہ کی طرح نہیں بلکہ وہ حقوق کے علمبردار کے طور پر اپنے حق سے اپنی حصہ داری کا مطالبہ کرسکیں گے۔[33]

اسکے علاوہ تحفظات کے مخالفین تحفظات کو پسماندہ طبقات کی جانب سے ایک طویل مدتی حکمت عملی سمجھتے ہیں جسکا مقصد دوسروں کی قیمت پر اپنے لئے کچھ حاصل کرنا ہے۔''[34]

وہ لوگ جو حکومت کے اس مثبت اقدام کی مخالفت کرتے ہیں ''اعلیٰ اہلیت'' (میرٹ) کے بڑے حامی دکھائی دیتے ہیں۔ تحفظات کے خلاف دلائیل اسطرح ہیں:

(1) تحفظات کی وجہ سے اہلیت رکھنے والے ذہین لوگ ہندوستان سے باہر اپنے لئے مواقع تلاش کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ جس سے ہندوستان اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل دماغ و ذہن سے محروم ہوجائے گا۔

(2) تحفظات کی وجہ سے ایک فرد میں پنہاں صلاحیت و استعداد کو کچلنے کا رجحان پیدا ہوگا جسکی وجہ سے مجموعی طور پر پورے نظام کی کارکردگی متاثر ہوگی اور اس پر ایک منفی اثر پڑے گا۔

(3) تحفظات کے فوائید سے صرف چند ذاتیں اور گروہ ہی استفادہ کریں گے جسکی وجہ سے پسماندہ طبقات میں ایک برتر یا غالب گروہ پیدا ہوگا۔

(4) تحفظات کی وجہ سے سب سے زیادہ متاثر قابل ترین ہوگا جسکی وجہ سے ترقی کا عمل بھی متاثر ہوگا۔

(5) تحفظات کی وجہ سے تحفظات کو حاصل کرنے والے اور وہ جنہیں تحفظات سے دور یا علاحدہ رکھا گیا ہے دو گرہ یا درجے پیدا ہوں گے اور ان دو گروہوں میں مخاصمت و مخالفت پیدا ہوگی۔

(6) تعلیم کے ابتدائی مرحلوں میں کوئی امتیاز یا خصوصی مواقع نہیں ہیں، لیکن اعلیٰ تعلیم اور یا ملازمت کی سطح پر تحفظات دیئے گئے ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ SC/ST/OBCs کے لوگ اعلیٰ طبقات کے مقابلہ میں کم ذہین ہوتے ہیں اور یہ ایک تنگ نکتہ نظر ہے۔

(7) تحفظات کی پالیسی سیاسی جماعتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتی ہے جسے وہ اپنے انتخابی فوائید کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اسکی وجہ سے سیاسی جماعتوں کو عوام کو مختلف ٹکڑوں اور گروہوں میں بانٹنے کا موقع مل جاتا ہے۔

(8) تحفظات کی پالیسی معاشی موقف کے مقابلہ میں سماجی بنیادوں پر زیادہ زور دیتی ہے لیکن آج کے بدلتے عالمیانہ اور آزاد معیشت کے منظر میں سماجی بنیادوں پر تحفظات فطری معاشی نمو میں ایک رکاوٹ ہے جسکی وجہ سے تحفظات کا سارا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔

(9) تحفظات کے فوائد حاصل کرنے والوں کا معاشی موقف بہتر ہونے پر بھی تحفظات مستقل اور ہمیشہ کے لئے جاری ہیں۔

(10) دوران ملازمت ترقی کے لئے بھی دیئے جانے والے تحفظات موثر کارکردگی کے جذبہ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ تحفظات کی وجہ سے کام کی جگہوں پر امتیازات پیدا ہوتے ہیں۔

(11) تحفظات ذات پات کے نظام کو دوام بخشتے ہیں۔

(12) سماجی مساوات کے حصول کے مقصد کو خود تحفظات سے نقصان پہنچتا ہے چونکہ اسکی وجہ سے ذات پات کی شناختوں کو جلاء ملتی ہے۔

(13) سماج کے پسماندہ طبقات کو تعلیم کے بہتر مواقع اور بہتر تعلیمی وظائف، ہوسٹل کی سہولتیں اور گھر وغیرہ کی بنیادی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں نہ کے تحفظات۔

(14) پسماندہ ذاتوں کی ترقی کو یقینی بنانے کے لئے تحفظات کی ضرورت نہیں ہے چونکہ کئی ایک روایتی پسماندہ ذاتیں

سماجی و سیاسی طور پر کسی تحفظات کے بغیر ہی آگے بڑھی اور ترقی حاصل کی ہیں۔ بابو جگجیون رام نائب وزیر اعظم ہندوستان اسکی ایک مثال ہیں۔[35]

(15) امریکہ میں جاری مثبت اقدام کی پالیسی ہندوستان میں جاری تحفظات کی پالیسی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ سماج میں اخراج (Exclusion) اور امتیاز کے کئی ایک عوامل ہوتے ہیں (جیسے کہ نسل، صنف، معاشی، تعلیمی عوامل وغیرہ) جہاں ذات پر مبنی تحفظات صرف ذات پر مرکوز ہوتے ہیں سماجی انصاف کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چند کے لئے سیاسی مفادات تو حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، لیکن سب کے لئے سماجی انصاف کے تقاضے اس سے پورے نہیں ہوتے۔

(16) ذات کی بنیاد پر تحفظات سماج میں ذات پات کو بڑھاوا دیتے ہیں نہ کہ ایک سماجی سوچ کے ایک عامل کے طور پر اسے ختم کرتے ہیں، جبکہ دستور ہندو اسی سوچ کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ تحفظات جمہوری شہریت کے تصور کو بھی ختم کرتے ہیں۔ جمہوری شہریت میں ایک شخص کا تعین قدر اسکی اعلیٰ اہلیت (میرٹ) یا کامیابیوں یا اسکی خصوصیات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے نہ کہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر۔

(17) دیہات نہ صرف ''نچلی ذاتوں'' پر مشتمل ہوتے ہیں بلکہ نیشنل سامپل سروے کے مطابق دیہاتوں کی 30 فیصد آبادی اعلیٰ ذاتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہاں رہنے والے اعلیٰ ذاتوں کی معاشی حالت نچلی ذاتوں کی معاشی حالت سے بہت زیادہ بہتر نہیں ہوتی چونکہ اس حقیقت کو سب جانتے ہیں کہ دیہی علاقے عموماً ترقی یافتہ نہیں ہوتے اور بنیادی سہولتیں و تعلیم اور صحت کی سہولتوں کی یہاں پر کمی ہوتی ہے۔ اعلیٰ ذاتوں کی 25 فیصد آبادی ناخواندہ ہے اور ان میں سے 65 فیصد کی آمدنی 525 روپے ماہانہ سے کم ہے۔ چنانچہ ان حقائق کی روشنی میں ''اعلیٰ ذاتوں'' کے غریب ترین کو نظر انداز کرنا منصفانہ نہیں ہے۔ ''نچلی ذاتوں'' کے امیر اور بااثر افراد کو تحفظات فراہم کرنا بھی غیر منصفانہ ہوگا۔ Forbes کے امیروں کی فہرست میں پسماندہ طبقات اور اقلیتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

(18) ٹاملناڈو میں دیگر پسماندہ طبقات (OBCs) اعلیٰ ذاتوں کے مقابلہ میں آگے ہیں۔ یہاں پر 85 برسوں سے زائد عرصہ سے غیر معمولی تحفظات کے ذریعہ اعلیٰ ذاتوں کو تعلیمی سہولتوں سے محروم کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں

امتیازات دوبارہ پیدا ہوتے ہیں اور نئے مظلوم و کچلے طبقات پیدا ہوتے ہیں۔

(19) ذات پات کے نظام کی بنیادی خصوصیت خاندان یا قبیلے کے اندر ہی شادی کرنے کا رواج ہے۔ذات پات کے نظام کو کمزور کرنے کے لئے حکومت کو چاہئے کہ ان لوگوں کو ترغیب کے طور پر تحفظات فراہم کرے جو اپنی ذات سے باہر شادی کرتے ہیں،جس سے ہندوستانی سماج میں ذات پات کا نظام کمزور پڑسکتا ہے۔[36]

تحفظات کے مخالفین یہ دلیل دیتے ہیں کہ تحفظات کے نتیجہ میں اہدافی گروہوں کے اندر اور دوسروں کے ساتھ امتیازات کم ہونے کے بجائے انمیں اضافہ ہی ہوا ہے۔[37]مثال کے طور پر عام ''دلتوں'' کو انکے ہی عوام نے پسماندہ بنا کر رکھ دیا ہے اور ہریجنوں میں خوشحال لوگ ہی ترجیحی سلوک کے فوائید سے استفادہ کررہے ہیں۔[38]ہندوستان کے روایتی سماج میں ذات پات کی درجہ بندی اور معاشی درجہ بندی کے درمیان ایک طبقاتی ربط ہے اور یہ ربط اس حد تک ہیکہ پسماندہ ذاتیں معاشی اور پسماندہ طبقات بھی ہیں۔[39]تاہم،گذشتہ چار دہوں کے دوران چند اہم تبدیلیاں یہ آئی ہیں کہ روایتی طور پر پسماندہ ذاتیں سماجی طور پر اوپر اٹھی ہیں جبکہ کئی ایک اعلیٰ روایتی ذاتیں سماجی طور پر نیچے چلی گئی ہیں۔ اس تبدیلی کے نتیجہ میں پسماندہ ذاتوں کے اوپر کی جانب اٹھان کے لئے تحفظات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔وہ اپنے آپ کو مزید اوپر لے جانے کے اہل ہیں۔

معاشی نکتہ نظر سے پسماندہ طبقات اب کسی طرح بھی پسماندہ نہیں ہیں۔ بنیادی طور پر دیہی علاقوں میں وہ زراعتی اور صناع ہیں۔وہ زمین گائے اور بھینسوں کے مالک ہیں۔وہ غریب دیہاتوں کو سود پر پیسہ دیتے ہیں۔وہ فاضل غلہ کا ذخیرہ کرتے ہیں اور قیمتوں میں اضافہ کا انتظار کرتے ہیں اور اسکے بعد ہی وہ اعلیٰ منافعوں پر انہیں فروخت کرتے ہیں۔وہ پیسہ کا خرچ کم کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اعلیٰ اسکولس و کالج میں پڑھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔وہ تعلیم کی قدر کو جان گئے ہیں اور اب وہ مزید ناخواندگی و پسماندگی میں رہنا نہیں چاہتے۔

تحفظات کے مخالفین مزید یہ کہتے ہیں کہ سماجی درجہ بندی کا روایتی نظام حالیہ عرصہ میں بڑی تبدیلیوں سے گذرا ہے۔ان تبدیلیوں کے لئے کئی عوامل ہیں جیسے عالمگیر تعلیم،وسیع احاطہ کرنے والی سماجی قانون سازیاں جو روایتی اداروں اور عدم مساواتوں کو متاثر کئے ہیں۔اصلاحات اراضی،شہریانہ،صنعتیانہ کے نتیجے میں پیشوں میں تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔[40]اس صورتحال میں کم تر پیشے جیسے صناع، بے زمین مزدور، کاشتکار اور اس طرح کے دیگر لوگوں کی ذات کے

مقابلہ میں پسماندگی صحیح معیار ہے۔ ایک اور دلیل یہ ہیکہ ملازمتوں میں کمی کی وجہ سے تحفظات کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بیروزگاری ہمارے ملک میں ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے اور یہ سب کچھ ایک طرف تو تعلیم میں تیزی سے اضافہ کی وجہ سے ہوا ہے تو دوسری طرف معاشی ترقی میں سستی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس مسئلہ کو صرف زیادہ ملازمتوں کو پیدا کرتے ہوئے حل کیا جاسکتا ہے، نا کہ موجودہ ملازمتوں کے کسی فیصد کو کسی ایک ذات یا طبقہ کیلئے محفوظ کرتے ہوئے۔

تحفظات کے مخالفین یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اعلیٰ ذاتوں کے نوجوان لڑکوں کو گزرے برسوں میں انکے آباواجداد کی غلطیوں کا شاخسانہ بھرنا نہیں پڑنا چاہئے۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پسماندہ ذاتوں کو ترجیحی سلوک دینا اصول مساوات کے خلاف ہے۔ پسماندگی کو طئے کرنے کیلئے جو کسوٹی اپنائی گئی ہے اس پر بھی مخالفین تحفظات سوال اٹھاتے ہیں؛ چونکہ اس کسوٹی میں ترقی یافتہ، امیر اور غریب پسماندہ سب کو ایک ہی خانہ میں رکھا گیا ہے۔ سب سے زیادہ کمزور ذاتوں کے لئے تحفظات پر کسی کو کوئی مخالفت نہیں ہے۔ Andre Beteille جیسے ماہرین سماجیات کے مطابق تحفظات سے ہندوستان میں سماجی انقلاب نہیں آئے گا۔[41]

مزید یہ کہ تحفظات کے نتیجہ میں عوام میں کوئی ذہنی تبدیلی نہیں آئے گی ہم لا فانی طور پر اس سماجی تقسیم میں اٹل رہیں گے جو ہمیں ماضی سے وراثت میں ملی ہے۔ تاوقتیکہ ہم پسماندگی کے مختلف تصور کے ساتھ آگے نہیں بڑھیں گے جو کہ فرد کو اسکی ضرورتوں سے جوڑے؛ کوئی ذہنی تبدیلی نہیں آئے گی۔[42] ذات پات کے نظام کو اگر تباہ کرنا ہو یا استحصال کے جواز کے تقدس کو پامال کرنا ہو تو ہم کو چاہئے کہ استحصال کی جڑوں کو ختم کریں جن پر کہ ذات پات کا نظام پھلتا پھولتا ہے۔[43] ای ایم ایس نمبو دری پد جیسے کمیونسٹ قائد کے مطابق تحفظات کے مطالبہ نے ''اعلیٰ'' طبقات کے محنت کش عوام کو پسماندہ طبقات کے سامنے لا کھڑا کیا ہے جس سے یہ دونوں معاشی طور پر مساوی طبقات مشترکہ جمہوری مطالبوں کو قربان کر کے ایک دوسرے کے مخالف بن گئے ہیں۔''[44]

انقلابی قائد بھی تحفظات کے مخالف ہیں۔ وہ اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ ٹکڑوں، ٹکڑوں میں بٹ کر بتدریج تبدیلی سے غریب کی حالت میں کوئی سدھار نہیں آئے گا۔ وہ ایسی ساختی تبدیلیوں کے حامی ہیں جن سے زیادہ ملازمتیں اور مواقع پیدا ہو سکیں۔ انکے مطابق، تحفظات غریب ترین کے انقلابی جذبے کو ختم کر دیتے ہیں۔ پسماندگی

بالآخر محروم یا کھودیئے گئے سماجی و معاشی مواقعوں کا معاملہ ہے۔ اور ناخواندگی اسکا ایک بنیادی اظہار ہے۔[45] چنانچہ، تحفظات کے مخالفین معاشی ترقی اور تعلیم کے فروغ کی وکالت کرتے ہیں تحفظات کی نہیں۔ سابق صدر جمہوریہ ہند نیلم سنجیوا ریڈی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اعلیٰ طبقہ کے ارا کین ہونے کے باوجود ایسے کئی برہمن ہیں جو خط غربت سے کہیں زیادہ نیچے ہیں۔ ''کیا ایسے برہمنوں کو حکومتی امداد سے محروم کرنا ناانصافی نہیں ہے'' یہ سوال تمام سیکولر ذہن دانشوروں اور معاوضاتی امتیازی پالیسی کے حامیوں کا پیچھا کرتا ہے۔[46]

سپریم کورٹ کے فاضل جج D.A. Desai کے مطابق مثبت اقدام (Affirmative Action) کے لئے اگر معاشی کسوٹی کو اپنایا جائے تو اسکی ضرب سماجی و تعلیمی پسماندگی پر پڑے گی۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہیکہ ذات پات کی ساخت کو ختم کرنے کی جانب بھی اہم قدم اٹھانا چاہئے۔ جسکے نتیجہ میں قوم کے سیکولر کردار میں اضافہ ہوگا۔[47]

مزید یہ بھی کہا جاتا ہیکہ دستور کے مقاصد، ہندوستانی سماج کی ذات پات کی درجہ بندی کو ختم کرنا اور ذات پات سے خالی سماج کو قائم کرنے کی جانب ٹھوس قدم اٹھانا ہے اور دوسرا، اپنے سماجی موقف کو بلند کرنے کیلئے سماج کے پچھڑے لوگوں کو ایک موقع دیتے ہوئے غربت کا خاتمہ کرنا ہے تاکہ سب زندگی کی مرکزی دھارا کا حصہ بن سکیں، جسے غربت کے خاتمہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے نہ کہ تحفظات سے۔[48]

تحفظات کے حامی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ دستور ہند کی دفعات (4)15 اور (4)16 پسماندہ طبقات کو ترجیحی سلوک کا اہل بناتی ہیں۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بالاجی کے مقدمہ میں سپریم کورٹ نے دفعات (4)15 اور (4)16 کے متعلق کہا ہے کہ یہ مملکت پر کسی خاص انداز میں کام کرنے کو لازم قرار نہیں دیتی۔[49] چنانچہ، سپریم کورٹ کے فیصلہ کے مطابق ان دفعات کے استعمال کو 'ملکت کی صوابدید' پر چھوڑا گیا ہے۔ تحفظات کو لازمی بنانا کوئی دستوری ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ ایک اختیار صوابدید ہے۔ حکومت اگر تحفظات دینا بھی چاہتی ہے تو وہ ایسا دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچا کر نہیں کرسکتی۔ I.P. Desai نے ذات کی بجائے حسب ذیل متبادل کسوٹی کے ساتھ یہ تجویز دی ہے۔ (1) یہ اقدام پوری طرح سیکولر ہو (2) ترقی پذیر ممالک میں ظہور پذیر سماج کے مطابق ہو۔ (3) نئے سماج کی بنیاد انفرادی شہری کو تسلیم کرتے ہوئے ہو اور اسکے حقوق وذمہ داریوں کا تعین سیکولر سیاسی اختیار کی جانب سے ہو۔ (4) فرد کی شناخت اسکے روزگار کی سرگرمیوں سے مربوط طبقہ سے ہو نہ کہ ذات سے۔[50] انکا کہنا ہے کہ سماجی و تعلیمی پسماندگی

کا ساتھ ساتھ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ایک فرد جو اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتا ہو تب بھی تعلیمی طور پر پسماندہ ہوسکتا ہے۔اور ایک فرد جو تعلیمی طور پر آگے ہو سماجی طور پر پیچھے رہ سکتا ہے۔اس طرح ایک فرد جو کسی نچلی ذات سے تعلق رکھتا ہے ضروری نہیں کہ اسکا تعلق سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقا سے ہی ہو ایک سیکولر نظام میں اسے پسماندہ سمجھا نہیں جا سکتا۔[51]

I.P Desai کے نظریہ کی تائید اور ذات کی بجائے کام کے طبقہ کو پسماندگی کی نشاندہی کے لئے کسوٹی میں تبدیلی کے متعلق گھنشیام شاہ کی جانب سے پیدا کئے گئے خوف کو ختم کرتے ہوئے او پیندر ابخشی کہتے ہیں اگر غریب کی عملی تعریف کی جاسکتی ہے،تو اسکی درجہ بندی بھی ہوسکتی ہے۔[52] I.P.Desai اور او پیندر ابخشی کے دلائل کافی منطقی اور سیکولر ہیں،لیکن یہ قابل اطلاق نہیں ہیں۔

تنقیدی جائزہ

تحفظات کے حق میں اور مخالفت میں دئے گئے دلائل کے تجزیہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ تحفظات زیادہ سائنٹفک کسوٹی کو وضع کریں جس سے محروم ذاتوں کے ساتھ ساتھ سماج کے غریب طبقات کو بھی فائدہ ہو۔نئی کسوٹی خالصتاً ذات کی بنیاد پر نہ ہو۔اگرچیکہ ذات سماجی پسماندگی کو طئے کرنے کے لئے ایک موزوں عامل ہے،لیکن یہ کوئی غالب یا واحد عامل نہیں ہے۔معاشی پسماندگی سے سماجی پسماندگی پیدا ہو رہی ہے اور مزید یہ کہ چند طبقات کے پیشے کمتر ہیں جسکی وجہ وہ سماجی طور پر پسماندہ ہیں۔اس طرح' ذات،طبقہ اور پیشہ کو یکجا کرنا ہی ایک معقول پالیسی ہوگی جس سے سماجی اور معاشی متغیرات کے تناظر میں سب سے زیادہ پسماندہ طبقات کو اوپر اٹھانے کیلئے مواقع فراہم کئے جاسکتے ہیں۔

تحفظات کی اچھی پالیسی وہ پالیسی ہوتی ہے جس سے کارکردگی اور اعلیٰ اہلیت (میرٹ) کو نقصان پہنچائے بغیر ایک قوم کے طور پر ہمارے اتحاد کو توڑے بغیر اور ترقی کی جانب ہماری پیشرفت میں رکاوٹ بنے بغیر سماج کے ضرورتمند طبقات کو فائدہ پہنچائے۔

تحفظات کی پالیسی کو سائنٹفک بنانے کیلئے حسب ذیل امور پر غور کیا جانا چاہئے۔

1۔ تحفظات کے فوائد سے پسماندہ ذاتوں کے ترقی یافتہ طبقہ کو دور رکھنے کیلئے موثر اقدامات کو اپنایا جانا چاہئے۔

2۔ تحفظات صرف ایک نسل تک محدود ہو۔ بعد کی نسلوں کے لئے یہ لازمی کیا جائے کہ وہ عام درجوں کے ساتھ مسابقت کر کے آگے بڑھیں۔

3۔ تحفظات کی پالیسی کا ہر چند برسوں کے بعد دوبارہ جائزہ لیا جائے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اسکا غلط استعمال نہ ہواور یہ کہ اسکی وجہ سے انتظامی معیارات اور کارکردگی پر اثر نہ پڑنے پائے۔

4۔ تحفظات کو دستیاب ملازمتوں کے ایک چھوٹے سے فیصد تک محدود کیا جانا چاہیئے۔

5۔ متعلقہ مقنّنہ کی منظوری کے بغیر تحفظات کو نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی جانی چاہیئے۔ تحفظات کی پالیسی کو اپنانے سے قبل مقنّنہ اور اس سے باہر کھلے و آزادانہ مباحث ہونے چاہیئے تاکہ حکومت کو رائے عامہ معلوم ہو سکے اور آبادی کے تمام طبقات کے لئے قابل قبول قانون سازی ہو سکے۔

6۔ جائیدادوں کو گھمانے (روسٹر) کا طریقہ نہ ہو۔ جائیدادوں/اسامیوں کو غیر محفوظ قرار دینے سے قبل دو یا تین سال کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے۔ بعض مرحلوں میں چند جائیدادوں/اسامیوں عام زمرے کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔

7۔ ہر سرکاری ملازم اپنی ترقی کو اعلیٰ اہلیت (میرٹ) اور مہارت کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیئے۔ دفتری درجہ بندی کے ہر مرحلے میں اگر تحفظات کو رکھا جائے تو بعض لوگ محض پسماندہ طبقہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے تیزی سے بلندی پر پہنچ جائیں گے۔ یہ صورتحال دوسروں کے لئے ناقابل برداشت بن جائے گی اور انہیں مایوسی و ناامیدی ہوگی۔ اس کے علاوہ اس طرح کی ترقی سے مہارت اور ڈسپلن کو ناقابل اصلاح نقصان ہوگا۔

8۔ پیشہ وارانہ تعلیمی اداروں میں داخلہ حاصل کرنے کیلئے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ موزوں کم سے کم نشانات ہوں، ورنہ تعلیمی معیار قوم کیلئے نقصان دہ حد تک گر جائے گا۔

9۔ پسماندہ طبقات کو ملازمت کے لئے امتحانات میں شرکت سے قبل زائد کوچنگ اور تربیت دی جائے تاکہ ان میں اعتماد پیدا ہو۔ انہیں مناسب وظائف، ہوسٹلس کی سہولتیں وغیرہ بھی فراہم کئے جائیں تاکہ ان کو دیئے جانے والے ترجیحی سلوک سے وہ بہتر طور پر استفادہ کرسکیں۔ تکنیکل کالج میں ضروری سہولتوں کے بغیر صرف داخلہ دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

10۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہمیشہ کے لئے جاری رہنے والے تحفظات کی وجہ سے کوئی بھی شخصی مفادات کوفروغ نہ دے سکیں گے تحفظات کو مستقل نہیں ہونا چاہیئے۔[53]

11۔ خواتین کو ST/SC اور OBCs کے لئے محفوظ کوٹہ میں سے تحفظات دیئے جائیں چونکہ وہ دوہرے محروم ہیں۔

12۔ OBC میں ''طبقہ ملائی (Creamy Layer) کا تعین صرف عدالت کرے، ریاستیں نہیں۔

13۔ تحفظات کی کسوٹی کو طئے کرتے وقت سماجی و تعلیمی بنیادوں کے علاوہ معاشی حالات کو بھی مدنظر رکھا جانا چاہیئے، اسکے لئے دستور کی دفعہ 15 (4) میں ترمیم بھی کی جائے تا کہ معاشی طور پر پسماندہ شخص کو تعلیم اور ملازمتوں کے لئے وسائل دستیاب ہوسکیں۔

14۔ تحتانوی اور ابتدائی تعلیم کی ساخت میں اصلاح کی ضرورت ہے تا کہ ملازمت کی سطح پر تحفظات کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

15۔ طالب علم کے کیریر کی ابتداء سے ہی زیادہ سے زیادہ وسائل کو صحیح سمت میں موڑ دیا جانا چاہیئے تا کہ اس کے ذہن ونکتہ نظر کو مسابقتی ضرورتوں کے مطابق بنایا جاسکے۔

16۔ تحفظات کی پالیسی کے مقصد کے حصول کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جاتا رہے اور اس پالیسی کو بدلتی تبدیلیوں کے ساتھ متحرک اور قابل بحث اور غور وخوص بنایا جائے۔ یہ بہت ہی منصفانہ ہوگا کہ غریب ST/SC یا OBC افراد کے ساتھ ساتھ غریب برہمن یا اعلیٰ ذات کے متعلق بھی سوچا جائے جو یکساں حالات سے گذر رہے ہیں۔

17۔ اگر چیکہ ہندوستانی سماج میں کام کی جگہوں پر الگ تھلگ کردینے میں ذات ایک اہم عامل ہے۔لیکن دوسرے عوامل جیسے صنف، معاشی حالات، جغرافیائی عدم امتیازات اور اسکول کی تعلیم کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

18۔ تحفظات کا فیصلہ معروضی بنیادوں پر لیا جائے۔ مناسب ابتدائی اور ثانوی تعلیم پر زور دیا جانا چاہئیے تا کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور کام کے مقامات پر کم نمائندگی رکھنے والے صحیح مسابقت کار بنیں۔ باوقار اعلیٰ تعلیمی اداروں میں نشستوں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا جانا چاہیئے۔

مثال کے طور پر دیہات یا بلدیہ کے اسکول میں پڑھنے والے بچے کو سماج میں وہ رتبہ نہیں ملتا جو کہ ایک پبلک

اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے بچے کو ملتا ہے، چاہے ذات کچھ کیوں نہ ہو۔ بعض ماہرین تعلیم کے مطابق ایک بہتر مثبت اقدام اور شمولیت وہ ہے جسکا مقصد سماج میں کام کی جگہ پر تمام اخراج سے نمٹے جس سے کہ ایک شخص کی مسابقتی صلاحیتیں محدود ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا مسائل کے حل کے لئے Multiplex Index Related Affirmative Action (MIRAA) کا طریقہ جسے جے۔ این۔ یو کے پرشوتم اگروال نے تجویز کی ہے اور (2006) دوسرا طریقہ یوگیندر یادو اور ستیش دیش پانڈے (CSDS) اور سچر کمیٹی کی تجاویز پر غور کرنا چاہئے تحفظات کی پالیسی کو بہتر بنانے کیلئے کئے گئے ہیں۔ سچر کمیٹی نے حقیقی پسماندہ اور ضرورتمندوں کی شناخت کے لئے ایک مختلف اسکیم کی سفارش کی ہے۔ [54]

چنانچہ تحفظات کی پالیسی کو مزید سائنٹفک اور کارآمد بنانے کے لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ ذات پات کے مطابق آبادی کی جدید ترین تفصیلات کو جمع کرے۔ اس کے علاوہ انکی تعلیم، پیشوں اور دولت وغیرہ سے متعلق معلومات بھی اکٹھا کرے اور مباحث کے بعد ایک بہترین پالیسی فیصلہ کے لئے ان اطلاعات رمعلومات کو قوم کے سامنے پیش کرے۔

ماحاصل

مختصر یہ کہ دستور ہند ایک سماجی دستاویز ہے اور تحفظات کی پالیسی کو سماجی مصالحت اور اقتدار میں حصہ داری کی ایک کلید کے طور پر تیار کیا گیا ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے قوم سے مکمل وفاداری، مثبت سوچ، منصفانہ منصوبہ بندی، مناسب وموزوں جستجو تمام پیش قدمیوں کو یکجا کرتے ہوئے اور بے تکان عزم کے ساتھ حکمرانی کی جانی چاہئے۔ مختصراً یہ کہ ایک کامیاب اور مکمل موثر حساس شمولیتی حکمرانی ہوتا' کہ قوم کے لئے ترقی کے ایک ایسے عہد میں لے جایا جاسکے جہاں ترقی کا مطلب سب کی ہمہ جہتی ترقی ہو۔ تحفظات کی پالیسی کو اپنی شکل اور مظاہر میں ہندوستان کی شمولیتی ترقی کے لئے ایک کامیاب اور موثر شمولیتی پالیسی یا حکمت عملی ہونی چاہئے۔

//..........☆☆..........//

Refrences حوالہ جات

1 Prof. Sushma Yadav, (2010), "Reservation and Inclusive Growth", New Delhi, Indian Institute of Public Administration, p2.

2 David Miller, (1979), "Social Justice", Oxford, Clarendon Press, p 233

3 محولہ1،صفحات2 تا4

4 Duskin Lelah, (1972),"Scheduled Caste Politics", in Michael Maher (ed.) The Untouchables in Contemporary India, Tucsen, The Univeristy of Arizona Press, p 168

5 S.Ben and R.S. Peters, (1975) "Social Principles and Democratic States", London, Martinus Nijhoff Publishing, p119

6 Bertrand Russel, (1919), "Road to Freedm", Cambridge, Harvard University Press, p 111

7 John Rawls, (1972), "A Theory of Jusice", Cambridge, Harvard University Press, p 61

8 محولہ5،صفحہ 133

9 Harold. J Laski, (1951), "A Grammer of Politics", London, Yale University Press, p 21

10 ایضاً،صفحہ 114

11 (Article 14 of the) International Convention on Elimination of All Forms of Racial Discrimination, Uno, February 2013, p4.

12 P.G. Joydand, Prashant P. Bansode, N.G. Meshram (Eds), (2008), "Globalization and Social Justice: Perspective, Challenges and Praxis", Jaipur, Rawat Publications, p 4.

13 C.L. Anand, (1987), "Equality, Justice and Reverse Discrimination", Delhi, Mittal Publications, p24.

14 R. Nozick, (1974), "Anarchy, State Utopia", UK, Blackwell, p2.

15 محولہ7،صفحہ 92

16 James M. Nickel, (1975), "Preferential Policies in Hiring and Admisson: A Jurisprudential Approach", Columbia Law Review, Vol. 75, No. 3, p 534

17 بھارت کا آئین(2010)،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی،صفحات 258 تا 260

18 ایضاً،صفحہ 274

19 محولہ1،صفحات21تا27

20 http://www.importanceofreservaton.orgaccessed on 18-7-2013

21 S. Raj Vivek, (2012), "Understanding Contemporary Issues in India", New Delhi, Civil Services Times, IGNOU Road, pp 227-228

22 Ghanshyam Shah, (January, 1985), "Caste, Class and Reservation", Economic and Political Weekly Bombay, p 134 (This periodical is cited hereafter as EPW).

23 Satish Kumar Kalra, (April,1979)"Caste, and Achievement Values", Journal of Social Work Bombay, Vol 27, No.1, p 25

24 Devaraj Urs,(December 1981), "The Only Way" , Seminar, p 27

25 Keshav Rao Jadhav, (1982), "D. Lonia on Reservation Policy" in B.A.V Sharma and K Madhusudhan Reddy (eds), Reservation Policy in India, New Delhi, Light & Life Publisher, pp 37-38

26 P.C Cheetterji, (April, 1985), "In Defence of Reservation", Patroit (New Delhi)

27 Nancy Birdsall and Richard Sabat, (1991), "Unfair Advantage - Labour market Discrimination in Developing Countries", Washington, World Bank Studies, p49

28 George Akerlof , (November 1976), "The Economics of Caste and of Rat Race and other Woeful Tales, Quarterly Journal of Economics, Vol. XC No 4.

29 George Akerlof, (June 1980), "The Theory of Social Customs of Which Unemployment may be one Consequences", Quarterly Journal of Economics, Vol. XCIV, No. 4.

30 ایضاً

31 S.K.Thorat, "On Economic Exclusion and Inclusive Policy", the Little Magazine, Reservation Vol VI, Issue 4&5, p12.

32 محولہ1،صفحہ39

33 Aryaman Prashant Negi, (2007), "Indian Institute of Dalit Studies", New Delhi, Rawat Publication, p313.

34 محولہ26

35 محولہ21،صفحات229تا230

36 http://www.importanceofreservation.org accessed on 18-07-2013

37 The Statesman (December 21, 1980), Editorial "Forever Backward", New Delhi.

38 Janardhan Thakur, (1976), "There Cannot be Reservation for All Time", in Rasheeduddin Khan others, eds, New Delhi, Political Dynamics, p9.

39 D.L. Sheth, (1976), "Caste and Politics", in Rasheeduddin Khan & Others, eds, New Delhi, Political Dynamics, p9.

40 Andre Betaille, (December 1981), "The Problem", Seminar, p10.

41 ایضاً،صفحہ 13

42 Dipankar Gupta, (December, 1981) "Caste Infrastructure, and Super Structure: A Critique", EPW, p2093.

43 E.M.S Namboodiripad, (February 1979), "Caste Conflicts V, Growing Unity of Popular Democratic Forces", EPW Annual Number, p336.

44 K.W. Sharma,(1982), "Marxist Approach to Reservation Policy" in B.A.V Sharma and K. Madhusudhan Reddy, (eds), Reservation Policy in Inida, New Delhi, Light & Life Publisher, p43.

45 Indian Express (August 13, 1982), "Backward and Forward",New Delhi.

46 The Hindu (12 October, 1978), "Help the Poor among the forward Castes", Madras.

47 K.C. Vasanth Kumar, V State of Karnataka, AIR 1985, S.C., p1496.

48 ایضاً،صفحہ 1497

49 Parmanand Singh,(April-June 1976), "Equal Opportunity and Compensatory Discrimination: Constitutional Policy and Judicial Control", Journal of the Indian Law Institute, p303.

50 I.P. Desai, (July 1984), "Should 'Caste' be the Basis for Recognising Backwardness" EPW, p1113.

51 ایضاً،صفحہ 1114

52 Upendra Baxi, (March 1985), "Caste, Class and Reservation", EPW, p-428.

53 S.N. Singh, (1996), "Reservation Policy for Backward Classes", New Delhi, Rawat Publication, pp 57-168.

54 محولہ 1،صفحہ 39

//......☆☆......//

باب3

ہندوستان میں تحفظات کی پالیسی اور مسلمان

Reservation Policy in India and Muslims

ہندوستان میں برطانوی حکمرانی کے نتیجہ میں رونما ہونے والی سیاسی، سماجی، معاشی وتمدنی تبدیلیوں نے تحفظاتی پالیسی کے لئے راستہ ہموار کیا۔انگریز جو پھوٹ ڈالواور حکومت کرو کی پالیسی میں یقین رکھتے تھےاس بات میں عقلمندی سمجھے کہ مختلف دعویٰ کنندگان کوخوش کرنے کے لئے فرقہ وارانہ اورذات کی بنیاد پر ترجیحی پالیسی کواپنایا جائے۔فرقہ وارانہ خطوط پراقتدار کی اس تقسیم طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے اوراقتدار کوطوالت دینے میں انکی مدد کی بلکہ اصلاح اور کمزور عوام کے تحفظ کا سہرا بھی انکے سر بندھا۔

ہندوستان میں برطانوی حکومت کی جانب سے 1835ء میں جدید تعلیم کے آغاز سے ہندوستانیوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جوتمدنی اور دانشورانہ صلاحیتوں کے اعتبار سے سرکاری ملازمتوں کے آرزومند تھے۔صنعتی، تجارتی یا سماجی خدمات کی سرگرمیوں کی تقریباً عدم موجودگی میں تعلیم یافتہ ہندوستانی کا انحصار پوری طرح سرکاری ملازمتوں پر تھا۔جس کی وجہ سے ہندوستانی سماج کے مختلف طبقات میں زبردست مسابقت پیدا ہوئی اور ہندوستانی سماج میں تصادم پیدا ہوا۔

ہندوؤں کے چند طبقات جیسے برہمن اور کائستھ فطری طور پر پڑھنے اورعلم حاصل کرنے والے طبقات تھے‘اس لئے وہ بہت جلد ہی جدید تقاضوں ومواقعوں پر پورے اترے اور سرکاری ملازمتوں کوحاصل کرلیا۔1869ء تا1899 کے دوران برطانوی حکومت نے تقریباً تمام میدانوں بشمول سیول سرویس میں برہمنوں کے غلبہ کومحسوس کیا۔انہیں یہ دکھائی دیا کہ یہ چھوٹا سا طبقہ ملک پر حکمرانی کررہا ہے۔اورتحریک آزادی میں بھی یہ سرگرم ہے چنانچہ وہ برہمنوں کے بڑھتے اثر اور ہندوسماج پرانکی پکڑ سے چوکنا ہوگئے۔انہوں نے ضروری سمجھا کہ برہمنوں کے خلاف ایک طاقتورقوت کو کھڑا کرتے ہوئے انکے غلبہ کوروکا جائے۔چنانچہ انہوں نے اپنی توجہ مسلمانوں کی طرف مبذول کی۔مسلمانوں کواپنے غالب موقف کے ختم ہونے پرغصہ تھااوروہ جدید تقاضوں ومواقعوں سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے ہندوؤں سے مسابقت

کرنے میں اپنے آپ کو معذور محسوس کررہے تھے۔اسکے علاوہ مسلمانوں کو اس بات کا بھی خوف تھا کہ کسی نہ کسی وقت ہندوستان آزاد ہوجاتا ہے تو ہندو اکثریت کا غلبہ ہوگا۔ بہت ہی چالاک اور منصوبہ بند طریقے سے انگریز مسلمانوں کو ہندوؤں سے دور کیئے۔

مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد انیسیوں صدی کے وسط میں انگریز غیر برہمن ذاتوں پر توجہ دیتے ہوئے انکا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی۔انگریز حکمرانوں نے بہت ہی موثر طور پر برہمنوں اور ہندوستان کے دانشور طبقہ کو ظالم کے طور پر پیش کئے اور غیر برہمن ذاتوں کے سامنے مساوات اور ترقی کے نئے مواقع کو پیش کیئے۔

اصول مساوات کے ساتھ یکساں قانونی نظام کے قیام کے نتیجہ میں سماج میں درجہ بندی اور عدم مساوات پر سوالات اٹھنے لگے اور مختلف ہندو اصلاحی تحریکوں اور ذات کی تنظیمیں مساوی مواقعوں کا مطالبہ کرنے لگے۔[1]

1856ء میں مہر (Mahar) جیسی نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے ایک لڑکے نے دھارواڑ کے ایک تعلیمی ادارہ میں جو کہ اس وقت بمبئی پریسڈنسی میں تھا' داخلہ لیا تھا۔جسکی وجہ سے ذات پات سے گھرے مقامی سماج میں احتجاج شروع ہوا اور انگریز حکمراں اس سلسلہ میں ایک واضح پالیسی تشکیل دینے پر مجبور ہوئے۔اور اس عوامی پالیسی کا اعلان کیا گیا کہ تعلیمی اداروں میں ذات،نسل اور مذہب کے کسی بھی امتیاز کے بغیر داخلہ دیا جائے گا۔1872ء میں اس پالیسی کو مزید واضح کرتے ہوئے Caste Disability Act منظور کیا گیا۔تعلیمی اداروں میں نچلی ذاتوں کے بلا روک ٹوک داخلہ دراصل سماج کے کمزور طبقات کے لئے ترقی کی ابتداء تھی۔

ابتداء میں پسماندہ لوگوں کے لئے خصوصی مدارس کھولے گئے اور انہیں خصوصی وظائف، قرض، ہاسٹل کی سہولتیں، مدرسہ کی فیس اور دیگر رعایتیں فراہم کی گئیں۔1885ء میں محکمہ تعلیم نے 50 فیصد وظائف پسماندہ طبقات اور مسلمانوں کو دینے کی تجویز دی چونکہ خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر وظائف کو دینے سے اس پر برہمنوں کا غلبہ ہوگا۔

1885ء میں آعظم گڑھ میں برطانوی سفیر Eutice J. Kitts نے پہلی مرتبہ 1881ء کی مردم شماری کے مطابق پسماندہ طبقات اور قبائل کی فہرست بنائی تھی۔اس فہرست کا مقصد امداد دینا اور مقامی اور صوبائی روزگار اور تعلیم میں ترجیح دینا تھا۔پہلی مرتبہ حکومت نے سرکاری طور پر ذات کو پالیسی کی بنیاد کے طور پر تسلیم کیا۔تعلیم اور روزگار میں ''ترجیح'' کا یہ عمل آگے چل کر تحفظات کی پالیسی کی بنیاد بنا۔

شاہی قانون ساز کونسل، ضلع بورڈس اور مقامی اداروں میں مسلمانوں کے لئے علاحدہ رائے دہندگی۔ فرقہ وارانہ نمائندگی عوامی خدمت میں مناسب حصہ داری، مسلم تمدن کے تحفظ اور فروغ کے لئے مناسب تحفظات اور انکے جائز مفادات کیلئے اقدامات کے مطالبات کو منٹو۔ مارلے اصلاحات جنہیں قانون حکومت ہند 1909 بھی کہا جاتا ہے کے ذریعہ قبول کیا گیا۔ یہ قانون ہندوستانی سماج کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کرنے کا ایک آلہ اور انوکھا طریقہ تھا۔

تحفظات کا ابتدائی مقصد حکومتی ملازمتوں اور دوسرے اہم عہدوں پر برہمنوں کی اجارہ داری کو روکنا اور اسکے ساتھ ساتھ غیر برہمن طبقات کو یہ عہدے اور ملازمتیں فراہم کرنا تھا۔ اس کا آغاز مدراس اور میسور پریسڈنسی میں غیر برہمنوں کی برہمنوں کے غلبہ کے خلاف احتجاج سے ہوا۔ اس طرح تحفظات تعلیم کے میدان میں داخل ہوئے تا کہ زیادہ سے زیادہ غیر برہمن ملازمتوں کے لئے اہل ہوسکیں۔

اس طرح تعلیمی اصلاحات تحفظات کی پالیسی کے پیشرو بنے اور اس معاملہ میں مدراس، میسور، ٹراونکور، کوچین وغیرہ میں کچھ عرصہ سے جاری سماجی اصلاح کی مختلف تحریکات قیادت کا کام کیئں۔ حکومتی ملازمتوں میں تحفظات کا آغاز برطانوی ہند میں نہیں بلکہ ہندوستانی دیسی ریاستوں میں ہوا۔ اس وقت کی دیسی ریاست میسور نے 1874ء میں محدود طور پر ہی سہی حکومتی ملازمتوں میں تحفظات کا آغاز کیا تھا۔ اس ریاست نے نچلی اور درمیانی سطح کی 20 فیصد جائیدادوں کو محکمہ پولیس میں برہمنوں کے لئے محفوظ کیا تھا' جبکہ 80 فیصد ملازمین غیر برہمنوں اور ہندوستانی عیسائیوں کے لئے محفوظ تھیں۔ یہ اقدام ریاست کی عوامی خدمات میں برہمنوں کی اجارہ داری کو توڑنے کی ایک شعوری کوشش تھی۔ 1895ء میں حکومت میسور کی جانب سے پسماندہ طبقات کی تائید میں ایک گشتی (سرکیولر) جاری کیا تھا۔ پھر ایک بار 1914ء میں نامزدگی کے ذریعہ بھرتی کے طریقہ کار کا آغاز ہوا جس کے ذریعہ اسسٹنٹ کمشنر کے عہدوں کو پسماندہ طبقات کے اراکین کے ذریعہ پر کیا جانے لگا۔ لیکن یہ طریقہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔[2]

کولھاپور پہلی دیسی ریاست ہے جس نے پسماندہ طبقات کے لئے خصوصی سہولتوں کا آغاز کیا تھا۔ یہاں کے حکمران نے 1902ء میں اعلان کیا کہ وہ ریاست کے آدھے جائیدادوں (ملازمتوں) کو اہل غیر برہمن طبقات کے لئے محفوظ کریں گے۔ انہوں نے مرہٹہ، مسلمانوں اور جین نوجوانوں کے لئے ہاسٹل بھی شروع کیا تھا۔[3]

1909ء کے منٹو مارلے اصلاحات نے غیر برہمنوں کو مزید سر بلندی دی۔ چنانچہ غیر برہمن طبقات پورے

زور وشور سے تعلیم اور حکومتی روزگار میں تحفظات کا مطالبہ کرنے لگے ۔1919ء میں برطانوی حکومت نے تعلیم، زراعت، وٹرنری، عمارات وشوارع، سماجی بہبود وغیرہ جیسے موضوعات کو صوبائی حکومتوں کو منتقل کیا۔ان تمام اختیارات کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت نے سرکاری ملازمتوں میں بااثر گروہوں کے متصادم دعوؤں کو مطمئن کرنے کی ذمہ داری بھی دی۔

اس مسئلہ پرغور کرنے کے لئے 1918ء میں حکومت میسور نے ملر کمیٹی کا تقرر کیا۔اس کمیٹی کی سفارش پر برہمنوں کو چھوڑ کر تمام طبقات کو پسماندہ قرار دیا گیا جنکی عوامی خدمت میں نمائندگی کافی کم تھی۔ 1921ء میں پہلی مرتبہ کابجس اور ریاستی خدمات میں پسماندہ طبقات کے لئے رسمی طور پر ترجیحی بھرتی شروع کی گئی۔ یہ ہندوستان میں سرکاری طور پر تحفظاتی پالیسی کا آغاز تھا۔اس سال 1921ء میں حکومت مدراس نے حکومتی خدمات میں غیر برہمنوں کے لئے اعلیٰ نمائندگی کے اقدامات کئے۔[4]

1925ء میں حکومت بمبئی نے اپنی خدمات میں پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات فراہم کیا۔جس میں برہمنوں، مارواڑیوں، پربھو، بنیا اور عیسائیوں کو چھوڑ کر سب شامل تھے۔ 1928ء میں بمبئی حکومت نے O.B. Starte کی قیادت میں ایک کمیٹی قائم کی جس کا مقصد پسماندہ طبقات کی نشاندہی کرنا اور انکی ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کی سفارش کرنا تھا۔1930ء میں پیش کردہ رپورٹ میں کمیٹی نے پسماندہ طبقات کو تین زمروں میں تقسیم کیا۔ 1) مظلوم طبقات'' 2) غیر مقامی، پہاڑی قبائیل اور 3) دیگر پسماندہ طبقات۔کمیٹی نے اس طبقات کے لئے حکومتی خدمات میں بھرتی اور تعلیم میں خصوصی سہولتیں فراہم کرنے کی سفارش کی۔

متحدہ صوبہ میں ہر چار نشستوں میں سے ایک برہمن کے لئے، ایک کائستھ کے لئے، ایک مسلمان کے لئے اور آخری نشست ان تین طبقات کے علاوہ کسی بھی دوسرے طبقہ کے لئے مختص کرنے کا طریقہ تھا۔تحفظات جواب تک صوبوں اور مقامی سطحوں تک محدود تھے پہلی بار 1932ء کے کمیونل ایوارڈ کے ذریعہ قومی منظر پر دکھائی دینے لگے۔انگریز اگرچہ 1932ء میں قومی سطح پر تحفظات کی پالیسی کو شروع کرنے کا اعلان کر چکے تھے' لیکن وہ انکی حکمرانی کے خاتمہ تک اس بات کا خیال رکھے کہ انکی ICS کی زعماء خدمات کو متاثر ہونے نہ دیا جائے۔اس نکتہ پر مضبوطی سے قائم رہے کہ انتظامات خدمات کا فولادی چوکھٹہ (ICS) جس پر کہ انکا ملک پر موثر و بہتر حکمرانی کے لئے انحصار تھا متاثر نہ ہونے

پائے۔ان عہدوں پرتحفظات کی مانگ کرنے والے گروہوں کوواضح طور پرکہا گیا کہ ’’وہ ان طبقات کی بہتری کی بڑی خواہش رکھتے ہیں لیکن حکومت انکی مدد کرنے میں بےبس ہے‘ تاوقتیکہ کہ وہ اپنے آپ کواپنے دیگر ہم وطنوں کی طرح نظم ونسق اورعوامی ذمہ داریوں کے لئے اہل نہیں بناتے‘‘۔[5]

عوامی خدمات میں عہدوں کومحفوظ کرنے کی ابتداء قانون سازی اوردیگرنمائندہ اداروں میں تحفظات کی پالیسی کوتوسیع دیتے ہوئے کی گئی۔اسکے علاوہ انتظامی اداروں میں داخلہ کے لئے ترجیحی سلوک اور نچے طبقے کےعوام کی معاشی ترقی کے لئے اصلاحی اقدامات سے کی گئی۔[6]

اس طرح ہندوستانی شاہی حکمرانوں اور برطانوی حکمرانوں کی جانب سے شروع کئے گئے یہ مثبت امتیاز کے پروگرام برطانوی حکمرانی کے اثرات کےتحت ذات کے روایتی نظام کی بدلتے حرکیات کے جواب میں تھے جنہیں انگریز حکمرانی نے جزوی طور پرتوازن طاقت کےاقدام اور جزوی طور پر پسماندہ طبقات کی جانب نظرکرم کےطور پر اختیارکیاتھا۔[7]

تحفظات کی پالیسی کی ضرورت

ہندوستان میں تحفظات کی پالیسی کوبہترطور پرذات کی ساخت کوسمجھتے ہوئے اس میں پنہاں عدم مساواتوں اور محروم پسماندہ ذاتوں کی جانب سے شروع کی گئی تحریکات کی جانچ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

ذات پات کی درجہ بندی The Caste Hierarchy

ہندوستانی سماج ممتاز اورمتنوع طرز زندگی رکھنے والے کئی گروہوں اورطبقات کواپنے اندرسموئے ہوئے ہے۔اونچی اورنچلی ذاتوں میں تقسیم اسکی ایک بری خصلت ہے۔اس لئے ہندوستان کےسماج کوخانوں میں بٹا سماج کہا جاتا ہے۔[8] محدودمعنوں میں ذات کا اطلاق بنیادی طور پر ہندوؤں پر ہوتا ہے جو ہندوستان کی آبادی کا85 فیصد ہیں۔ ذات پات کے نظام کی خصوصیات غیر ہندوگروہوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔اور یہاں پراصطلاح ’’ذات‘‘ کا اطلاق ہندواورغیر ہندوگروہوں پربھی ہوتا ہے۔ذات کی رکنیت وراثتاً ایک یا زائید پیشوں سے مربوط ہوتی ہے جنہیں اس

ذات کے اراکین پر تھوپا جاتا ہے۔ سماجی اختلاط کے معاملے میں چند ذمہ داریاں اور پابندیاں ذات کی درجہ بندی ورتبہ کے موقف کو طئے کرتی ہیں۔

Ghury اور Hulton نے تخمینہ لگایا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں دو یا تین ہزار ذاتیں یا ذیلی ذاتیں ہیں۔ ان داخلی شادیوں کے حامل ذات کے گروہوں کی آبادی سوؤں سے لیکر لاکھوں کے درمیان ہے۔ اس طرح کے گروہوں کا ایک درمیانی اوسط تخمینہ ہے کہ انکی تعداد 5000 اور 15000 کے درمیان ہوگی۔[9] ذات کے گروہ کی رکنیت عموماً پیدائشی ہوتی ہے جسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا' البتہ گروہ سے اخراج کی صورت میں یہ رکنیت ختم ہوتی ہے۔ اراکین عموماً اپنے گروہ میں ہی شادی کرتے ہیں' جس سے بہت زیادہ سماجی قربت پیدا ہوتی ہے۔ عموماً ذات کے باہر، خصوصا نچلی ذاتوں یا اچھوتوں کے ساتھ کوئی کھانا نہیں کھاسکتا۔ ایک ذات کے لوگ یکساں طرح کی زندگی پر عمل کرتے ہیں۔ ''انکی غذا، گھریلو روزمرہ کا عمل، لباس کا طرز اور مذہبی عمل یکساں ہوتا ہے۔ ذات کی مذہبی اظہار کی ممتاز شکلیں ہوتی ہیں' جن میں چند خداؤں، عبادتگاہوں اور طریقہ عبادت کی ترجیحات ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ انکے اپنے روزے اور دعوتیں ہوتی ہیں۔ چند تمدنی خصوصیات تمام یا زیادہ تر ذاتوں میں ایک جغرافیائی علاقہ میں یکساں ہوسکتی ہیں۔ لیکن دوسری تمدنی خصوصیات کسی ایک یا چند ذاتوں کے لئے ہی مخصوص ہوسکتی ہیں۔''[10]

اگرچیکہ زیادہ تر ذاتوں کے روایتی پیشے ہوتے ہیں' جنہیں پہلے چند ماہر کاریگر اپنائے تھے، لیکن آج ان پر زیادہ تر اراکین عمل کرتے ہیں۔ زراعت تمام گروہوں کا پیشہ ہے'۔ اکثر معاملات میں' ذات کی روایتیں چند پیشوں میں داخلہ کو روکتی ہیں جبکہ ذات کے جال کے روابط دوسروں کو بھی اس میں رسائی دیتے ہیں۔ خون کے بندھن، گروہی عادات واطوار' باہمی مدد وسہارے کا احساس اور آخر میں اپنے قوانین کی اطاعت کو حاصل کرنے کی کسی گروہ کی طاقت، ذات کو بناتی ہے۔ اکثر ذاتوں میں رسمی کونسل یا پنچایتیں تھیں جو ذات کے اراکین کے تنازعات کا تصفیہ کرتی ہیں اور دوسری ذاتوں سے تعلقات کو طئے کرتی ہیں۔ انکے فیصلوں میں سماج سے اخراج، مختلف قسم کے جرمانے، سماجی مقاطعہ جو بعض مرتبہ عارضی یا مستقل بھی ہوسکتا ہے ہوا کرتے تھے۔ حالیہ برسوں میں ذات کی رسمی تحدیدات اب خصوصا تعلیم یافتہ طبقہ میں ختم ہورہی ہیں' البتہ ذات کی رائے اور ذات سے وفاداری ابھی بھی ایک طاقتور منضبطی طاقت ہے۔[11]

مقامی ذات کی درجہ بندی میں تناسبی مقام وموقف کو تصوارتی طور پر ہندوسماج کی چار طبقات یا ''ورنا'' میں

نظریاتی تقسیم ہے۔اس نظریہ کے مطابق ہندوسماج برہمنوں کا طبقہ کشتر یا یعنی حکمران یا فوجی طبقہ، ویش۔سوداگروں، تاجروں اورزراعت کرنے والوں کا طبقہ،اورشودر۔کمترین وخدمتگار طبقہ پر مشتمل ہوتا ہے۔[12] ذات کی درجہ بندی میں سب سے نیچے ''اچھوت'' ذاتیں ہیں جنکا معاشی موقف سب سے کم ترین ہوتا ہےاور روایتی طور پر یہ سماجی وشہری عدم اہلیتوں کا شکار ہوتے ہیں۔[13]

ذات پات کےنظام کی ابتداءاور مذہبی جواز

Divine Origin and Sanction of Caste System

ذات کے نظام کے مقدس ابتداءکو ہندو مذہبی کتابوں میں مسلمہ حیثیت حاصل ہے۔رگ وید جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ 1000 ق۔م میں لکھی گئی ہے، میں چاروَرناؤں کا ذکر ہے جو پروشا سکتا سے اخذ کئے گئے ہیں۔رگ وید کے پروشا سکتی بھجن میں چتورونا (چاردرجاتی ذات کا نظام) کا حوالہ سب سے پہلے ملتا ہے،اس میں کہا گیاہیکہ چار ورنا۔ برہمن،اجنیا،(جنہیں بعد میں کشتریا کہا گیا)،ویش اورشودر، میں سے ہرایک پروشا کےجسم کےایک خاص حصہ سے وجود میں آتے ہیں۔اسطرح پروشا ''رب ہستی ہے'' اسکے مہنہ سے برہمن، دونوں ہاتھ سے اجنیا(کشتری) پیٹ سے ویش بنے،اور دوقدموں سے شودر پیدا ہوئے۔[14] تیترایا سمھیتا کے مطابق چتورورنا کی ابتداء خالق کے پیروں سے ہوئی ہے۔اسطرح ذات کی ابتداءکی تشریح مذہبی بنیاد پرکی گئی اوران طبقات کےفرائض وابستہ کا مذہبی جواز بھی دیا گیا ہے۔[15]

مندرجہ بالاسمہتا رگ وید میں تشریحی اضافوں کے ساتھ کہا گیاہیکہ ''برہمنوں کواعلیٰ اس لئے قرار دیا گیا ہے چونکہ انکی تخلیق منہ سے ہوئی ہے۔اجنیا طاقتور ہیں چونکہ انہیں طاقت وقوت کے ذریعہ تخلیق کیا گیا ہے۔ویش کھانے کیلئے ہیں چونکہ انکی تخلیق پیٹ سے کی گئی ہے۔شودر چونکہ قدموں سے تخلیق کئے گئے ہیں دوسروں کی خدمت کے لئے ہیں۔[16]

بھگوت گیتا کے مطابق ذاتوں کی چاردرجاتی تقسیم فرد کی فرائض کی انجام دہی کی بنیاد پر ہے۔گیتا میں کرشنا کہتے ہیں ''چاردرجاتی نظام میرا تخلیق کردہ ہے، جس کی بنیاد کام کے معیار پر ہے۔''[17] تمام ہندودھرم شاستر ذات کونظر

انداز کرے ہیں، جبکہ تمام پرانوں میں ذات کی موجودگی کو تسلیم کیا گیا ہے اور اسے سماج کا ایک مستقل نظام سمجھا گیا ہے۔[18]

دھرم شاسترا میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان اچھے کام کرے گا تو وہ اعلیٰ ذات میں تمام سہولتوں کے ساتھ پیدا ہوگا، لیکن اگر وہ خراب کام کرے گا تو وہ نچلی ذات میں یا ایک جانور، سور یا گدھا بن کر پیدا ہوگا۔[19]

تاریخی طور پر سماج میں کام کی تقسیم نے ذاتوں کو امیر اور غریب میں بانٹا ہے۔ کسان پیداوار کے عظیم تر وسائل کی ملکیت رکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ سیاسی طاقت بھی رکھتا ہے۔ اور وہ سماج میں مراعات یافتہ طبقہ بن جاتے ہیں۔ دوسرے طبقات محروم یا سماج کے غیر مراعات یافتہ طبقہ بن جاتے ہیں۔ کام کی تقسیم مراعات یافتہ ذات کو دوسرے محنت کش عوام کے استحصال کے قابل بناتی ہے۔ تمام دولتمند مساوی نہیں ہوتے اس لئے وہ ایک زمرہ میں نہیں آتے۔ یہی بات غریبوں پر بھی صادق آتی ہے۔ ان غریبوں کو روایتی طور پر شودر کہا جاتا ہے۔ ان کو وسیع طور پر دو حصوں ''پاک'' اور ''ناپاک'' یا انرواستا اور نرواستا یا شودرا اور اتی شودرا میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اتی شودرا طبقات ورنا نظام سے باہر ہیں اور انہیں اچھوت کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر زمرہ میں پر تیں ہیں۔ شودر میں کسانوں کی ذات ہے، ہنرمندوں کی ذات، اور خانہ بدوشوں کی ذاتیں ہیں۔ ''ورنا'' کے نظام میں کسی کا کیا مقام ہے یہ وقت اور مقام کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔[20]

کام کی تقسیم کی بنیاد پر درجہ بندی کو برتر ذاتوں پر مبنی مذہبی قانونی نظام نے جائز قرار دیا ہے۔ دھرم شاستر اور پرانوں میں پاک اور ناپاک کے درمین امتیاز کو زندگی میں اسکے جائے مقام سے جوڑا گیا ہے۔ چونکہ ذات کا نظام صدیوں سے جاری ہے، شودرا اور اتی شودرا جن سے نظریاتی طور پر یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ محنت کریں گے اور فاضل پیداوار کریں اور مراعات یافتہ ''دویجا'' ذاتوں کی خدمت کریں گے۔ اس طرح یہ طبقات تعلیمی فوائید معاشی مواقعوں اور سیاسی اقتدار سے محروم ہوگئے۔ یہ وہ اہم اجزاء ہیں جو انکے نچلے موقف کو جلاء دیئے جسکے نتیجہ میں وہ سماجی طور پر پسماندہ ہوگئے۔[21]

روایتی ذات پات کا نظام ماقبل آزادی کے دور میں بدلتے سماجی، سیاسی اور معاشی دائرہ میں نئے فرائض اور رخ میں ڈھلنے لگا۔ ذات پات کے ساخت کی روایتی عدم مساواتیں برطانوی حکمرانوں کی جانب سے شروع کردہ

جدیدیانہ کےعمل سے مزید تیز ہوئیں۔تعلیم، روزگار اور سیاسی عہدوں پر اعلیٰ ذاتوں خصوصاً جنوبی ہندوستان میں اپنی روایتی مراعات کی مدد سے غلبہ حاصل کر لئے۔ جسکے نتیجہ میں، خاصکر جنوبی ہند میں روایتی ذات کی درجہ بندی میں نچلے رتبہ کی وجہ سے مواقعوں سے استفادہ نہیں کر پانے والے پسماندہ طبقات نے احتجاجی تحریکات شروع کئے۔[22]

شمال اور جنوب دونوں ہی جگہوں پر سیاسی میدان میں پسماندہ ذات کے زعماء سیاسی جماعتوں، اسمبلیوں کابینہ اور عوامی اداروں میں سیاسی عہدوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ اسکے ساتھ ساتھ وہ سرکاری ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں تحفظات کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالنے لگے۔ مختلف پسماندہ ذاتیں خصوصاً ان میں پائی جانے والے اعلیٰ طبقات اور ذات کے خطوط پر عہدوں کے لئے علاحدہ جدوجہد کا آغاز کئے۔ بعد میں یہ سب پسماندہ طبقہ کے پرچم تلے یکجا ہوئے اور نچلے پسماندہ ذاتوں کا ساتھ لیکر سیاسی میدان میں تائید کے لئے جدوجہد کئے۔[23] اس طرح کی پہلی وسیع تر تحریک کو مدراس پریسڈنسی کے غیر برہمنوں نے شروع کیا تھا۔

تحفظات کے لئے پسماندہ طبقات کی تحریک

The Backward Classess Movement For Reservation

سابقہ مدراس پریسڈنسی میں ٹامل اور تلگو برہمنوں کی تعلیم میں برتری سب پر عیاں ہے۔ صدی کے ختم تک ٹامل برہمنوں میں مردوں میں خواندگی کی شرح 73.6% تھی، جبکہ ویلالاس (Vellalas) میں صرف 6.9% تھی۔ جبکہ ٹامل برہمن مردوں میں انگریزی خواندگی کی شرح 17.9% تھی ویلالاس میں 0.19% تھی۔ برہمن حکومتی خدمات اور دیگر پیشوں میں اپنی اجارہ داری کو قائم کر چکے تھے۔ 1851ء میں مدراس ریونیو بورڈ نے ضلع کلکٹروں کو ہدایت دی تھی کہ حکومتی خدمات میں برہمنوں کے داخلہ پر پابندی لگادیں۔ اسکے باوجود برہمنوں کا غلبہ اسی طرح جاری رہا۔ صوبائی کانگریس کمیٹی میں بھی انہی ذاتوں کا غلبہ تھا۔

مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات اور دوعملی (دیارکی) کے نتیجہ میں غیر برہمن زعماء ذاتیں South Indian Liberal Federation اور بعد میں 1916 میں جسٹس پارٹی (Justice Party) کو قائم کیں۔ 1920ء میں اقتدار میں آنے کے بعد اس جماعت نے 1881ء کے احکام میں توسیع لائی اور کہا کہ تمام سربراہان محکمہ جات کے لئے

ضروری ہے کہ وہ تمام درجوں کے تقررات کو تمام طبقات یا برادریوں میں تقسیم کریں۔ اسطرح فرقہ وارانہ حکومتی احکام (G.O) کے ذریعہ تاریخ میں پہلی مرتبہ مدراس میں مختلف زمروں کیلئے عہدوں کو الگ الگ محفوظ کرنے کے لئے 1927ء میں احکامات جاری کئے گئے۔[24] تحفظات کی یہ اسکیم 1947ء تک جاری رہی۔ اس اسکیم سے بری طرح متاثر ہونے والے برہمن عددی طور پر کم ہونے کی وجہ سے کوئی مزاحمت نہ کرسکے۔ برہمن نوجوانوں یہ محسوس کرتے ہوئے کہ 1927ء کے احکام سے انکے مواقع کم ہوگئے ہیں دیگر میٹروپالیٹن شہروں خصوصاً بمبئی کو ہجرت کرنے لگے۔ اس جی او سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملازمتوں میں درج فہرست ذاتوں کی تعداد انکی آبادی کے حصہ کے مقابلہ میں بہت کم یعنی صرف 8% ہی تھی۔ چنانچہ مدراس صوبہ میں راجہ جی کی قیادت میں بننے والی پہلی کانگریس وزارت نے اس جی او کو ہاتھ نہیں لگایا۔[25] ریاست مدراس کے ٹامل علاقوں میں 1927ء کے جی او سے ویلالا ذاتوں خاص طور پر مدلیار طبقہ کو کامیابی ملی۔ ان ذاتوں نے جسٹس پارٹی کو قیادت فراہم کی تھی۔ اگرچیکہ اس میں غیر برہمن ذاتوں کے قائدین بھی تھے۔ زیادہ تر پارٹی کے قائدین زمین دار ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے اور وہ دوسرے بے زمین ذاتوں کو شامل کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ 1930 کے دہے تک انصاف پارٹی اپنے تاریخی مقصد کو زمینداروں کے مفادات کی جانب سے خصوصاً حکومتی ملازمتوں اور تعلیم میں محرومی کے احساس کو کم کرنے میں کامیاب ہوئی۔

اسی دوران کانگریس میں برہمنوں کے غلبہ سے ناراض اور گاندھی جی کے ''ورنا'' نظام کی تائید سے پریشان ای وی راما سوامی نے 1925ء میں کانگریس پارٹی کو خیر باد کہا اور عزت نفس کی تحریک شروع کی۔ 1939ء تک نائیکر علاحدہ دراوڑستان کا مطالبہ کرنے لگے۔ 1944ء میں جسٹس پارٹی کو دراوڑا کا زگم میں تبدیل کیا گیا۔ جو نہ صرف مخالف برہمن، مخالف شمال، مخالف ہندی نظریات کی حامل تھی بلکہ علاحدہ قومیت کی حامی بھی تھی۔ 1947ء میں فرقہ وارانہ جی او 1927ء پر نظر ثانی کی گئی۔ 1947ء کا جی او تاریخی تھا چونکہ پہلی مرتبہ غیر برہمن ذاتوں کو غیر برہمن ہندو اور غیر برہمن پسماندہ ہندو میں تقسیم کیا گیا تھا۔ غیر برہمن ہندو جو اعلیٰ ذات کے ویلالا، نائیڈو، چھتیار، ریڈی وغیرہ ذاتیں اس تقسیم پر کوئی اعتراض یا ناراضگی کا اظہار نہیں کئے چونکہ انہیں ملازمتوں میں 43% تحفظات حاصل تھے۔

نئے دستور کو اپنانے کے بعد سپریم کورٹ نے Compartmental تحفظات کو کالعدم کردیا۔ چنانچہ 1951ء میں ایک نئے احکام کے ذریعہ 1947 کی اسکیم کو اس طرح سے تبدیل کردیا کھلی مسابقت میں 60%'

پسماندہ طبقات کے لئے' 25%، درج فہرست ذاتوں کے لئے 15% فیصد تحفظات دیئے گئے۔ درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کی آبادی کو شمار کرتے ہوئے اور آندھرائی علاقے کی علاحدگی کے بعد حکومت مدراس نے 1954ء میں نئی اسکیم لاگو کی جو اس طرح تھی: کھلی مسابقت میں 59%' پسماندہ طبقات کیلئے 25 % اور درج فہرست ذاتوں وقبائیل کیلئے 16% تحفظات رکھے گئے۔ غیر برہمن اعلیٰ ذاتیں جو دودھ سے قبل غیر برہمن تحریک کے لئے قیادت فراہم کی تھیں اب کھلی مسابقت میں برہمنوں کے ساتھ مسابقت کے لئے مجبور ہو گئے اس کے باوجود غیر برہمن اعلیٰ ذاتوں میں کوئی ردعمل پیدا نہیں ہوا۔ چونکہ اب غیر برہمن اعلیٰ ذاتیں سیاست اور خدمات میں اپنے فوائید حاصل کر چکے تھے۔ اس اسکیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس نے تمام بڑے طبقات یا ذات کے گروہوں کو ٹامل ناڈو میں اعلیٰ اور پسماندہ طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ درج فہرست ذاتیں جو عیسائی بن گئے تھے پسماندہ قرار دیئے گئے جبکہ دوسرے عیسائی اعلیٰ ذات کے قرار دیئے گئے۔ لبّی اور دکنی مسلمانوں کو پسماندہ قرار دیا گیا جبکہ اردو بولنے والوں کو اعلیٰ سمجھا گیا۔ یہی بات دوسری ذاتوں کے ساتھ بھی تھی۔ [26]

برطانوی دور میں درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے لئے تحفظات

Reservation for SC's and ST's in British India

درج فہرست ذاتوں کا تصور سب سے پہلے قانون حکومت ہند 1935 میں استعمال ہوا جنہیں وسیع طور پر ''اچھوت'' کہا جاتا تھا۔ اچھوت کو سرکاری طور پر ''مظلوم طبقات'' (Depressed Classes) بھی کہا جاتا تھا جنکا ذکر 1921ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں کیا گیا تھا لیکن انکی کوئی تعریف نہیں کی گئی تھی۔ لیکن قانون حکومت ہند 1935ء کے نفاذ کے بعد ''مظلوم طبقات'' کو درج فہرست ذاتیں کہا جانے لگا۔ [27] حکومت ہند نے 1936ء میں درج فہرست ذاتوں کے احکام جاری کئے جس میں چند ذاتوں، نسلوں اور قبائیل کی شناخت کی گئی تھی۔ آزادی کے بعد 1950ء میں دستور ہند کی دفعہ 341 کے تحت مذکورہ فہرست پر نظر ثانی کی گئی۔ اس فہرست میں ذاتوں کی شمولیت کے لئے نسل کی خالصیت کے تصور پر مبنی استحصال کی وجہ سے پیدا ہونے والی تعلیمی اور معاشی پسماندگی کو کسوٹی بنایا گیا۔ ان گروہوں کو 1950ء میں خصوصی سلوک کیلئے حکومت ہند کے جدول کی فہرست میں بتایا گیا ہے۔ اس طرح ان گروہوں

کو ''درج فہرست ذاتیں کہا جانے لگا''۔[28]

قانون حکومت ہند1935ء میں کہا گیا کہ ''درج فہرست ذاتوں'' سے مراد وہ ذاتیں،نسلیں،قبائیل یا ذاتوں کے اندر گروہوں کے حصے،نسلیں، یا ذاتیں یا انکے حصے جو ہز میجسٹی کونسل میں افراد کے وہ طبقات جنہیں سابق میں ''مظلوم طبقات'' کے نام سے جانا جاتا ہے ۔درج فہرست ذاتوں سے مراد Indian Statutory Commision 1930 جسے سائمن کمیشن بھی کہا جاتا ہے کے مطابق ''اچھوتوں کی وہ آبادی ہے جو برطانوی ہند کے مختلف صوبوں میں8% سے26.5% ہیں۔[29]

آزادی کے بعد سیاسی' سماجی اور تعلیمی تحفظات

آزادی کے وقت اعلیٰ ذاتیں جملہ آبادی کا صرف 17.6% تھے۔جبکہ ذات کے نظام کے سب سے نیچے درج فہرست ذاتیں اورقبائل تھے جو آبادی کا25 فیصد تھے۔ان دو ذاتوں کے درمیان ایک ہزار تا چار ہزار ذاتیں تھیں جنہیں دیگر پسماندہ طبقات (OBC) کہا جاتا تھا جو آبادی کا 43.7 % تھے۔[30]باقی ماندہ آبادی مذہبی اقلیتوں کی تھی۔

دستور ساز اسمبلی نے مظلوم طبقات اور دیگر پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے مختلف اقدامات پر غور کیا۔ابتداء میں دستور میں تحفظات صرف پسماندہ ذاتوں اور قبائیل کو دیئے گئے تھے جنہیں دیگر پسماندہ ذاتوں تک توسیع دی گئی۔

دستور میں درج فہرست ذاتیں Scheduled Castes in the Constitution

دستور نے درج فہرست ذاتوں کی تعریف متعین کرنے کے بجائے صرف درج فہرست قرار دینے کے طریقہ کار کو بتایا ہے۔دفعہ (1)341 میں کہا گیا ہے:''کسی ریاست یا مرکزی زیر انتظام علاقہ کے لئے عوامی اعلامیہ کے ذریعہ گورنر کے مشورہ کے بعد صدر کے ذریعہ اس ریاست یا مرکزی زیر انتظام علاقہ کے ذاتوں،نسلوں، یا قبائیل کو درج فہرست قرار دیا جاسکتا ہے''۔ایک مرتبہ اعلان کرنے کے بعد اس فہرست میں تبدیلی صرف پارلیمنٹ کے قانون سے ہی ہوسکتی ہے۔[31]درج فہرست ذاتوں کے متعلق ایک صدارتی حکمنامہ 1950ء میں جاری کیا گیا جو بنیادی طور پر

1936ء کی فہرست ہی کی دوبارہ پیشکش تھی۔اس فہرست میں جو بڑا اضافہ تھا وہ چار سکھ ذاتوں کی اس میں شمولیت اور ان علاقوں کو اس فہرست میں شامل کرنا جنکا ذکر پہلے نہیں تھا۔[32] مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں کی دفعہ 46 میں خاص طور پر یہ کہا گیا ہے کہ ''سماج کے کمزور طبقات میں' خصوصاً درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے تعلیمی و معاشی مفادات کے لئے مملکت مخصوص اقدامات کرسکتی ہے۔اس طرح دستور کی دفعہ 330 اور 332 میں کہا گیا ہے کہ ان طبقات کو لوک سبھا (دفعہ 330) اور ریاستی اسمبلیوں (دفعہ 332) میں مختلف ریاستوں میں انکی آبادی کے تناسب سے تحفظات حاصل ہونگے۔دفعہ 338 کے مطابق صدر جمہوریہ ہند ایک خصوصی عہدیدار کا تقرر کریں گے جو ان تحفظات سے متعلق تحقیق کرے گا اور صدر کو رپورٹ دیگا۔اس رپورٹ کو صدر پارلیمنٹ میں پیش کروائیں گے۔

دفعہ 338 کے تحت درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے لئے ایک کمیشن قائم کی گیئی۔اس میں ترمیم کرتے ہوئے دفعہ 338A کو شامل کیا گیا جسکے تحت درج فہرست قبائلوں کے لئے ایک علیحدہ کمیشن قائم کی گئی ہے۔اسکے علاوہ مرکز اور ریاستوں میں درج فہرست ذاتوں اور قبائلوں کی فلاح و بہبودی کے لئے وزارتیں بھی قائم کئے گئے ہیں۔

درج فہرست ذاتوں کے لئے تحفظات کی پالیسی

Reservation Policy for Scheduled Caste

دستور میں تحفظات کی اسکیم کے تین بڑے اجزاء ہیں۔(I) حکومتی تقررات میں تحفظات' (II) تعلیمی اداروں میں داخلہ کے لئے تحفظات' اور (III) لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں میں تحفظات۔اس کے علاوہ عموماً 15% نشستیں (آبادی کے تناسب سے) درج فہرست ذاتوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ کیلئے پبلک اور رہائشی اسکولس، پیشہ وارانہ کالجس جیسے میڈیکل، انجینئرنگ اور IITS اور ITI اور جامعات کے داخلوں میں محفوظ کی جاتی ہیں۔

تعلیمی ترجیحات کے تحت پری پرائمری اور پرائمری سطحوں پر ریاستوں نے مختلف اقدامات اپنائے ہیں' جیسے: کتابوں کی فراہمی یا کتابوں کے لئے امداد، تعلیمی آلات کی فراہمی، خصوصی ہوسٹل، دوپہر کا کھانا، اسٹائیفنڈ، یونیفارمس وغیرہ فراہم کئے جارہے ہیں۔

دستور کی دفعہ 16 (4) ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہ رکھنے والے پسماندہ طبقات کے حق میں تحفظات کی اجازت دیتی ہے۔ درج فہرست ذاتوں قبائیل کو کل ہند بنیادوں پر راست بھرتی میں کھلی مسابقت کے ذریعہ بالترتیب 15% اور 7.5% تحفظات حاصل ہیں۔ درج فہرست ذاتوں اور قبائل کو تمام گروپس میں اور تمام درجوں میں ترقی کے لئے بھی تحفظات دستیاب ہیں۔[33]

ملازمتوں میں عام راست بھرتی کے لئے درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے امیدواروں کے لئے پانچ سال کی چھوٹ (عمر میں) ہوگی۔ کسی بھی امتحان میں داخلہ کے لئے ان امیدواروں کو عام امیدواروں کے مقابلہ میں صرف ایک چوتھائی فیس ہی ادا کرنی ہوگی۔ درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے امیدواروں کو متعلقہ وزارت مناسب سمجھے تو درکار تجربہ کی چھوٹ دے سکتی ہے۔ تمام درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے امیدواروں کے انٹرویو عام امیدواروں کے انٹرویو سے الگ ہونگے، جس سے سلیکشن کمیٹیوں کو چھوٹ کے معیارات کے مطابق درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے امیدواروں کے ساتھ انصاف کرنے میں مدد ملے گی۔[34]

اس طرح پارلیمنٹ اور ریاستی مقنّنہ میں بھی تحفظات کے ذریعہ نشستیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ تازہ ترین موقف کے مطابق 542 میں سے 79 نشستیں لوک سبھا میں اور تمام ریاستوں کی مقنّنہ کے 3997 نشستوں میں سے 541 نشستیں ان کے لئے محفوظ ہیں۔ ابتداء میں سیاسی تحفظات صرف دس سال کے لئے تھے، لیکن بعد میں دستوری ترمیمی قانون 1959 کے نتیجہ میں ان تحفظات کو مزید دس سال کے لئے بڑھایا گیا۔ تب سے ہر دس سال کے بعد دستور میں ترمیم کے ذریعہ اس میں توسیع دی جارہی ہے۔[35]

درج فہرست قبائل The Scheduled Tribes (STs)

درج فہرست ذاتوں کے مقابلے میں درج فہرست قبائل کی شناخت آسان ہے کیونکہ قبائلی علاقوں میں رہنے والے تمام لوگوں کو چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں درج فہرست قبائل قرار دیا گیا ہے۔ درج فہرست قبائل کے معاملہ میں عام بات یہ ہے کہ ان میں وہ گروہ شامل ہیں جنہیں ''قبائلی خصوصیات'' کی وجہ سے امتیاز کیا جاسکتا ہے اور یہ عام آبادی سے الگ تھلگ مقامات پر علاحدہ تمدن کے ساتھ رہتے ہیں۔ انگریزوں نے ان ''اصلی'' عوام کو انکے

علاقوں میں محفوظ رکھنے کی کوشش کی اور ایسی پالیسی اپنائی جس سے وہ حوصلہ شکن روابط اور استحصال سے بچ سکیں۔ 1935 کے قانون میں پہلی مرتبہ مقنّنہ میں ''پسماندہ قبائیل'' کی نمائندگی کے لئے دفعات اور 1936ء میں پسماندہ قبائیلی کی فہرست کا قانونی اعلان کیا گیا۔ 1941ء کی مردم شماری میں قبائل آبادی کو 25.4 ملین بتایا گیا تھا' جوکہ جملہ آبادی کا 6.58% تھے۔[36]

دستور ہند میں درج فہرست ذاتوں کے ساتھ درج فہرست قبائلوں کو بھی تعلیم، ملازمتوں اور قانون ساز اداروں میں تحفظات فراہم کئے گئے ہیں۔ مرکزی سطح پر انہیں 7.5 فیصد تحفظات دیئے گئے ہیں جبکہ ریاستوں میں ان کی آبادی کے مطابق متناسب نمائندگی دی گئی ہے۔ اسکے علاوہ درج فہرست قبائل کی حفاظت اور انکی معاشی تعلیمی ترقی، صحت اور مواصلات کے لئے بھی کئی اسکیمات بنائے گئے ہیں۔ قبائیلی امیدوار تحفظات سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں کر پائے۔ اس لئے بہت سی نشستیں خالی رہ جاتی ہیں۔ قبائل تحفظات سے محرومی کے ازالہ کے لئے قانونی چارہ جوئی کا بھی بہت کم استعمال کیا ہے اس لئے تحفظات کو لیکر درج فہرست ذاتوں اور پسماندہ طبقات کے مسائل کے مقابلے میں درج فہرست قبائل کے مسائل کم ہیں۔[37]

دستور میں دیگر پسماندہ طبقات Backward Classes in the Constition

دستور ترجیحات کیلئے اہل لوگوں کی شناخت پسماندہ افراد یا خاندانوں یا ذاتوں، مذہبی طبقات، پیشہ وارانہ یا علاقائی گروہوں کی طرح نہیں کرتا بلکہ ان کو ''پسماندہ طبقات'' (Backward Classes) کہتا ہے۔ یہ ''طبقات'' نہ تو معاشی طبقات تک محدود ہیں اور نہ ہی جدید سماجی علوم میں مقبول عام طبقات ہیں۔[38]

دستور ساز اسمبلی میں جسٹس سپاراوَ نے ''پسماندہ طبقات'' کی تعریف اس طرح کی تھی قابل شناخت افراد کا گروہ ہے جسکی بنیاد ذات، مذہب، نسل، زبان، پیشہ اور دوسری باتوں پر ہے جو انسانی وجود کے مختلف پہلوؤں سماجی، تمدنی، معاشی، سیاسی اور ایسی دوسری متعینہ خصوصیات رکھتا ہے۔[39]

اسی طرح پسماندہ طبقات کی تعداد کے متعلق کوئی یکسانیت یا ایک بات نہیں ہے۔ پسماندہ طبقات افراد کا ایک بڑا اور مخلوط زمرہ ہے جنکے حدود غیر واضح اور لچکدار ہوتی ہیں۔ مجموعی طور پر وہ ملک کی جملہ آبادی کا ایک تہائی ہیں۔

ہندوستان کی دوتہائی یا اس سے زائید آبادی بہت ہی پسماندہ ہے جو ناخواندہ اور بہت زیادہ غربت میں رہ رہی ہے۔ بعض ذاتوں، قبیلوں اور نسلوں میں انکے اس موقف اور حالت کو پیدائشی بتایا گیا ہے۔ انکے مسئلہ کو صرف ہندوستانی سماج کی بنیادی خصوصیات کی اصطلاحوں میں سمجھا جاسکتا ہے جو خود کے اپنے مراعات، عدم اہلیتوں کے ساتھ غیر مساوی رتبوں کے گروہوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اصطلاح ''طبقہ'' مناسب نہیں ہے' چونکہ یہ اصطلاح معاشی درجہ بندی سے جڑی ہے اور ایک کھلے رتبہ کے گروہ کو بتاتی ہے۔ اسکے برعکس، ہندوستان میں پسماندہ طبقات بند رتبہ کے گروہ کے مجموعہ کو بتاتی ہے۔ اور وہ ان گروہوں سے پیدائش سے جڑے ہوتے ہیں انفرادی معاشی خصوصیت کی وجہ سے نہیں۔[40]

خود دستور میں پسماندہ گروہوں کی تعریف نہیں کرتا اور نہ ہی وہ ان معیارات کی تفصیل بتاتا ہے جنکے ذریعہ انکا تعین کیا جاسکتا ہے۔ درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے معاملوں میں دستور ایک ایجنسی اور انکی شناخت کے طریقہ کار کو بتاتا ہے۔ دستور میں نہ صرف پسماندہ طبقات کا کوئی تعین نہیں ہے بلکہ ان کی شناخت اور تعین کے لئے کوئی ایجنسی اور نہ ہی کوئی طریقہ کار ہے۔[41] دستور میں اگرچیکہ ''پسماندہ طبقات'' کی کوئی تعریف نہیں کی گئی ہے تاہم دستور میں یہاں وہاں پسماندگی کی خصوصیات بتائی گئی ہیں اور بعض مرتبہ انکے زمروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ دفعہ 15(4) سماجی اور تعلیمی پسماندہ طبقات کا ذکر کرتا ہے۔ دفعہ 16(4) پسماندہ طبقہ کی اصطلاح کو استعمال کرتا ہے اور سرکاری ملازمتوں میں انکی ناکافی نمائندگی کے متعلق ذکر بھی کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ 340 مملکت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ پسماندہ طبقات کے حالات کی تحقیق کرے اور انکو اوپر اٹھانے کے اقدامات کرے۔ دفعہ 340(1) کہتی ہے: ''صدر ایک کمیشن کو اتنے اراکین پر مشتمل جتنے وہ ضروری سمجھتے ہیں' ہندوستان کے رقبہ میں سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے حالات کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن کا تقرر کرسکتے ہیں۔[42]

پسماندہ طبقات عوام کا وہ زمرہ ہیں جنہیں زیادہ تر سرکاری طور پر مختلف تناظر میں خصوصی مسلمہ حیثیت دی گئی ہے۔ ہر پیچیدہ سماج میں بے شک ایسے افراد ہوتے ہیں جنہیں معاشی یا تعلیمی طور پر پسماندہ سمجھا جاتا ہے' ایسے لوگوں کا سماجی رتبہ بھی کم ہوتا ہے۔ تاہم' ہندوستانی تناظر میں جسے پسماندگی سمجھا جاتا ہے اسکی کئی ممتاز خصوصیات ہیں۔ پہلے یہ کہ'

پسماندگی کو ایک فرد نہیں بلکہ واضح طور پر متعین سماجی گروہ کو سمجھا جاتا ہے جسکی رکنیت پیدائشی ہوتی ہے۔ اسطرح نظریاتی طور پر پسماندہ طبقات میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تعلیمی اور معاشی طور پر بہت زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ پسماندہ طبقات کی رکنیت کے نتیجہ میں کوئی فرد حکومت کی طرف سے دی جانے والی چند رعایتوں اور مراعات کا اہل ہو جاتا ہے۔[43]

دیگر پسماندہ طبقات (OBCs) کی اصطلاح درج فہرست ذاتوں اور قبائیل خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش طبقات سے ہٹ کر باقی بچنے والے پسماندہ طبقات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ OBCs کو تعلیمی وسماجی پسماندگی کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہوئے ترجیحی سلوک کیا جاسکتا ہے۔ بنیا (Bania) جیسے معاشی طور پر خوشحال طبقات پسماندہ نہیں کہلا سکتے چاہے وہ ذات کی نچلی درجہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح سے تعلیمی طور پر ترقی یافتہ شودر طبقات جیسے کائستھ ترجیحی سلوک کے فوائید کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ بنیا معاشی خوشحالی کی وجہ سے آگے (Forward) ہیں اور کائستھ تعلیمی بہتری کے باعث آگے ہیں۔[44]

پسماندہ طبقات کا تعین درج فہرست ذاتوں اور قبائل کی طرح قومی سطح پر نہیں بلکہ ریاستی سطح پر کیا گیا ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ کتنے لوگوں کو پسماندہ طبقات کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے۔ 1951ء کی نامکمل مردم شماری کے مطابق 67 ملین (جملہ آبادی میں 18.9% آبادی) آبادی پسماندہ طبقات سے تعلق رکھتی تھی۔ جسکی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 3.1: دیگر پسماندہ طبقات کی آبادی کا تخمینہ (1950 کی ابتداء میں)

	1951 Census (Population in Lakhs)					Backward Classes Commission	
State	Total Population	Enumerated Pop. Of OBC	% of Enum. Of	Estimated Pop. Of OBC	% of Est. to Total Pop	Estimated pop. of OBC	%of Est. to Total Pop.
Assam	90.44	18.84	20.8	26.15	28.9	28.66	31.7
Bihar	402.26	62.76	15.6	66.90	16.6	153.21	38.1
Bomb ay	359.56	44.90	12.5	16.13	4.5	110.10	30.6

Madhya Pradesh	212.48	66.48	31.3	56.04	26.4	79.03	37.2
Madras and Andhra	370.16	197.16	34.6	263.95	46.3	126.81	22.2
Orissa	146.46	41.73	28.5	15.85	10.8	13.56	9.3
Punjab	126.41	N.A	N.A	7.89	6.2	25.56	20.2
Uttar Pradesh	632.16	41.51	6.6	41.51	6.6	269.10	42.6
West Bengal	248.10	13.59	5.5	1.81	0.7	22.66	9.1
Hyderabad	186.55	94.13	50.5	122.85	65.9	137.66	73.8
Madhya bharat	79.54	13.68	17.2	13.25	16.7	19.37	24.4
Mysore	90.75	17.53	19.3	20.62	22.7	59.64	65.7
P.E.P.S.U	34.94			3.79a	10.8	4.42	12.7
Rajasthan	152.91	32.16	21.0	34.30a	22.4	34.31	22.4
Saurashtra	41.37	15.78	38.1	11.06	26.7	12.16	29.4
Travancore Cochin	92.80	4.16	4.5	2.85	3.1	9.12	9.8
Ajmer	6.93	0.35	5.1	0.35	5.1	2.98	42.9
Bhopal	8.36	1.25	14.4	1.35	13.5	2.98	35.2
Himachal Pradesh & Bilaspur	11.09			2.38a	21.4	3.15	28.4
Coorg,	2.29	0.69	30.3	0.68	29.7	0.64	27.8
Delhi	17.44	N.A	N.A	2.14a	13.8	3.18	18.2
Kutch	5.68	0.01	0.2	1.08	19.0	2.01	35.4
Manipur	5.78					0.35	6.1
Tripura	6.39	0.30	4.7	4.12	64.5	0.69	10.1
Vindhya Pradesh	35.75	7.40	20.7			13.56	38.5
Andaman & Nikobar	0.30	-	-	-	-	-	-
India	3568.29	674.39	18.9	730.01	20.5	1135.10	31.8
Source:Marc Galanter, Competing Equalities: Law and Backward Classes in India							

منصوبہ بندی کمیشن کے تخمینے کے مطابق جولائی 1951ء میں دیگر پسماندہ طبقات آبادی کا تقریباً20 فیصد تھے، لیکن 1952ء میں یہ نوٹ کیا گیا کہ ''یہ دیگر پسماندہ طبقات تقریباً 54.6 ملین ہیں''۔ دوسروں کے نزدیک یہ فہرست قدرے چھوٹی ہے لیکن صدر جمہوریہ نے پسماندہ طبقات کمیشن کے سالانہ اجلاس سے مخاطب کرتے ہوئے پسماندہ طبقات کو تقریباً70 ملین بتایا ہے۔

قانونی حکومت ہند 1935ء کی روشنی میں درج فہرست ذاتوں وقبائیل کی نشاندہی نسبتاً آسان ہے۔ لیکن دیگر پسماندہ طبقات OBCS کی نشاندہی مسائل سے دوچار رہے۔ برطانوی حکمرانی میں غیر اچھوت ذاتوں کی شناخت پسماندہ طبقات کے طور پر مختلف صوبوں اور ریاستوں میں مختلف وقتوں میں حکومتی احکامات کے ذریعہ کی گئی تھی۔ لیکن آزادی کے بعد خصوصاً مغربی اور جنوبی ہندوستان کی ریاستی حکومتیں خصوصی طور پر مقرر کردہ کمیشنوں کے ذریعہ دیگر پسماندہ طبقات کی شناخت کیں۔ لیکن کل ہند سطح پر صدر جمہوریہ کی جانب سے مقرر کردہ کمیشن کی جانب سے دیگر پسماندہ طبقات کی شناخت کیا جانا ہے۔ برطانوی نظم ونسق میں استعمال کی گئی دیگر پسماندہ طبقات (OBCS) کی اصطلاح نہ صرف جاری رہی بلکہ وقتاً فوقتاً عدالتوں نے اس کو صحیح قرار دیا۔[45]

دیگر پسماندہ طبقات (OBCs) کی شناخت: کالیکر اور منڈل کمیشن

Identification OBCs: Kalekar Commission and Mandal Commission

آزادی سے قبل تک دیگر پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات کی کوئی اسکیم نہیں تھی۔ سماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ طبقات (SEBCs) استفادہ کنندگان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ تکثیری گروہ ہے، جن کے حدود غیر واضح اور لچکدار ہیں۔ یہ متوسط ذاتیں ''دوبار پیدا ہونے والے'' (دویجا) اعلیٰ ذاتوں اور اچھوتوں کے درمیان ہیں۔ دستور ان کی نہ تو کوئی تعریف کرتا ہے اور نہ ہی انکی شناخت کی کوئی کسوٹی بناتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں OBCs کے لئے مرکوز تحفظات کی کوششیں نیم دلانہ اور غیر مسلسل رہیں۔ البتہ جنوبی ہند میں پسماندہ طبقات کی جانب سے شروع کی گئی تحریکات کی وجہ سے دیگر پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات ماقبل آزادی سے ہی جاری ہیں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ قومی سطح پر

OBCs کی موجودگی آزادی کے ابتدائی برسوں سے ہی ہے۔ منڈل کمیشن کا قیام پسماندہ طبقات اور معاوضاتی امتیاز کی تاریخ میں ایک نیا آغاز ہے۔ دستور کی دفعہ 340 (OBCs) میں دیگر پسماندہ طبقات کی شناخت کے لئے کمیشن قائم کرنے کی بات کہی گئی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ صدر حکمنامہ کے ذریعہ اتنے افراد مشتمل جیسے وہ ضروری سمجھیں کمیشن مقرر کر سکتے ہیں جو ہندوستان کے رقبہ میں سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی تحقیق کرے گا اور ان حالات کا بھی جائزہ لے گا، جس میں وہ کام کرتے ہیں اور مرکز اور ریاستوں کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات اور دی جانے والی امداد کے متعلق سفارشات دے گا۔ یہ حکمنامہ کمیشن کی جانب سے اپنائے جانے والے طریقہ کار کا بھی تعین کرے گا۔

2۔ اس طرح سے مقرر کردہ کمیشن اس سے رجوع کئے جانے والے معاملات کی تحقیق کرے گا اور حقائق کو طئے کرتے ہوئے رپورٹ صدر کو دے گا اور جو وہ ضروری سمجھے سفارشات پیش کرے گا۔

3۔ صدر رپورٹ پر لئے جانے والے اقدامات کی یادداشت کے ساتھ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں پیش کرے گا۔[46] اس دفعہ کے تحت آزادی کے بعد پسماندہ طبقات کمیشن قائم کئے گئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کاکا صاحب کالیلکر کمیشن Kaka Saheb Kalekar Commission

آزادی کے بعد ہی مرکزی حکومت نے OBCs کا تعین کرنے اور انکی ترقی کیلئے خصوصی اقدامات کرنے کی کوشش کی ہے۔ دفعات 15(4) اور 16(4) میں SEBCs کی ترقی کے اقدامات کیلئے کہا گیا۔ اس مقصد کے لئے صدر جمہوریہ نے دفعہ 340 کے مطابق پسماندہ طبقات کمیشن کا تقرر کیے۔ پہلے کمیشن کے چیرمین مسٹر کاکا صاحب کالیکر تھے۔ اعلامیہ میں کمیشن کے ذمہ حسب ذیل امور تھے۔

(الف) ہندوستان کے رقبہ میں آبادی کا کوئی طبقہ سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ ہے یا نہیں طئے کرنے کے لئے کسوٹی کا تعین کرنا اور اس کسوٹی کے مطابق اس طرح کے طبقات کی فہرست تیار کرنا اور انکی تعداد و علاقائی تقسیم کو طئے کرنا۔

(ب) سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے حالات اور انکی مشکلات جس میں کہ وہ کام کرتے ہیں کی تحقیق کرنا۔

(ج) انکی مشکلات کو دور کرنے یا ان کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے مرکز اور ریاست کی جانب سے لئے جانے

والے اقدامات کے لئے سفارشات پیش کرنا۔[47]

18/مارچ 1953ء کو صدر جمہوریہ نے اس کمیشن کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے صدر جمہوریہ اور وزیرآعظم نے امید ظاہر کی کہ کمیشن کی محنتوں سے ایک غیر طبقاتی سماج کی راہ ہموار ہوگی۔ وزیرآعظم ''پسماندہ'' طبقات کی اصطلاح کو ناپسند کیا اور کہا کہ عوام کے کسی بھی طبقہ پر پسماندہ کا لیبل لگانا بنیادی طور پر غلط ہوگا' اگر وہ پسماندہ ہوں تب بھی چونکہ ملک کی 90 فیصد آبادی غریب اور پسماندہ ہے۔

اس کمیشن نے پورے ملک کے لئے 2,399 پسماندہ ذاتوں یا طبقات کی فہرست تیار کی۔ ان میں سے 837 کو ''سب سے زیادہ پسماندہ'' بتایا گیا۔ اس کمیشن نے SEBC کی نشاندہی کے لئے حسب ذیل کسوٹی کو اپنایا:

(I) ہندو سماج کی روایتی ذات کی درجہ بندی میں کم تر سماجی موقف،

(II) کسی ذات یا طبقہ کی آبادی کے بڑے حصے میں عام تعلیمی ترقی کی کمی،

(III) حکومتی خدمات میں ناکافی یا صفر نمائندگی،

(IV) تجارت، کامرس اور صنعت میں ناکافی نمائندگی۔[48]

کمیٹی کی سفارشات

Recommadations of Kaka kalekar Committee

پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے کالیکر کمیشن کی سفارشات جامع اور وسیع تر تھیں۔ اس کمیشن کی اہم سفارشات اس طرح تھیں:

1۔ **مردم شماری اور ذات:** ذات کے متعلق تمام معلومات کو (مردم شماری کے ذریعہ) جمع اور سائنس خطوط پر انکی درجہ بندی کی جائے اور اسکے لئے ماہرین سماجیات کی مدد لی جائے۔

2۔ **سماجی گروہ:** تمام مسلمان سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ نہیں ہیں۔ لیکن ان میں ایسے کئی طبقات ہیں جو پسماندگی کا شکار ہیں۔ ایسے طبقات کو OBCs کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ عیسائیت میں ذات کو تسلیم نہیں کیا گیا تاہم درج

فہرست ذاتوں کے عیسائیت قبول کرنے کے باوجود انہیں خصوصاً جنوبی ہندوستان میں الگ تھلگ رکھا گیا ہے۔ اگر ملک کے دوسرے حصوں میں بھی عیسائیت قبول کرنے والے درج فہرست ذاتوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتو ان تمام کو OBCs میں شامل کرلیا جائے۔ اینگلو انڈین طبقہ کو سماجی یا تعلیمی طور پر پسماندہ نہیں کہا جا سکتا۔ سکھ ہندو مذہب کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ نظریاتی طور پر اگر چیکہ سکھوں کے پاس ذات پات کا نظام نہیں ہے لیکن عملی طور پر وہ کئی ہندوروایتوں وطریقے سے جڑے ہیں۔ سکھوں کے وہ طبقات جو سماجی و تعلیمی طور پر پچھڑے ہیں کو OBC کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ پسماندہ طبقہ کی خواتین کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ اس لئے تعلیم، سیاست، روزگار وغیرہ کے میدان میں خواتین کی ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کئے جانے چاہئے۔ مختلف ریاستوں کے پسماندہ علاقوں کو خصوصی طور پر تیار کردہ ترقیاتی اسکیمات کے ذریعہ فروغ دیا جائے۔

3۔ پسماندگی کی کسوٹی: کئی ایک سماجی، ماحولیاتی، معاشی اور سیاسی وجوہات کھلے اور خفیہ طور پر صدیوں سے پسماندگی کے لئے ذمہ دار رہے ہیں۔ کمیشن نے بجا طور پر ذات پر مبنی سماجی درجہ بندی کو شرائط تحقیق سے جوڑا اور عام رہنمائی کے لئے پسماندگی کے مذکورہ چار کسوٹیوں کو اپنایا اور اس کسوٹی کو مزید درجہ بندی کے لئے استعمال کیا گیا۔

4۔ تحفظات (تعلیمی): سائنس، انجینئرنگ، طب، زراعت، وٹرنری اور دیگر پیشہ وارانہ وٹکنیکل اداروں میں 70% نشستیں اہل پسماندہ طبقات کے طلباء کے لئے محفوظ رکھی جائیں اس وقت تک جب تک کہ تمام اہل طلباء کو نشستیں مل نہیں جاتیں۔ محفوظ نشستوں کے لئے طلباء کے انتخاب کے وقت سب سے زیادہ پسماندہ طبقات کو ترجیح دی جائے اور دو دعویداروں میں سے سب سے نچلی ذات کو ترجیح کا اصول اپنایا جائے۔ طلباء کے انتخابات میں تعلیم کے عہدیداروں کو مدد دینے کیلئے تمام طبقات کے نمائندوں پر مشتمل سلکشن کمیٹی کو تشکیل دیا جائے۔ روزگار: وقار، اقتدار، بنیادی یافت، سلامتی وغیرہ سرکاری ملازمت کو دلکش بناتے ہیں۔ اور جب تک یہ سب رہیں گے سرکاری ملازمتوں میں OBCs کا دعویٰ بھی باقی رہے گا اور ہر درجہ میں ملازمتوں میں متعینہ کوٹہ کے ذریعہ تحفظات کے ذریعہ مناسب نمائندگی کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مملکت کے مفاد، نظم ونسق کی موثریت اور ملک کے عوام کے لئے فلاح وبہبود کے بڑھتے رول میں سرکاری ملازمین کے کردار یہ سب اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ تحفظات کو OBCs کی آبادی کے تناسب سے ہونا چاہئے۔ چنانچہ، تمام سرکاری اور حکومت مقامی کی ملازمتوں میں OBCs کی نمائندگی درجہ اول (Class-I) میں 25

%۔درجہ دوم(Class II) میں33.5% درجہ(Class III & IV) کی جائیدادوں کے لئے40% ہونا چاہئے یہ فیصد SCsاور STsکے لئےتسلیم کئے گئے تحفظات کے علاوہ ہونا چاہئے اور ہر دس سال میں ایک مرتبہ OBCs کے نمائندگی مناسب وکافی ہے یا نہیں غور کرنا چاہئے۔ٹکنیکل اداروں وخدمات میں ممکنہ طور پر بہترین امیدوار کے انتخاب کو مدنظر رکھتے ہوئے OBCs کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جانی چاہئے۔تحفظات کی پالیسی کی مکمل اورمناسب نفاذ کے لئے ایک مستقل بورڈ کو قائم کیا جانا چاہئے۔

5۔ **علاحدہ وزارت:** پسماندہ طبقات کے مسائل سے بہتر طور پر نمٹنے کے لئے مرکز اورریاستوں میں ایک علاحدہ وزارت کو قائم کیا جانا چاہئے۔[49]

رپورٹ پر حکومت کی کاروائی

Action on Kalekar Commission Report

کمیشن کی رپورٹ کی تفصیلی جانچ کے بعد حکومت نے اس پر لئے گئے اقدامات کی تفصیلی رپورٹ 3/ستمبر 1956ءکو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں پیش کیا۔عملی اقدامات کی یادداشت میں یہ کہا گیا:''دفعہ 340 کی مطابقت میں کی گئی تحقیقات کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ آیاOBCs کی کوئی علاحدہ درجہ بندی کی جاسکتی ہےاور کمیشن کو وہ جانچ کی کسوٹی کو معلوم کرنا تھا جس کے ذریعہ انکی درجہ بندی کی جاسکتی ہو۔اور کمیشن کو غیر متنازعہ پیمانہ اپنانا تھا جسکے ذریعہ سماجی اور تعلیمی پسماندگی کی پیائش کی جاسکتی ہو۔اس نکتہ پر کمیشن کی رپورٹ میں کوئی ایک متفقہ رائے نہیں ہے' بلکہ اس پر قابل لحاظ حدتک اختلاف رائے پائی جاتی ہے''۔مزید یہ بھی کہا گیا کہ کمیشن کی فہرست میں 2,399 طبقات بتائے گئے جن میں سے 930طبقات کی آبادی ہی11.5 کروڑ ہے۔درج فہرست ذاتیں اورقبائیل کی آبادی7 کروڑ ہے(1951ء کی مردم شماری کے مطابق)۔

کارروائی رپورٹ میں حکومت نے کہا کہ ذات پات کا نظام ایک مساویانہ سماج کے قیام کیلئے فرد کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہےاور خصوصی ذاتوں کو پسماندہ (بچھڑے ہوئے)تسلیم کرنے سے ذاتوں کی بنیاد پر موجودہ امتیازات جاری رکھنا ہی نہیں بلکہ اس کو بڑھاوا دینا ہے۔[50] بالآخر پارلیمنٹ نے کمیشن کی رپورٹ پر بحث ہی نہیں کی۔

مرکزی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ پسماندہ طبقات کی کوئی کل ہندفہرست تیار نہ کی جائے اور سوائے درج فہرست ذاتوں وقبائیل کے پسماندہ طبقات کے کسی گروہ کے لئے بھی مرکزی سرکاری ملازمتوں میں تحفظات نہ رکھے جائیں۔ چنانچہ 14اگست 1961ء کو وزارت داخلہ نے تمام ریاستی حکومتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''اگرچیکہ ریاستی حکومتوں کو پسماندگی کے تعین کے لئے خود کی کسوٹی کو اپنانے کا اختیارتمیزی ہے' لیکن حکومت ہند کی رائے میں یہ بہتر ہوگا کہ ذات کے مقابلہ میں معاشی جانچ کا اطلاق کیا جائے۔ پسماندہ طبقات کی فہرست کی تیاری کے متعلق یہ محسوس کیا گیا کہ ''اگرچیکہ مرکزی حکومت کو دفعہ 338(3) کے تحت عوام کے چندگروہوں کو'' دیگر پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے'' قرار دینا پڑا، اس کے باوجود' ریاستی حکومتیں دفعات 15 اور 16 کے مقاصد کے لئے اپنی خود کی فہرست تیار کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ ریاستی اپنی فہرستوں پر کاربندرہ سکتی ہیں۔لہٰذا مرکز کی جانب سے بنائی جانے والی کوئی بھی کل ہندفہرست کا کوئی افادہ نہیں''۔[51]

اس طرح مرکزی حکومت نے کاکا کالیکر کمیشن کے سفارشات کے مطابق پسماندہ طبقات کو تحفظات فراہم کرنے سے انکار کردیا اور ریاستی سطح پر تحفظات فراہم کرنے کے معاملے کو ریاستی حکومتوں کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

منڈل کمیشن

پہلے پسماندہ طبقات کمیشن (55-1953) کی سفارشات کو مرکزی حکومت نے اس بنیاد پر قبول نہیں کیا تھا کہ کمیشن نے پسماندہ طبقات کی شناخت کے لئے کسی معروضی جانچ یا پیمانہ کو نہیں اپنایا تھا۔مرکزی حکومت بھی پسماندہ طبقات کے لئے ذات کی کسوٹی کو اپنانے کی مخالفت کی اور معاشی جانچ یا پیمانے کو اپنانے کو ترجیح دی تھی۔[52]

چنانچہ دستور کی دفعہ 340 کے تحت حاصل اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے صدر جمہوریہ ہند نے دوسری پسماندہ طبقات کمیشن کو قائم کیا' جسے مقبول عام میں اسکے چیرمین کے نام سے منڈل کمیشن کہا جاتا ہے۔اس کمیشن کو ہندوستان کے رقبہ میں سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے حالات کی تحقیق کے لئے یکم رجنوری 1980ء میں قائم کیا گیا۔

شرائط حوالہ

i۔ سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے تعین کے لئے کسوٹی کو طئے کرنا

ii۔ شہریوں کے سماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے اقدامات کی سفارش کرنا

iii۔ شہریوں کے پسماندہ طبقات کے حق میں مرکزی یا ریاستی عوامی خدمات میں تقررات کے لئے تحفظات کے امکانات کی جانچ کرنا

iv۔ صدر جمہوریہ کو حقائق پر مبنی رپورٹ اور ضروری ومناسب سمجھے جانے والی سفارشات کو پیش کرنا

اس سلسلے میں کمیشن اس سے قبل قائم کردہ پسماندہ کمیشن کی رپورٹ اوراسکی سفارشات کو حکومت کی جانب سے قبول کئے جانے میں حاصل رکاوٹوں پر بھی غور کر سکتی ہے۔[53]

سماجی وتعلیمی پسماندگی کے پیمانے رکسوٹی Criteria of Backwardness

کمیشن نے سماجی وتعلیمی پسماندگی کے 11 ''پیمانے'' یا کسوٹی مقرر کئے۔ ان ''پیمانوں'' یا کسوٹیوں کو تین بڑی زمروں، سماجی، تعلیمی اور معاشی میں تقسیم کیا گیا۔

الف۔ سماجی

(i) دوسروں کی جانب سے سماجی طور پر پسماندہ سمجھے جانے والی ذاتیں رطبقات،

(ii) وہ ذاتیں رطبقات جو اپنی گزر بسر کے لئے پوری طرح جسمانی محنت رمزدوری پر انحصار کرتے ہیں۔

(iii) ذاتیں رطبقات جہاں کم سے کم 25% خواتین اور 10% مرد ریاست کے اوسط سے اوپر دیہی علاقوں میں (17 سال کی عمر سے کم) اور شہری علاقوں میں 10% خواتین اور 5% مرد 17 سال سے کم عمر میں شادیاں کرتے ہیں۔

(iv) ذاتیں رطبقات جن میں کام کرنے والی خواتین کی اوسط ریاست کی مجموعی کام کرنے والی خواتین کے اوسط سے 25 فیصد زیادہ نہ ہو۔

ب۔ تعلیمی

(v) ذاتیں رطبقات جن میں مدرسہ میں شریک نہ ہونے والے 5 سے 15 سال کے بچوں کا اوسط ریاست کے اوسط سے 25 فیصد زیادہ ہو۔

(vi) ذاتیں/طبقات جن میں ترک تعلیم کرنے والے 5 سے 15 سال کے بچوں کا اوسط ریاست کے اوسط سے 25 فیصد زیادہ ہو۔

(vii) ذاتیں/طبقات جن میں میٹرک کامیاب کرنے والوں کا تناسب ریاست کے اوسط سے کم سے کم 25% کم ہو۔

ج۔معاشی

(viii) ذاتیں/طبقات جن کے خاندان کے اثاثوں کی قدرو قیمت ریاست کے اوسط سے کم سے کم 25% کم ہو۔

(ix) ذاتیں/طبقات جہاں کچے گھروں میں رہنے والوں کی تعداد ریاست کے اوسط سے کم سے کم 25% زیادہ ہو۔

(x) ذاتیں/طبقات جہاں پینے کے پانی کا ذریعہ آبادی کی 50% کے لئے آدھے کلومیٹر سے زیادہ کی دوری پر ہو۔

(xi) ذاتیں/طبقات جہاں ریاست کے اوسط سے کم سے کم 25% زیادہ لوگ ضرورتوں کی تکمیل کے لئے قرض لئے ہوں۔

چونکہ مذکورہ بالا تینوں شرائط کمیشن کے مقصد کے لئے مساوی اہمیت کے حامل نہیں تھے' اس لئے ہر گروہ میں پیمانوں کے لئے علاحدہ قدر دی گی۔ تمام سماجی پیمانوں کے لئے ہر نکتہ کو 3 کی زائید قدر دی گئی۔ تعلیمی پیمانوں کے لئے 2 اور معاشی پیمانوں کے ہر ایک نکتہ کے لئے ایک زائید قدر دی گئی۔ سماجی اور تعلیمی پیمانوں کے علاوہ معاشی پیمانوں کو بھی اہم سمجھا گیا۔ چونکہ انکا راست تعلق سماجی اور معاشی پسماندگی سے ہے۔ یہ حقیقت اجاگر ہوئی کہ سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات معاشی طور پر بھی پسماندہ ہوتے ہیں۔ تمام گیارہ پیمانوں کا اطلاق تمام ریاستوں میں سروے کئے گئے ذاتوں پر کیا گیا۔ جسکے نتیجہ میں وہ تمام ذاتیں جن کا میزان (Scale) 50 % (گیارہ نکات) یا اس سے زیادہ تھا کو سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ سمجھا گیا اور باقی ماندہ کو 'ترقی یافتہ/خوشحال'' سمجھا گیا۔[54]

غیر ہندو طبقات میں OBCs

OBCs Among Non-Hindu Committees

اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی ہندو برادریوں کی طرح' غیر ہندو برادریوں میں بھی سماجی و تعلیمی پسماندگی اسی طرح ہے۔ ذات پات کا نظام اگرچیکہ صرف ہندو سماج میں ہی ہے' لیکن حقیقی تصویر یہ بتاتی ہے کہ مختلف طریقوں

ودرجوں میں یہ عمل غیر ہندو برادریوں رطبقات میں بھی پایا جاتا ہے۔اسکی دو اہم وجوہات ہیں۔ذات پات کا نظام ذہن پر گہرا اثر چھوڑتا ہے اور فرد کے سماجی شعور پر نقش کر جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تبدیلی مذہب کے بعد بھی سابقہ ہندو اپنے ساتھ سماجی درجہ بندی اور تصورات کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔دوسرے یہ کہ غیر ہندو اقلیتیں جو ہندو غلبہ والے ہندوستان میں رہتے ہیں، مقامی سماجی اور تمدنی اثرات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

غیر ہندو طبقات میں بھی ذات پات کا چلن ایک حقیقت ہے۔حالانکہ یہ تمام مذاہب دیکھنے میں مساوات کے حامی ہیں اور اپنے ہم مذہبوں میں مکمل مساوات کا دعویٰ کرتے ہیں۔اس دعویٰ کے بعد ذات پات پر مبنی کوئی بھی سماجی تفریق کو سماجی و تعلیمی پسماندہ طبقات (SEBCs) کی شناخت کے لئے ایک بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد کمیشن نے غیر ہندو OBCs کی شناخت کے لئے مندرجہ ذیل کسوٹی کو اپنایا۔

(i) غیر ہندو مذہب قبول کرنے والے تمام اچھوت

(ii) ایسے پیشہ وارانہ برادریاں جو اپنے روایتی درجہ بند پیشوں سے جانے جاتے ہیں اور ہندو مذہب میں انکے ہمعصر کو ہندو OBC کی فہرست میں شامل کیا گیا ہو جیسے دھوبی، تیلی، دھیمار، نائی، گجر، کمہار، لوہار، درزی وغیرہ۔

OBCS کی آبادی کا تخمینہ Estimated Population of OBCs

ذات پات کے لحاظ سے آبادی کی باضابطہ مردم شماری 1881ء میں ہوئی جسے 1931ء سے روک دیا گیا۔ چنانچہ 1931ء کے بعد ذات پات کے لحاظ سے آبادی کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔کمیشن نے 1931ء کی مردم شماری کے ریکارڈ سے ذات پات کی آبادی کو چھانٹتے ہوئے پانچ گروہوں کی شناخت کی۔(1) درج فہرست ذاتیں اور قبائل؛ (2) غیر ہندو برادریاں، مذہبی گروہ وغیرہ؛ (3) اعلیٰ ہندو ذاتیں اور برادریاں؛ (4) پسماندہ ہندو ذاتیں اور برادریاں اور (5) پسماندہ غیر ہندو برادریاں وغیرہ۔

جدول3.2: ذات اور مذہب کے لحاظ سے ہندوستان کی آبادی کی تقسیم

S.no	Group Name	% of Total Population	
I.Scheduled Castes and Scheduled			
A.1	Scheduled Castes	15.05	
A.2	Scheduled Tribes	7.15	
	Total of 'A'	22.56	
II. Non Hindu Communities, Religous Groups. etc.			
B.1	Muslims (Other than STs)	11.19	(0.02)*
B.2	Christians (Other than STs)	2.16	(0.44)1'
B.3	Sikhs (other than SCs and STs)	1.67	(0.22)*
B.4	Budhists (Other than STs)	0.67	(0.03)*
B.5	Jains	0.47	
	Total of 'B'	16.16	
	III. Forward Hindu Castes and Communities		
C.1	Brahmins (incl. Bhumihars)	5.52	
C.2 C.3	Rajputs Marathas	3.90	
C.4		1.00	
C.5	Vaishyas, Bania. etc.	1.88	
C.6	Kayasthas	1.07	

C.7	Other Forward Hindu Castes Groups	2.00	
	Total of 'C'	17.58	
	Total of A,B and C	56.30	
IV. Backward Hindu Castes and Communities			
D.	Remaining, Hindu Castes/Groups Which come in the category of	43.70@	
V. Backward Non-Hindu Communities			
E.	52% of Religous Groups under Sec. B. may also be treated as OBCs	8.40	
F.	The approximate derived Population of other Backward Classes	52%	

Source: Mandal Commission Report

سفارشات

منڈل کمیشن نے یہ محسوس کیا کہ دیگر پسماندہ طبقات کی ترقی صرف غربت کو ختم کرنے کے وسیع تر مسئلہ کا ایک حصہ نہیں ہے۔ بلکہ OBCs کی محرومی سماجی اور تعلیمی پسماندگی کا ایک خصوصی معاملہ ہے اور غربت سماجی و تعلیمی پسماندگی کا لازمی نتیجہ ہے۔اس لئے کمیشن OBCs کے مختلف مسائل کے لئے حل پیش کئے۔ان تجاویز کو مختصراً ذیل میں دیا جارہا ہے۔[55]

تحفظات: ایک جمہوری ماحول میں ہر فرد اور طبقہ کو اس ملک کی حکمرانی میں حصہ لینے کا جائز حق اور آرزو ہوتی ہے۔ ایسی کوئی بھی صورتحال جہاں آبادی کی تقریباً 52% آبادی انکے اس حق سے محروم کیا جاتا ہوتو اس غلطی کو فوری سدھارنے کی ضرور ہوتی ہے۔تحفظات کی وجہ سے نہ صرف OBCs میں مساوات قائم ہوگا۔ بلکہ تحفظات سے یقیناً ملازمتوں میں اعلیٰ ذاتوں کی پکڑ کمزور ہوگی اور عمومی طور پر OBCs میں ملک کے امور میں حصہ داری کا احساس پیدا

ہوگا۔OBCs کی جملہ آبادی (ہندو وغیر ہندو کو ملا کر) جملہ آبادی کی 52% ہے۔لیکن سپریم کورٹ کے فیصلوں کے مطابق دفعات 15(4) اور 16(4) کے تحت مجموعی تحفظات کو 50 % سے نیچے ہونا چاہئے۔اس لئے OBCs کے لئے 27 فیصد تحفظات دیئے جائیں۔OBCs کے لئے تجویز کردہ تحفظات 50% سے کم ہوتے ہیں۔

وہ ریاستیں جو پہلے ہی سے OBCs کے لئے 27% تحفظات کا اعلان کر چکے ہیں اس فیصلے سے متاثر نہیں ہونگے۔اسکے علاوہ کمیشن OBCs کے لئے ''تحفظات کی مجموعی اسکیم اس طرح تجویز کی ہے: (الف) میرٹ کی بنیاد پر بھرتی کئے گئے امیدواروں (یعنی کھلی مسابقت) کو 27% کوٹہ میں نہ رکھا جائے' (ب) مندرجہ بالا تحفظات کا اطلاق تمام سطحوں کے ترقیوں پر بھی ہوگا۔(ج) راست بھرتی کے لئے عمر کی اوپری حد میں اضافہ OBCs کے لئے بھی ہوگا۔(د) تحفظات کی اس اسکیم کا اطلاق تمام بھرتیوں عوامی شعبہ کے ادارہ جات (مرکزی وریاستی) قومیائے گئے بینک، تمام خانگی اداروں پر جو حکومت سے مالی امداد حاصل کرتے ہیں، تمام جامعات اور الحاقی کالجس وغیرہ پر ہوگا۔

تعلیمی رعایتیں: تمام سائنٹفک، تکنیکی اور دیگر اداروں میں جو مرکزی یا ریاستی حکومتوں کی جانب سے چلائے جاتے ہیں، OBC طلبہ کے لئے نشستیں محفوظ رکھیں۔

مالی امداد: صنعتیانہ کے نتیجہ میں وراثتی پیشے بری طرح متاثر ہوگئے ہیں۔چنانچہ دیہات کی سطح پر پیشہ وارانہ طبقوں کو مالی امداد فراہم کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔چنانچہ وراثتی پیشہ وارانہ گروہوں کے امداد باہمی سوسائٹیز پسماندہ طبقات کو بڑی مدد فراہم کرسکتے ہیں۔ملک کی صنعتی وکاروباری زندگی میں OBCs کی حصہ داری بالکل معمولی ہے۔پسماندہ طبقات کو ترقی دینے کی مجموعی حکمت عملی کے طور پر یہ ضروری ہیکہ ریاستی حکومتیں کاروبار اور صنعتی کاروباریوں کو جنکا تعلق OBCs سے ہے مالی اور تکنیکی امداد فراہم کرے۔

ساختی تبدیلیاں: جب تک کہ نچلی سطح پر پسماندگی کے مسئلہ سے نمٹا نہ جائے تعلیمی اور روزگار میں تحفظات اور ممکنہ مالی امداد صرف سراب ثابت ہونگے۔ملک کی تین چوتھائی آبادی ہونے کے باوجود ST/SC اور OBCs صرف محدود سیاسی طاقت کو حاصل کرسکے ہیں۔وسائل پیداوار پر اپنی اجارہ داری کے ذریعہ اعلیٰ ذاتیں پسماندہ طبقات کو اپنے ہی مفادات کے خلاف کام کیلئے مجبور کئے ہیں۔جب تک کہ انقلابی زمینی اصلاحات کے ذریعہ پیداوار کے موجودہ طاقتور تعلقات کو توڑا نہیں جاتا غیر مراعت یافتہ کا انحصار اعلیٰ ذاتوں پر جاری رہے گا اور اعلیٰ ذاتوں کا غلبہ غیر

معینہ مدت تک جاری رہے گا۔ کرناٹک، کیرالا اور مغربی بنگال کی ریاستیں اس پر خاطر خواہ توجہ دے کر نہ صرف پسماندہ طبقات کی مادی فلاح کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں بلکہ بہترین سیاسی فوائید بھی حاصل کئے ہیں۔ کمیشن کے مطابق دیگر ریاستوں میں بھی اراضی اصلاحات کے ذرائع پسماندہ طبقات کے معاشی اور سیاسی موقف کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

ماءبعد منڈل صورتحال

منڈل کمیشن نے کالیکر کمیشن کا OBCs کے متعلق مناسب اعداد وشمار جمع نہ کرنے کے لئے تنقید کی۔ منڈل کمیشن نے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش مختلف موضوعات پر مواد واعداد وشمار کو جمع کرتے ہوئے کی اور اسے تعلیم و روزگار میں ذاتوں کے لئے کوٹہ متعین کرنے کے لئے ممکنہ اعتراضات کو ختم کرنے کے لئے استعمال کیا۔[56]

منڈل کمیشن کی رپورٹ کو 31 دسمبر 1980ء میں پیش کیا گیا اور اپریل 1982ء میں اسے پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ اور 11 /اگست 1982ء کو پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر اسے منظور کرلیا۔ تمام سیاسی جماعتوں نے کمیشن کی رپورٹ میں پائے جانے والی مساوات کی روح کی جم کر تعریف کی۔ اس کے باوجود کانگریس کی مسلسل دو حکومتوں نے نہ تو اس رپورٹ کو رد کیا اور نہ ہی اسے قبول کرنے کا اعلان کیا۔ کانگریس اس رپورٹ کو لاگو کرنا نہیں چاہتی تھی چونکہ اسے درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے علاوہ برہمنوں کی انتخابی تائید حاصل تھی۔

7/اگست 1990ء کو وزیر اعظم وی پی سنگھ کا منڈل کمیشن کی رپورٹ کو نافذ کرنے کا اعلان نہ صرف عوام میں رائے عامہ کو منقسم کردیا بلکہ حکمران نیشنل فرنٹ کی قوتوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا' دوست دشمن بنے تو دشمن دوست بن گئے۔[57]

تحفظات کی پالیسی اور مسلمان: پس منظر

یہ ایک حقیقت ہیکہ مسلمانوں میں بھی ذات پات پر مبنی درجہ بند سماجی ساخت فروغ پائی ہے۔ تاہم، اسکی نوعیت اور گہرائی ہمیشہ سے ہی متنازعہ رہی ہے۔ 1901، 1911، 1921 اور 1931 کی مردم شماریوں میں مسلم ذاتوں کے اندراج سے مسلمانوں کے یکساں سماج ہونے کے متعلق تمام شکوک وشبہات ختم ہو گئے۔ 1941ء میں مہاتما گاندھی

نے اپنے ایک دوست کو لکھے خط میں غیر ہندو سماجوں میں بھی ذات پات کی برائیوں کا تذکرہ کیا تھا۔'' بلا شبہ ہندو سماج کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں بھی ذات کی برائیاں آ گئی ہیں۔ ہندو سماج ذات کی برائیوں کو ختم کرتے ہوئے دوسرے سماجی گروہوں کو اسے روکنے میں مدد کر سکتا ہے۔ باقی کا کام متاثر سماج کو خود کرنا ہوگا''۔[58] 1901ء کی بنگال کی مردم شماری کا حوالہ دیتے ہوئے مسلم سماج کی نفسیاتی و سماجی جمود پر امبیڈکر نے بھی تبصرہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ''اسلام بھائی چارگی کی بات کرتا ہے، ہر کوئی یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اسلام ذات اور غلامی سے آزاد ہے۔ غلامی تو ختم ہوئی ہے، لیکن مسلمانوں میں ذات باقی ہے''۔[59] یہ نچلی ذات کے مسلمان وہ ہیں جو مختلف پیشہ وارانہ گروہوں سے تعلق رکھنے والے نچلے درجہ کے ہندو ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ تبدیلی مذہب سے انکا سماجی و معاشی رتبہ تبدیل نہیں ہوا اور انکی غربت جاری رہی۔ دوسرا یہ کہ انگریزوں کی امتیازی پالیسی خصوصاً 1857ء کی بغاوت کے بعد اور انگریزی بولنے والے بااثر ہندو متوسط طبقہ کے عروج سے مسلمانوں کا حکومت پر سے غلبہ ختم ہونے لگا اور انکی ملازمتیں ختم ہونے لگیں۔ اس بات کو 1882ء کے انڈین ایجوکیشن کمیشن نے بھی اپنی رپورٹ میں بتایا ہے۔

تعلیم میں انگریزی کو شروع کرنے کے بعد ایجوکیشن کونسل کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ''مسلم سماج کو اعلیٰ درجہ کی انگریزی تعلیم دینے کی کوشش مکمل ناکام ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان حکومتی ملازمتوں کے لئے ہندوؤں کے ساتھ مسابقت بھی نہیں کر رہے ہیں۔[60] اس طرح مسلم نچلی اور اعلیٰ ذاتوں کی حالت، جو کہ مغلیہ دور میں حکومت میں تھے یا حکومتی ملازمتوں میں تھے، ابتر ہو گئی۔ انہیں 1918ء میں میسور کی دیسی ریاست نے پسماندہ طبقات میں شامل کر لیا۔ اس کمیٹی نے پسماندہ طبقات کے لئے کوٹہ کا طریقہ شروع کیا جس میں برہمنوں کو چھوڑ کر بشمول مسلمانوں کے تمام طبقات جو سرکاری ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہیں رکھتے تھے ان کو پسماندہ طبقات قرار دیا۔ بعد میں مسلمانوں کے لئے حکومتی تقررات میں تحفظات کو برطانوی حکومت میں پہلی بار 1925ء میں تسلیم کر لیا گیا۔

اس قت تک مسلمان سیاستدان ہندوستانی مسلمانوں کی فرقہ وارانہ شناخت کو بناتے ہوئے انہیں ہندوؤں سے الگ بتانے لگے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد نے جناح کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے ایک علاحدہ رائے دہندگی کا مطالبہ ترک کریں۔ اس مطالبہ کو چھوڑنے کے لئے جناح نے کانگریس کے سامنے چند شرائط رکھی تھیں۔ جو اسطرح تھیں (1) ایک علاحدہ صوبہ سندھ کی تشکیل؛ (2) دوسرے صوبوں کی طرح شمال مغربی صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی اس

پیمانے پر اصلاحات کا آغاز(3) تاوقتیکہ ان تجاویز کو نافذ نہیں کیا جاتا علاحدہ رائے دہندگی کے ذریعہ نمائندگی کے حق کو مسلمان نہیں چھوڑیں گے۔ مسلمان مشترکہ رائے دہندگی کے حق میں علاحدہ رائے دہندگی کے حق سے دستبردار ہونگے اگر مختلف طبقات کے لئے آبادی کے تناسب سے تحفظات دیئے جائیں۔(4) سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی صوبہ میں رہنے والے ہندوؤں کو نشستوں کے تحفظ کی شکل میں وہی مراعات دی جائیں جو دیگر ہندو اکثریتی ریاستوں میں رہنے والی مسلم اقلیتوں کو دی جاتی ہیں۔(5) مرکزی مقنّنہ میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو،(6) مذہبی آزادی سے متعلق دستوری وقانونی توضیحات کے علاوہ دستور میں اس بات کی ضمانت ہو کہ فرقہ وارانہ معاملات پر کوئی بھی مسودہ قانون (بل) یا قرارداد پر غور یا منظور نہ ہو جب تک کہ اس فرقہ کے تین چوتھائی اراکین کی منظوری اسے حاصل نہ ہو۔ یہ تجاویز جو دہلی مسلم تجاویز 1927ء کے نام سے مشہور ہیں۔اس طرح، عملی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان تحفظات کے حق میں علاحدہ رائے دہندگان سے دستبرداری کے لئے تیار تھے۔

لیکن 1928 کی نہرو رپورٹ نے مشترکہ رائے دہندگان کے حق میں دہلی تجاویز کو رد کردیا۔ 1928 اور 1930ء کی فرقہ وارانہ اور شناخت کی سیاست کے باوجود قانون حکومت ہند 1935 نے ہندو دلتوں کے ساتھ مسلمانوں کے لئے بھی تحفظات کی پالیسی اپنائی۔ بعد میں اسے صرف ہندو دلتوں تک ہی محدود کیا گیا۔[61] ولبھ بھائی پٹیل نے دستور ساز اسمبلی کی مشاورتی کمیٹی کی ذیلی کمیٹی برائے اقلیتوں کی رپورٹ کو 8 اگست 1947ء میں پیش کیا جس میں مسلمانوں کے لئے مشترکہ رائے دہندگان میں آبادی کی بنیاد پر تحفظات کی سفارش کی تھی۔ مسلمانوں کے لئے علاحدہ رائے دہندگان کو موقوف کرنے کی رائے دی تھی۔ اسمبلی نے اس رپورٹ پر 27 اور 28 اگست کو غور کرتے ہوئے سفارشات کو اپنایا۔

مرکزی اور صوبائی مقنّنہ میں تحفظات کے ساتھ ساتھ سرکاری ملازمتوں میں بھرتی کے لئے بھی ایک طرح کے تحفظات پر غور کیا گیا۔ ''کل ہند اور صوبائی خدمات میں سرکاری ملازمتوں پر تقررات کرتے وقت تمام اقلیتوں کے دعووں کو نظر میں رکھا جانا چاہئے''۔ اس سے اتفاق کرتے ہوئے مسودہ کمیٹی نے خصوصی دفعہ 299 کو پیش کیا۔ اس رپورٹ میں پچھلے فیصلوں کی تصدیق کی گئی لیکن مقنّنہ میں تحفظات کو قبول نہیں کیا گیا۔ کے ایم منشی نے ایک ترمیم کو پیش کرتے ہوئے تحفظات کو صرف درج فہرست ذاتوں تک محدود کردیا۔

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے تحفظات

آزاد ہندوستان کے دستور میں درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لئے قانون ساز اداروں میں تحفظات دیئے گئے۔ دفعہ 15 اور 16 میں ترمیم کرتے ہوئے تعلیم اور ملازمتوں میں بھی تحفظات کی راہ ہموار کی گئی۔ اس کے تحت درج فہرست ذاتوں اور قبائلوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے تعلیمی اداروں اور ملازمتوں میں تحفظات دئے گئے۔ درج فہرست ذاتوں کو دئے جانے والے تحفظات کو صرف ہندو مذہب تک ہی محدود رکھا گیا۔ 1956ء میں سکھ مذہب کے درج فہرست ذاتوں کو اور 1990 بدھ مذہب کے درج فہرست ذاتوں کو تحفظات کے دائرہ میں لایا گیا۔ مگر مسلم اور عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے درج فہرست ذاتوں کو جنہیں دلت مسلم اور دلت کرسچین کہا جارہا ہے تحفظات سے محروم رکھا گیا۔ جبکہ درج فہرست قبائل کے تحفظات میں مذہب کی کوئی قید نہیں۔ تمام قبائل چاہے وہ ہندو ہو، مسلمان ہو، یا عیسائی تحفظات سے فیض یاب ہورہے ہیں۔

پسماندہ طبقات کو بھی کئی ریاستوں میں تحفظات کے فراہم کئے گئے 1990 میں منڈل کمیشن کے سفارشات کو عمل کرتے ہوئے مرکزی سطح پر بھی پسماندہ طبقات کو 27 فیصد تحفظات دئے گئے۔

منڈل کمیشن نے کل 3743 طبقات کو پسماندہ قرار دیا۔ منڈل کمیشن کی جانب سے نشاندہی کئے گئے 82 مسلم پسماندہ طبقات کو بھی تحفظات کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔[62] اس طرح مسلمانوں کے ایک قلیل گروہ کو تحفظات کے دائرہ میں لایا گیا ہے جبکہ مسلم آبادی کا ایک بڑا حصہ تحفظاتی پالیسی کے دائرہ سے باہر ہے۔

مسلم تحفظات پر بحث

مسلمانوں کو تحفظات فراہم کرنے کے متعلق وقتاً فوقتاً بحث چھڑتی رہی ہے۔ خاص کر کاکا کالیکر کمیشن (1953) منڈل کمیشن (1980)، سچر کمیشن (2006) اور رنگناتھ مشرا کمیشن (2010) میں اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو تحفظات کے بارے میں خود مسلمانوں میں رائے منقسم ہے۔ ایک طبقہ ہے جو سرے سے مسلمانوں کو تحفظات کی مخالف کرتا رہا ہے۔ مسلم زعماء سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ تحفظات کو حکومت کے طرف سے دی

جانی والی بھیک تصور کرتے رہے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں میں مسابقت کا جذبہ ختم ہو جائے گا۔ مگر مسلمانوں میں ایسا سوچنے والوں کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے۔اب زیادہ تر مسلمان یہ مانتے ہیں کہ دیگر طبقات کے برابر ترقی کرنے کے لئے مسلمانوں کو حکومت کی مدد اور قومی وسائل میں حصہ داری ضروری ہے اور یہ بھیک نہیں بلکہ جمہوری نظام میں ہر شہری کا برابر کا حق ہے۔

دوسری بحث یہ چل رہی ہے کہ تحفظات تمام مسلمانوں کو ملنا چاہئے یا صرف مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کو۔ بڑے عرصے تک مسلمان رہنما جو اکثر اعلیٰ ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں کی یہ رائے رہی کہ مسلمان ایک اٹوٹ گروہ ہیں اور چونکہ انکی اکثریت غریب اور ناخواندہ ہے اس لئے تمام مسلمانوں کو تحفظات دینا چاہئے۔مسلمانوں میں چند طبقات کو تحفظات فراہم کرنا دراصل مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے مترادف ہے اس سے فائدے سے زیادہ نقصان ہوگا۔ اکتوبر 1994ء میں نئی دہلی میں تحفظات کے مسئلہ پر منعقدہ کنونشن میں مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ ذات کے رہنما جیسے،سید شہاب الدین،سید حامد،سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،ابراہیم سلمان سیٹھ اور مولانا محمد شفیع موسیٰ نائب صدر کل ہند مسلم مجلس مشاورت نے اس بات کی حمایت کی کہ پورے مسلم سماج کو پورے ملک میں پسماندہ تسلیم کیا جائے۔تحفظات کے فائدے ترجیحی طور پر پہلے ان پسماندہ مسلمان طبقات کو دیئے جائیں اور اسکے بعد بھی اگر مسلمان کوٹہ میں نشستیں باقی ہوں تو دیگر اعلیٰ طبقہ کے امیدواروں سے انہیں بھرتی کیا جائے۔[63]

جب پسماندہ مسلمانوں کی طرف سے تحفظات کی مانگ سامنے آئی تو جماعت اسلامی ہند کا ہفتہ وار ترجمان دعوت ایک مضمون' مسائل سے گھری ملت میں مزید نفاق مت پیدا کرو' کے عنوان سے شائع کیا جس میں مسلم پسماندہ طبقات کو تحفظات دینے کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش قرار دیا گیا۔مزید یہ کہا گیا کہ پورا مسلم سماج محروم سماج ہے اس لئے مسلمانوں کو علیحدہ 10 فیصد تحفظات دینے چاہئے۔ Association of Promoting Education and Employment of Muslisms (APEEM) نے بھی تمام مسلمانوں کے لئے اثباتی اقدام کا مطالبہ کیا۔اسلامک کونسل آف انڈیا اور کل ہند ملی کونسل نے بھی مطالبہ کیا کہ وہ معاشی طور پر پسماندہ تمام مسلمانوں کو تحفظات فراہم کرے۔[64] 1996 میں دہلی اور حیدرآباد میں منعقد کانفرنسوں میں ان انجمنوں نے مطالبہ کیا کہ مسلم سماج کو دستوری اصطلاح کے معنوں میں پسماندہ قرار دے اور نکی پیشہ وارانہ اور تعلیمی پسماندگی کے تناسب سے

تعلیم اور روزگار میں تحفظات فراہم کرے گی۔

دوسری جانب تمام مسلمانوں کے لئے تحفظات کے مطالبہ کو پسماندہ طبقہ کے لیڈروں اور سماج کے دانشوروں نے تین اہم بنیادوں پر رد کیا۔ تمام کو تحفظات سے بڑا حصہ سماج کے زعماء کو ملے گا۔ اصغر علی انجینئر نے مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کے اس خوف کو اپنے مضمون ''مسلمانوں کے لئے تحفظات: ہاں یا نہیں'' میں بہتر طور پر پیش کرتے ہوئے کہا ہیکہ ''معاشی پسماندگی کی بنیاد پر تحفظات کے فوائد صرف اشراف درجہ تک محدود ہونگے اور غریب دلت مسلمانوں کی زندگی میں کوئی موثر تبدیلی نہیں لائیں گے'' دوسرے یہ کہ اثباتی اقدام کی پوری تاریخ میں محض معاشی پسماندگی تحفظات کے لئے کسوٹی کا کوئی رول ادا نہیں کرتی جسکا مطالبہ اعلیٰ مسلم ذاتیں کررہے ہیں۔ کالیکر کمیشن نے OBCs کے لئے تعلیمی وسماجی پسماندگی کی بنیاد پر تحفظات کی سفارش کی تھی۔ سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی پسماندگی کی کسوٹی یہ ہے: (1) ہندو سماج کے روایتی ذات کی درجہ بندی میں کم تر سماجی موقف' (2) ذات یا طبقہ کے بڑے حصے میں عام تعلیمی ترقی کی کمی' (3) سرکاری ملازمتوں میں ناکافی یا عدم نمائندگی' (4) تجارت وکامرس اور صنعتوں میں ناکافی نمائندگی۔ تیسرے یہ کہ پسماندہ قائدین نے تمام مسلمانوں کو تحفظات دینے سے فرقہ وارانہ فسادات کے خوف کا اندیشہ ظاہر کیا۔[65] پسماندہ قائدین کے علاوہ امتیاز احمد، زویا حسن اور دیگر اسکالرس کا احساس ہے کہ مذہب پر مبنی تحفظات سے مسائل پیدا ہونگے۔ پسماندہ قائدین کے مطابق پسماندہ دلت مسلمان جملہ مسلم آبادی کا 80 تا 90% ہیں۔

اصغر علی انجینئر ان لوگوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں داخلی ذات کے اختلافات کا انکار کرنا دراصل ''اعلیٰ'' ذات کے مسلمانوں اور علماء کی حکمرانی کو قائم کرنا ہے۔ اصغر علی نے اعلیٰ ذات کے قائدین کے مطالبہ کو رد کیا کہ کل ہند سطح پر تمام مسلمانوں کو ''پسماندہ طبقات'' (BC) قرار دیا جائے۔ اسکے برعکس وہ چاہتے ہیں کہ صرف مسلم دلتوں قبائیل اور پسماندہ ذاتوں کے لئے ہی تحفظات دیئے جانے چاہئے۔[66]

ہندوستانی مسلمان کسی سماجی ساخت پر غور کریں تو اصغر علی انجینئر کا دعویٰ درست ہے۔ کاکا کالیکر اور منڈل کمیشنوں نے مسلم سماج میں پائی جانے والی درجہ بندی کا ذکر کیا ہے۔ خاص کر مسلمانوں کے درجہ اشراف، اجلاف اور ارذال کا دستاویزی ثبوت پیش کیا ہے۔ کالیکر کمیشن میں پہلی بار مسلمانوں میں پسماندہ طبقات کو سرکاری طور پر تسلیم کیا

گیا ہے۔منڈل کمیشن نے بھی مسلمانوں کے 82 سماجی طبقات کو دیگر پسماندہ طبقات (او بی سی) میں شمار کیا ہے۔اس موضوع پر سچر کمیٹی رپورٹ میں بھی تفصیلی طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رپورٹ میں 1901 کی مردم شماری کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں 133 کلی یا جزوی سماجی طبقات موجود ہیں۔اس رپورٹ کے مطابق ہندوستانی مسلم سماج چار بڑے طبقوں میں منقسم ہے، جیسے اشراف، جو عرب، ایران، ترکی یا افغانستان میں اپنی جڑیں تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے طبقے میں اسلام قبول کرنے والے اعلیٰ ذات کے ہندو ہیں۔ تیسرے طبقے میں اسلام قبول کرنے والے صاف ستھرے پیشے کرنے والے درمیانی ذاتوں کے ہندو اور چوتھے طبقے میں اچھوت مانے جانے والے ذاتیں جیسے بھنگی، مہتر، چمار، ڈوم وغیرہ شامل ہیں۔ [67]ان چار طبقوں کو مجموعی طور پر تین حصوں میں بانٹ سکتے ہیں: پہلا اشراف، جو کسی بھی سماجی محرومی کے شکار نہیں ہیں۔ دوسرا اجلاف جن کی حیثیت ہندو بی سی جیسی ہے اور تیسرا ارذال جو ہندو درج فہرست ذاتوں جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسکے علاوہ قلیل تعداد میں مسلم قبائل بھی جموں کشمیر اور لکشادیپ میں پائے جاتے ہیں۔

اس بنیاد پر مسلم او بی سی سے متعلق کانفرنس میں پسماندہ مسلمان طبقات کے قائدین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مسلمانوں میں سماجی تفریقات موجود ہیں، انکا اعتراف کرنا چاہئے اور حکومت کی مثبت پالیسی اقدامات میں او بی سی طبقے کو شامل کرنا چاہئے۔اس کانفرنس میں تمام مسلمانوں کو پسماندہ قرار دینے کی پرزور مخالفت کی گئی۔

مخالف اقلیتیں تنظیمیں اور دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں خصوصاً بی جے پی بھی تمام مسلمانوں کے لئے تحفظات کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ مخالفت نظریاتی اور انتخابی دونوں پس منظر میں ہے۔تمام دائیں بازو کی جماعتوں کو یہ خوف ہے کہ اقلیتوں کو تحفظات دینے سے تبدیلی مذہب کی شرح میں تیزی آئے گی جو کہ ہندو قوم کے تصور کے خلاف ہے۔ لیکن بی جے پی پسماندہ مسلمانوں کے لئے بھی تحفظات کے حق میں نہیں ہے؛ اگرچیکہ اس مسئلہ پر وہ کبھی تائید کرتی دکھائی دیتی ہے۔لیکن بی جے پی کا حقیقی رنگ مختار عباس نقوی کے اس بیان سے عیاں ہوتا ہے؛ جس میں انہوں نے تحفظات کی پالیسی کو ''غیر اسلامی'' قرار دیا ہے۔[68]

اس ضمن میں رنگناتھ مشرا کمیشن کے سفارشات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔اس کمیشن نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام اقلیتوں کو 15 فیصد تحفظات فراہم کرنے کی سفارش کی جس میں 10 فیصد مسلم اقلیت کو دیئے

جائیں۔کمیشن مزید کہتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے تمام اقلیتوں کو 15 فیصد تحفظات نہیں دیئے جاسکتے تو کم از کم پسماندہ طبقات کے 27 فیصد کوٹے میں اقلیتوں کو 8.4 فیصد ذیلی کوٹہ دیا جائے جس میں سے مسلم اقلیت کو 6 فیصد اور دیگر اقلیتوں کو 2.4 فیصد ذیلی کوٹہ مختص کیا جائے۔کمیشن نے مسلم اور عیسائی دلتوں کو بھی ہندو اور دیگر مذاہب کے دلتوں کے برابر درج فہرست ذاتوں میں شامل کرنے کی سفارش کی۔[69]

اس کمیشن کے سفارشات کو جزوی طور پر عمل کرتے ہوئے حکومت نے مسلمانوں کو دیگر پسماندہ طبقات کے 27 فیصد کوٹے میں 4.5 فیصد تحفظات فراہم کرنے کا حکمنامہ جاری کیا۔مگر اسے مذہب کی بنیاد پر دئے گئے تحفظات تصور کرتے ہوئے آندھراپردیش کے ہائی کورٹ نے مسترد کردیا۔اس طرح مسلم اور عیسائی دلتوں کو درج فہرست ذاتوں میں شامل کرنے کا معاملہ بھی عدالت میں زیر بحث ہے۔

اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کو تحفظات فراہم کرنے کی سماجی، سیاسی اور قانونی بنیادوں پر مخالفت جاری ہے۔اسی طرح مسلم دلتوں کو درج فہرست ذاتوں میں شامل کرنے کی بھی شدید مخالفت کی جارہی ہے۔البتہ مرکز اور ریاستی سطح پر مسلمانوں کے چنندہ پسماندہ طبقات کو دیگر پسماندہ طبقات کے زمرے میں شامل کرکے تحفظات فراہم کرنے پر وسیع پیمانے پر اتفاق پایا جاتا ہے۔

IV۔ دیگر ریاستوں میں مسلمانوں کیلئے تحفظات

ہندوستان کی کئی ریاستیں جیسے اترپردیش، بہار، مہاراشٹر، کیرالا، کرناٹک، ٹاملناڈو اور منی پور میں کئی مسلم برادریوں کو پسماندہ طبقات میں شامل کرلیا گیا ہے۔تاہم ان ریاستوں میں تحفظات کی مقدار اور انتخاب میں یکسانیت نہیں ہے۔ ٹاملناڈو میں صرف ٹامل زبان بولنے والے مسلمانوں کو ہی پسماندگی کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ ریاست کرناٹک، کیرالا میں تمام مسلمانوں کو تحفظات حاصل نہیں ہیں۔کرناٹک میں مستثنیٰ طبقات میں کچی میمن، نوایت، بوہرہ، کونکنی یا گومتی مسلمان شامل ہیں۔کیرالا میں جن کو پسماندگی فہرست سے باہر رکھا گیا ہے، ان میں بوہرہ، کچی میمن، نوایت، نزکان اور دکھنی مسلمان ہیں۔[70]

سچر پورٹ میں مختلف ریاستوں کے پسماندہ مسلمانوں کے لئے مثبت اقدام کے لئے تین وسیع نمونوں کی

شناخت کی گئی ہے۔ پہلا نمونہ وہ ہے جس پر ریاست کرناٹک اور کیرالا میں عمل کیا جارہا ہے جس میں بالائی طبقہ کو چھوڑ کر تمام مسلم برادری کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ٹاملناڈو میں پائے جانے والے دوسرے نمونے میں مسلمانوں کی پسماندہ ذاتوں کو تحفظات فراہم کئے گئے ہیں۔ بہار میں اپنائے گئے تحفظات کے تیسرے درجہ میں مسلمان پسماندہ ذاتوں کی پسماندہ اور بہت زیادہ پسماندہ میں درجہ بندی کی گئی ہے۔[71] اس تناظر میں مختلف ریاستوں میں مسلمان برادریوں کے لئے تحفظات کی پالیسی کا مطالعہ اہمیت کا حامل ہے۔

کرناٹک میں مسلمانوں کے لئے تحفظات

1994ء میں وزیر اعلیٰ ویرپا موئیلی کے دور حکومت میں خالص مسلمانوں کے لئے II(B) درجہ میں تحفظات دئے گئے۔ حکومت نے اس کے لئے احکامات بھی جاری کئے۔[72] ابتداء میں یہ تحفظات پیشہ وارانہ کالجوں میں صرف سال 1994-1995 کے لئے تھے۔ مختلف درجوں میں تحفظات کی تفصیل اس طرح تھی۔

Category I 4 فیصد، Catergory IIA 15 فیصد، Category IIB 4 فیصد یہ صرف مسلمانوں کے لئے ہے ' Category IIIA 4 فیصد، Category IIIB 5 فیصد، درجہ فہرست ذات 15 فیصد، درجہ فہرست قبائل 3 فیصد اور مجموعی 50 فیصد۔

حکومت کے احکام میں یہ کہا گیا کہ درج فہرست ذاتوں اور قبائل (SC/ST) اور پسماندہ طبقات درجہ I کو چھوڑ کر کوئی شخص پیشہ وارانہ کورسس میں داخلہ کے لئے اہل نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ بالائی طبقہ سے نہ ہو۔ اسکے بعد کے حکمنامہ میں اوپر بتائے گئے تحفظات اور بالائی طبقہ کی پالیسی کا اطلاق دستور کی دفعہ 16 (4) کے تحت ملازمتوں میں بھی کیا گیا۔[73]

کرناٹک کے پسماندہ طبقات کمیشن نے بالائی طبقہ کی پالیسی اور شمولیت، اخراج اور املا کی تصحیح وغیرہ سے متعلق 71 سفارشات کے ساتھ اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس کمیشن کی رپورٹ کی بنیاد پر حکومت احکام مجریہ BCA 2000 SWD 225 مورخہ 30 مارچ 2002 کی اجرائی عمل میں لائی جس کی وجہ سے تحفظات کی مقدار، پسماندہ طبقات کی نظرثانی فہرست اور بالائی طبقہ کی پالیسی وغیرہ میں تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ اس نئی پالیسی کے مطابق بالائی طبقہ کی نئی

پالیسی کا اطلاق ST/SC اور درجہ اول کے پسماندہ طبقات پر نہیں ہوگا۔ درجہ II(A)، II(B) اور III(B) کے امیدوار تحفظات کے لئے بالائی طبقہ کی نئی پالیسی میں بتائے گئے طریقہ کار کے مطابق اہل ہونگے۔

درجہ I کی فہرست زائد از سو برادریوں پر مشتمل تھی جس میں قابل شناخت مسلم برادریوں جیسے جلگارا، قصاب، قصائی، سدی، سکلگر، بتالگر (سکلگر اور بشکالگر دراصل شیقلگر کا بگاڑ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو فوج کی تلواروں کو تیز کرنے کا کام کرتے تھے) نعل بند (گھوڑے کو نعل لگانے کا کام کرنے والے)، دھوبی، کمہار، چھپر بند، درویش، پھول مالی، پھلاری، پھولن، رنگریز کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ ان 14 مسلمان پیشہ وارانہ گروہوں، برادریوں کے علاوہ بازیگر، شکاری، منصوری، مسلمانوں کو بھی اس فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے درج فہرست ذاتوں کو بھی اس فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ درجہ II(B) خالص چار فیصد مسلمانوں کے لئے تھا۔ درجہ III۔(A) غالب ذات وکالگا کی ذیلی ذاتوں پر مبنی تھی، اسی طرح درجہ III(B) کی فہرست اعلیٰ ذات کے لنگایتوں کی مختلف ذیلی ذاتوں کے لئے تھی۔

ٹاملناڈو میں مسلمانوں کے لئے تحفظات

ٹاملناڈو میں برادریوں کی بنیاد پر تحفظات کا تعلیمی اداروں میں داخلوں اور ملازمتوں میں تقررات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے پسماندہ طبقات کمیشن کا قیام 1969ء میں A.N. Saithanathan کی صدارت میں عمل میں لایا گیا۔ 1971ء میں ڈی ایم کے حکومت نے پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات کو 25% سے بڑھا کر 31% اور ST/SC کے لئے 16% سے بڑھا کر 18% کرتے ہوئے جملہ تحفظات کے تناسب کو 49% تک بڑھا دیا۔

1980ء میں MGR کی AIADK حکومت بی سی تحفظات کو 31% سے بڑھا کر 50% کر دیا۔ جسکی وجہ سے مجموعی تحفظات بڑھ کر 69% ہو گئے جس میں ST/SC بھی شامل ہیں۔

1992ء میں سپریم کورٹ نے اندرا ساہنی کے مشہور مقدمہ کے فیصلہ میں حکم دیا کہ تحفظات کی مقدار بہر صورت 50% سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ 50% سے زائد تحفظات کو بچانے کیلئے حکومت ٹاملناڈو نے 1993ء میں ایک قانون کو منظور کیا اور 69% تحفظات کو ہندوستان کے دستور کے نویں جدول میں رکھنے کی مانگ کی۔ تاہم 2010

میں سپریم کورٹ نے کہا کہ اگر تحفظات 50% سے زیادہ ہوتے ہیں تو متعلقہ برادریوں کے متعلق مقداری اعدادوشمار کے ذریعہ اسکے جواز کو پیش کرنا چاہیئے ۔[74]

ٹاملناڈو میں موجودہ تحفظات کی پالیسی کے تحت کل 69 فیصد تحفظات میں سے 30 فیصد تحفظات پسماندہ طبقات کو دیئے گئے ۔اس میں 3.5 فیصد مسلم پسماندہ طبقات کو ذیلی کوٹہ دیا گیا ہے جبکہ 20% تحفظات سب سے زیادہ پسماندہ طبقات (MBCs) کے لئے ہیں ۔ 18% تحفظات درج فہرست ذاتوں کے لئے ہیں، جن میں 3% تحفظات ارونتھاتھیرس (Arunthathiars) کے لئے ہیں ۔ ٹاملناڈو میں درج فہرست قبائل کو صرف ایک فیصد تحفظات حاصل ہیں ۔

سال 2007ء میں حکومت ٹاملناڈو نے ایک آرڈیننس نمبر 4/2007 جاری کیا جس کے ذریعہ ٹاملناڈو کے پسماندہ عیسائیوں، مسلمانوں کو تعلیمی اداروں بشمول خانگی اداروں میں اور حکومتی خدمات میں تحفظات فراہم کئے گئے ۔ عیسائیوں کو 1/2 3 فیصد اور مسلمانوں کو 1/2 3 فیصد تحفظات دئے گئے ۔ چنانچہ مسلمان پسماندہ طبقات جیسے انصار، دکھنی مسلمان، ڈوڈے کولا، لبیس روتھر (Rowther) مراکیار (Morakayar) ماپیلا، شیخ کو علاحدہ طور پر 3.5% تحفظات دئے گئے ۔[75]

کیرالا میں مسلمانوں کے لئے تحفظات

1936ء میں مذہب پر مبنی تحفظات پہلی مرتبہ کیرالا میں دئے گئے، تب اس ریاست کا نام ''ٹراونکور ۔کوچین ریاست'' تھا ۔ 1952ء میں اسکو تبدیل کرتے ہوئے فرقہ وارانہ تحفظات دئے گئے اور تحفظات 45% کی حدتک تھے ۔اس میں سے 35% تحفظات OBCs کے لئے مختص تھے جس میں مسلمان بھی شامل تھے ۔1956ء میں کیرالا کی تنظیم جدید کے بعد تحفظات کا فیصد بڑھ کر 50% ہوگیا ۔جس میں سے 40 % تحفظات OBCs کے لئے تھے ۔ حکومت نے OBCs کے کوٹہ میں سے ایک ذیلی کوٹہ کے تحت مسلمانوں کو 10% کوٹہ فراہم کیا ۔ فی الحال مسلمانوں کو کیرالا حکومت کی ملازمتوں میں 12% اور پیشہ وارانہ تعلیمی اداروں میں 8% تحفظات حاصل ہیں ۔ بلا لحاظ سماجی اور معاشی رتبہ تمام مسلمانوں کو OBC کے درجہ میں رکھا گیا ہے ۔[76]

یہ بات قابل ذکر ہیکہ ہلولی محمد کٹی کمیٹی، جسے کیرالا میں سچر کمیٹی رپورٹ کے نفاذ پر غور کرنے کیلئے قائم کیا گیا تھا نے محسوس کیا کہ اگرچیکہ ریاست کیرالا میں مسلمانوں کی آبادی 26% ہے کیرالا حکومت کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی صرف 11 فیصد ہے۔[77]

بہار میں مسلمانوں کیلئے تحفظات

ریاست بہار، جہاں پر مرکزی خدمات میں OBCs کے لئے منڈل رپورٹ کے مطابق لازماً 27% تحفظات حاصل ہیں، غریب مسلمانوں کو پسماندہ ذاتوں کی درجہ بندی میں رکھا ہے۔ بہار میں کرپوری ٹھاکر کی حکومت نے پسماندہ ذاتوں کے لئے 1970 کے دہے میں تحفظات فراہم کئے۔ ''پسماندہ'' قرار دئے جانے والے مسلمانوں میں انصاری، منصوری، ادریسی، دفالی اور نعل بند وغیرہ کو تحفظات کی اسکیم میں شامل کیا گیا۔لیکن ان میں سے 3% کو ہی ملازمت کے کوٹہ سے فائدہ حاصل ہوتا رہا ہے۔ پنچایتی اداروں میں بھی مسلمانوں کو EBCs کے لئے محفوظ 20% کوٹہ میں تحفظات حاصل ہیں۔[78] اس طرح بہار میں مسلمانوں کی کئی برادریوں سوائے سید، شیخ، پٹھان اور ملک کو چھوڑ کر سب کو تحفظات حاصل ہیں اور انہیں مرکزی OBC کی فہرست میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی اونچی برادریوں نے بھی کوشش کی کہ انہیں بھی پسماندہ طبقات کی فہرست میں جگہ مل پائے۔ مثال کے طور پر 2008ء میں بہار کی نتیش کمار حکومت نے ملک برادری کو OBC فہرست میں شامل کیا، اسکے علاوہ مرکزی کابینہ نے بھی NBC کمیشن کی سفارش پر 2011ء میں مرکزی OBC فہرست میں اس برادری کو شامل کرلیا۔ تاہم، ہندو اور مسلمان OBC لوگوں نے اسکی سختی سے مخالفت کی۔[79] JD(U) لیڈر علی انور کے مطابق ''کئی مسلمانوں کو ملازمت میں تحفظات کی وجہ سے فائدہ ہوا ہے اور کئی پسماندہ مسلمان اس سہولت کی وجہ سے IAS اور IPS بنے ہیں''۔لیکن سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق بہار میں حکومتی خدمات میں مسلمانوں کی حصہ داری صرف 7.6% ہے، جبکہ اس ریاست میں مسلمانوں کی آبادی 16.9% ہے۔[80]

اتر پردیش میں مسلم تحفظات

مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی اتر پردیش میں ہے اور اس ریاست میں مسلمانوں کی سماجی زمرہ بندی بہت ہی واضح ہے۔ سچر کمیٹی نے اس ریاست میں مسلمانوں کی ذاتوں/برادروں کی درجہ بندی اسطرح کی ہے۔ (1) اشراف (وہ جنکے لئے کوئی سماجی عدم موافقتیں نہیں ہیں)' اجلاف (وہ جو ہندو OBC کے مساوی ہیں) اور ارزال (جو ہندو درج فہرست ذاتوں کی طرح ہیں)۔ چونکہ دستوری (درج فہرست ذاتوں) کا حکمنامہ 1950ء جسے صدارتی حکمنامہ (1950) کہا جاتا ہے درج فہرست ذاتوں کا موقف صرف ہندو گروہوں جو ہندو ''غیر صاف پیشوں'' سے وابستہ ہیں تک ہی محدود رکھتا ہے انکے ہم پلہ غیر ہندوؤں کو درمیانی ذات کے مسلمہ دیگر پسماندہ طبقوں کے زمرہ میں رکھا ہے۔ چنانچہ مسلمان OBCs کو دو وسیع زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جن میں حلال خور، ہیلا، لال بیگی یا بھینگی (مہتر)، دھوبی، نائی یا حجام، قصاب، چک، فقیر وغیرہ شامل ہیں اور یہ سب ارزال کے درجہ میں آتے ہیں اور یہ وہ اچھوت ہیں جو اسلام قبول کئے ہیں اور ان کو دیگر پسماندہ طبقات کی فہرست میں جگہ ملی ہے۔ اس طرح مومن یا جولاہا، درزی یا ادریسی، رائین یا کنجارا (ترکاری فروش) اجلاف ہیں اور یہ وہ ''صاف پیشہ وارانہ ذاتیں'' ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انکو بھی پسماندہ طبقات میں شامل کیا گیا ہے۔

ان میں سے اکثر برادریاں روایتی طور پر کسی خاص دستکاری یا ہنر سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں دیگر پسماندہ طبقات OBC کا موقف دیا گیا ہے۔ جسکی وجہ سے یہ کئی مثبت اقدام اسکیمات بشمول تحفظات کے اہل ہو گئے ہیں تاہم انتخاب کے طریقہ کار پر تنقید کی جاتی ہے چونکہ عدم موافقت سے گزرنے والی کئی مسلمان برداریوں کو مرکزی حکومت کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کئی برادریوں کے ہندو ہمعصروں کو اتر پردیش کی پہلی فہرست میں درج فہرست کے طور پر شامل کیا گیا ہے، تاہم مسلمان برادریوں کو اس سے خارج کیا گیا ہے۔ جیسے مسلمان نان، مسلمان موچھی اور مسلمان دھوبیوں کو انکے ہندو ہمعصروں کی طرح درج فہرست ذاتوں یا پسماندہ برادریوں کا درجہ نہیں دیا گیا تھا۔ مسلمان بندھ مستی مسلمان ڈوم اور مسلمان بانسفور (Bansphor) درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں جبکہ انکے ہندو ہمعصروں کو درج فہرست ذات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ دیگر معاشی طور پر محروم گروہ جیسے کنکلی (Kankali) اور کنگھاریا (Kangharia) کو بھی شامل نہیں کیا گیا ہے جبکہ بعض گروہوں جیسے کائستھ مسلمان اور مسلمان کمبوہ (Kamboha) کو پسماندہ طبقات میں شامل کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر 44 مسلم

برادریوں کواتر پردیش کی دیگر پسماندہ طبقات OBC کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔[81]

شناخت کردہ ان پسماندہ مسلمان برادریوں کومنڈل کمیشن کی سفارشات کے مطابق مرکزی OBC فہرست میں بھی 27% کوٹہ کے تحت شامل کیا گیا۔البتہ قمر عالم MRM کے شریک کنوینر مطابق تحفظات کے باوجود' ہندو پسماندہ گروہوں کے بڑے حصے کے مقابلہ میں پسماندہ مسلمانوں کوملازمتوں میں صرف 2% حصہ ہی مل رہا ہے''۔[82]

مغربی بنگال میں مسلمانوں کے لئے تحفظات

مغربی بنگال میں مسلمانوں کی 26% آبادی کے مقابلہ میں حکومتی خدمات میں انکی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصہ داری زیادہ سے زیادہ 4.7 سے لیکر کم سے کم 1.8% ہے۔[83]چنانچہ ریاست میں مسلمانوں کے دباؤ کے آگے جھکتے ہوئے مغربی بنگال کی حکومت نے مسلمانوں کو 2010ء سے دس فیصد تحفظات دینے کا فیصلہ کیا۔ابتداء میں صرف سماجی، تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ مسلمانوں کی 12 برادریوں کو OBC زمرہ میں رکھا گیا تھا۔مغربی بنگال پسماندہ طبقات کمیشن نے 28 مسلمان ذاتوں کی OBC فہرست میں شمولیت کی سفارش کی۔تمام مسلمانوں کوپسماندہ زمرہ قرار دینے کے بجائے ریاستی حکومت نے زیادہ سے زیادہ مسلمان ذاتوں کو OBC کے زمرہ میں رکھنے کی کوشش کی۔اور مزید طبقات کواس میں شامل کرتے گئے۔چنانچہ اس وقت تقریباً 85 مسلمان برادریوں کو OBC زمرہ میں رکھا گیا ہے۔[84]OBC فہرست میں نئے اضافوں کے بعد جملہ مسلمان OBC کی گروہوں کی تعداد 94 تک بڑھ گئی اس میں سے 63 زمرہ A میں اور 31 زمرہ B میں ہیں۔[85] مغربی بنگال کے لئے مرکزی OBC فہرست میں 9 مسلم گروہ تھے،اس میں اب اضافہ ہوکر 46 ہوگئے ہیں۔تاہم' مسلمان برادری کی جانب سے مطالبہ ہیکہ مسلمانوں کے کوٹہ کو 10% سے بڑھا کر 20% کیا جانا چاہئے۔[86]

مذکورہ بالا ریاستوں کے علاوہ 12 دیگر ریاستیں اور مرکزی زیرانتظام علاقے جیسے آسام، گجرات، ہریانہ، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، راجستھان، ہماچل پردیش، پنجاب، جموں وکشمیر، دہلی، منی پور، دادرنگر حویلی بشمول آندھراپردیش میں بھی مسلمانوں کو OBC زمرہ کے تحت مرکزی اور ریاستی سطحوں پر تحفظات حاصل ہیں۔تاہم' لکشادیپ میں تمام مسلمانوں کودرج فہرست قبائل کے زمرہ میں تحفظات دئے گئے ہیں۔اس طرح اکثر ریاستوں میں

کئی مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کو OBC فہرست کے تحت تحفظات دئے گئے ہیں۔

لیکن صرف کیرالا، کرناٹک، ٹاملناڈو، مغربی بنگال اور آندھراپردیش میں ہی مسلمان پسماندہ طبقات کو خصوصی کوٹہ مختص کیا گیا ہے۔ چنانچہ کیرالا میں مسلمانوں کو 12%، کرناٹک میں 4% زمرہ II(B) کے تحت تحفظات دئے گئے، جبکہ ٹاملناڈو میں مسلمان پسماندہ طبقات کو 3.5 فیصد اور آندھراپردیش میں BC-E زمرہ کے تحت 4% تحفظات مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کے لئے فراہم کئے گئے۔ مغربی بنگال نے بھی فیصلہ کیا ہیکہ مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کو 10 فیصد تحفظات دئے جائیں گے۔ باقی ماندہ ریاستوں میں مسلمان پسماندہ طبقات کو ہندو پسماندہ طبقات کے ساتھ ملا کر تحفظات دیئے گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے کوئی علاحدہ کوٹہ نہیں ہے۔ خصوصی کوٹہ کی عدم موجودگی میں ان ریاستوں میں مسلمانوں کو تحفظات کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو پا رہا ہے۔

اس طرح تمام ریاستوں میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ہندو پسماندہ طبقات کے مساوی پیشہ وارانہ مسلم پسماندہ طبقات کو تحفظات دئے جائیں۔ لیکن تمام مسلمانوں کو تحفظات دینے میں دستور کی بنیاد پر مخالفت کی جارہی ہے یہ کہتے ہوئے کہ مذہب کی بنیاد پر تحفظات نہیں دیئے جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آندھراپردیش ہائی کورٹ میں مسلمانوں کو دئے گئے 5% تحفظات کے لئے قانونی مسائل پیش آئے جس کی وجہ سے عدالت نے ان تحفظات کو رد کردیا۔ دستوری اور قانونی رکاوٹوں سے نمٹنے کے لئے حکومت نے تحفظات کو گھٹا کر 4% کردیا اور تمام مسلمانوں کو تحفظات دینے کے بجائے صرف 14 مسلمان پسماندہ طبقات تک تحفظات کو محدود کردیا گیا ہے۔ جسکی تفصیل آگے کے ابواب میں دی گئی ہے۔

Refrences حوالہ جات

1 Ashwini Deshpande, (2013), "Afffirmative Action in India", University Press, Oxford, New Delhi, p 44.

2 S. R. Maheshwari, (1997), "Reservation Policy in India: Theory and Practice", Indian Journal of Public Administration, July- September, No-3, p 663.

3 S.N. Singh, (1996), "Reservation Policy for Backward Classes", Rawat Publication, Jaipur, p37.

4 B.P. Mandal, (1980), "Report of the Backward ClassesCommission",Vol.1, Government of India, New Delhi, p5.

5 Times of India Archieve, dated, may 1918

6 B.A.V. Sharma (Eds), (1982), "Reservation Policy in India", Light & Life Publisher, Delhi, P4.

7 Ghanshyam Shah, (March 1991), "Social Backwardnes and Politics of Reservation", Economic and Political Weekly, p 606.

8 S. Laxman Rao, (1999), "Society State and Positive Discrimination: Institutional Interface with Mandal Commission", Hyderabad, University of Hyderabad, p14.

9 J.H. Hutton, (1946), "Caste in India: Its Nature, Functions, and Origins", New York, Harvard University Press, p 279.

10 Marc Galanter, (1984), "Competing Equalities: Law and Backward Classes in India", Delhi, OUP, Pp.7-8.

11 ایضاً،صفحات 8 تا 9

12 ایضاً،صفحہ 10

13 ایضاً،صفحات 12 تا 13

14 Declan Quigley, (1993), "The Interpretation of Caste", New York, Oxford University Press, p 6

15 محولہ 4،صفحہ 13

16 G.S. Ghurye, (1979), "Caste and Race in India", Bombay, Popular Prakashan, p 44.

17 محولہ 4،صفحہ 14

18 K.M. Panikar, (1964), "Hindu Society at Cross Roads", Bombay, asia Publisher House, p 26.

19 M.N. Srinivas, "Caste in Modern India", Bombay, Asia Publisher House, p 26.

20 محولہ8،صفحہ18

21 محولہ7،صفحہ601

22 M.S.A. Rao, (1987), " Social Movements and Social Transformation: A Study of Two Backward Classes Movements", Delhi, Manohar Publications, p xiv.

23 Ghanshyam Shah, (1990), "Social Movements in India: A Review of Litrarure", Delhi, Sage Publications, p 605.

24 محولہ8،صفحہ20

25 Report of Mandal Commission, Vol.IV, p147.

26 محولہ7،صفحات21تا22

27 Joseph Benjamin, (1989), "Scheduled Castes in Indian Politics and Socity", Delhi, EssEss Publisher, p10.

28 ایضاً،صفحہ11

29 Anirudh Prasad, (1991), "Reservation Policy and Practice in India: A Means to an End", Delhi, Deep & Deep Publications, p 43.

30 Ayesha Jalal, (1995) " Democracy and Authoritarianism in South Asia", Oxford, Cambridge University Press, p 205.

31 D.D. Basu, (1978), " Constitutional Law of India", delhi, practice Hall of India, P 412.

32 محولہ10،صفحہ132

33 Constitution of India (Urdu), (2010), New Delhi, NCPUL, Pp.45-46.

34 محولہ 14،صفحہ39

35 محولہ27،صفحات ت 36ا 37

36 محولہ12،صفحہ147

37 ایضاً،صفحہ153

38 محولہ8،صفحہ75

39 K.S. Padhy and Jayashree Mahaptra, (1988), "Reservation Policy in India", Delhi, Ashish Publication House, p 47.

40 B. Kuppu Swamy, (1992), "Social Change in India", Delhi, Concept Publication House, p 201.

41 Opcit.Andre Beteille, (1992), "The Backward Classes in Contemporary India", Delhi, OUP, p 121.

42 P.M. Bakshi, (1999), "The Constitution of India", New Delhi, Universal Law Publishing, p 26.

43 Andre Betelle, (1992), "Society and Politics in India: Essays in Comparative Perspective", Delhi, OUP, Pp.151-152.

44 محولہ12،صفحہ7

45 A.M. Shah, "The Judicial and Sociological view Other Backward Classes", in M.N. Srinivas,(Ed), (1996), " Caste: Its Twentieth Century Avatar", Delhi, Penguin Books, Pp.174-175.

46 محولہ31،صفحہ412

47 Report of the Kalelkar Commission, (1955), Government of India, Pp.2-3.

48 B.P. Mandal, Report of the Backward Classes Commission, Vol.I, Also see in Kalelkar Commission Report, Pp.11-14.

49 محولہ47،صفحات141 تا 144

50 محولہ4،صفحہ2

51 ایضاً،صفحات2تا3

52 Ranjan Prasad Yadav,(1990), "Why Mandal Commission" Third Concept, August, p 42.

53 محولہ4،صفحہ12

54 ایضاً،صفحہ53

55 ایضاً،صفحہ55

56 Andre Beteille, (September 1984), ' The Gains of Reservation: A Comparative Perspective", The Times of India.

57 Andre Beteille,(August 1982), "The Indian Road to Equality: More Jobs for More Castes", Times of India.

58 B.R. Ambedkar, (1990), "Pakistan or Partition of India", Bombay, Education Department, Government of Maharashtra, p 228.

59 ایضاً

60 A. Pashkin, (October 1962), " Education, the Muslim Elite and the Creation of Pakistan", Comparative Education Review, Vol.6, No.2, p156.

61 Manjur Ali, (September 2012), "Indian Muslim OBCs Backwardness and Demand for Reservation", Economic & Political Weekly, Vol. XLVII, No.36, Pp. 75-76.

62 Sachar Report, (2006), Government of India, p 195.

63 Theodore P. Wright, Jr, (September 1997), "A new Demand for Muslim Reservation in India", Asian Survey, Vol. XXXVII, No.9.

64 محولہ15،صفحہ77

65 محولہ4،صفحہ6

66 محولہ15،صفحہ77

67 Sachar Report(Urdu),(2006), Government of India, p-188.

68 محولہ15،صفحہ78

69 Report of the National Commission for Religious Minorities and Linguistic Minorities, Ministry of Minorities Affairs, Pp. 152-153.

70 National Commission of Backward Classes.

71 محولہ62،صفحہ192

72 G.O.No. SWD 150 BCA 94 dated: 17-09-1994.

73 G.O.No. SWD 251 BCA 94 dated: 31-01-1995.

74 http:// www. Tnpscportal.in /2014/06/69-Percentage-Reservation-System- Tamilnadu.html.7/7/13.

75 Gazette Extraordinary, (2008), Govt. of Tamil Nadu, Chennai, 5th September, p 6.

76 http://www.times of india. Indiatimes.com/india/poor-muslims-enjoy-quotas-in-four-states/article show/5725024.cms,6th March 2013.

77 Mohammed Paloli, (2008), "Kutty Committee Report for the Implementation of Sachar Committee Report in Kerala", Govt. of Kerala, Thiruvanantha Puram, p 17.

78 محولہ73

79 Ashok Yadav & Anis Khalid, (June 2011), "Travesty of Social Justice: The Curious Case of the Inclusion of Upper Caste Syed 'Mallicks' in Bihar Backward Classes List, Counter Currants.org.

80 Asghar Ali Engineer, (December 2006), " Indiaan Muslims- Reservation or No Reservations, Secular Perspective", p 1. Retrieved on 10 september 2016 from www.csss-isla.com/wp-content/upload s/2015/06/decem-1-15-2006-pdf.

81 Abdul Wahid, (2011), "Scheduling the OBCs among the Muslims in Uttar Pradesh: Discrepancies and Ireegularities", the Journal of Islam and Muslim Socities, Vol.4,No.1,Retrieved on 10-09-2016 from Muslim Societies.org.

82 محولہ73

83 Sachar Committee Report,(2006), New Delhi, Government of India, p-170.

84 BCW Department, Govt. of West Bengal, OBC List, Retrieved on 5th May 2015.

85 Md. Zinarul Hogue Biswas, (2015), "Muslim OBCs in Begal: Problems and Prospects, Islam and Muslim Societies, Vol.8, No.2, p 74.

86 http://www.twocircles .net/2010 feb08-muslims-get-10-quota-obc-west-bengal-cabinet.html#5th May 2013.

باب4

آندھراپردیش میں مسلمانوں کا موقف

Muslim Status in Andhra Pradesh

زیر مطالعہ علاقہ متحدہ آندھراپردیش، جنوبی ہندوستان کی سب سے بڑی اور ہندوستان کی پانچویں بڑی ریاست تھی اور جس کا رقبہ 2,75,909 مربع کلومیٹر تھا۔ یہ ریاست مشرق میں خلیج بنگال اور ٹاملناڈو شمال میں اڑیسہ وچھتیس گڑھ اور مغرب میں مہاراشٹرا وکرناٹک کی ریاستوں سے گھری تھی۔ اسکا 960 کلومیٹر طویل ساحل تھا۔ 2011ء کی مردم شماری کے مطابق اسکی آبادی 8.4 کروڑ ہے۔ 2 رجون 2014ء کو یہ ریاست دوحصوں آندھراپردیش اور تلنگانہ میں تقسیم ہوئی۔ اب ریاست آندھراپردیش 13 اضلاع پر مشتمل ہے، جبکہ ریاست تلنگانہ 10 اضلاع پر مشتمل ہے۔ تلنگانہ میں اضلاع تقسیم نو کے بعد انکی تعداد بڑھ کر 31 ہوگئی ہے۔

متحدہ آندھراپردیش کی 88 فیصد آبادی کی زبان تلگو ہے۔ اردو دوسری اہم زبان ہے جسے آبادی کے 8 فیصد لوگ بولتے ہیں۔ ریاست کی 88 فیصد آبادی کا مذہب ہندوازم ہے۔ مسلمان 10 فیصد آبادی کے ساتھ ریاست کا دوسرا بڑا مذہبی گروہ ہے، عیسائی جملہ آبادی کا 2 فیصد ہیں۔

آندھراپردیش کی مختصر تاریخ

آندھراؤں کا سب سے پہلا تذکرہ آئتر یا براہمنہ 1000 ق۔م میں ملتا ہے۔ مہابھارت کی جنگ میں آندھراؤں نے کوروؤں کی طرف سے جنگ کی تھی۔ آندھران سلطنتوں میں سے ایک تھی جسے یدہشٹرا کی راجسویا یاگم کے وقت سہادیوا نے فتح کیا تھا۔ آندھرا کی تاریخ کا دور موریاؤں سے شروع ہوا ہے، جبکہ یہ موریا سلطنت کا حصہ بنا تھا۔ اشوک کا کتبہ (edict) ضلع انت پور میں گوتی سے آٹھ میل دور ایرا گوڑی کے مقام پر ملتا ہے۔ چندر گپت موریا کے دربار میں یونانی سفیر اپنی کتاب انڈیکا (Indica) میں لکھتا ہے کہ آندھرا کے لوگ غیر مہذب اور فوجی طور پر طاقتور

تھے۔ انکے پاس تیس قلعے، ایک لاکھ پیدل فوج، دو ہزار گھوڑے اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔[1]

موریاؤں کے زوال کے بعد' ستواہناؤں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا اور اس علاقہ پر 221 ق۔م سے 218 عیسوی تک حکمرانی کیا۔[2] ستواہناؤں کے بعد تقریباً 700 برسوں تک آندھرا پر کئی چھوٹے چھوٹے خاندانوں، جیسے اکشواکس، پلوا، چولا، راشٹرکوٹا اور مشرقی چالوکیاؤں نے حکومت کی۔ مشرقی چالوکیہ کے ایک جاگیردار نے 1000 عیسوی میں اپنی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے کاکتیہ خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان نے 1323ء تک اور اوروگلو (موجودہ ورنگل) سے حکومت کی' جبکہ اس خاندان کے آخری حکمران پرتاپ رودرا کو دہلی سلطنت کے خلجیوں نے شکست دی۔ کاکتیہ خاندان کے زوال کے بعد ہری ہرا اور بکا جو کاکتیہ خاندان کی حکمرانی میں بحیثیت وزیر اور خزانچی خدمت انجام دیتے تھے، انہوں نے 1336ء میں ایک نئے سنگم خاندان کی بنیاد ڈالی اور ایک نیا شہر وجیانگر کو قائم کیا۔ چار خاندان سنگم، سلوا، تلوا، اور آراویدو 1565ء تک وجیانگر سلطنت پر حکومت کئے۔ اس سلطنت کے آخری حکمراں راما رایا کو تالی کوٹا جنگ میں دکن حکمرانوں کی مشترکہ افواج نے شکست دی۔

سلطنت وجیانگر کے قیام کے ایک دہے بعد دکن میں علاء الدین ظفر خان بہمنی نے 1347ء میں مسلم سلطنت کو قائم کیا۔ سلطنت بہمنی پانچ نئی سلطنتوں برار، احمد نگر، بیجاپور، بیدر اور گولکنڈہ میں تقسیم ہوگئی۔ 1512ء سے 1687ء تک گولکنڈہ پر قطب شاہی خاندان کے سات حکمرانوں نے حکومت کی۔ گولکنڈہ کے آخری حکمران ابوالحسن تاناشاہ کو اورنگ زیب نے شکست دے کر اس سلطنت کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرلیا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد کمزور مغل حکمران دکن پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکے چنانچہ دکن کے صوبیدار قمرالدین خان جو نظام الملک کے نام سے جانے جاتے ہیں' نے اپنی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے 1724ء میں آصف جاہی سلطنت کو قائم کیا۔ آصف جاہی خاندان کے سات نوابوں نے 1948ء تک حکومت کی۔ اس سال ریاست حیدرآباد کو آپریشن پولو کے ذریعہ ہندوستان کی فوج نے فتح کرلیا۔

علاقہ تلنگانہ کے تلگو بولنے والے علاقے 1956ء تک ریاست حیدرآباد کا حصہ تھے' جبکہ آندھرا اور رائلسیما کے علاقے ریاست مدراس میں تھے۔ ریاست مدراس کے تلگو بولنے والے علاقوں میں علاحدہ ریاست کا مطالبہ زور پکڑنے لگا اور پوٹی سری راملو کی شہادت کے بعد مرکزی حکومت نے 1953ء میں ریاست مدراس کے تلگو علاقوں پر

مشتمل پہلی لسانی ریاست آندھراپردیش کوتشکیل دیا۔ وشال آندھرا کے مطالبہ کے نتیجہ میں 1956ء میں ریاست حیدرآباد کا انضمام آندھرا ریاست میں کرتے ہوئے ریاست آندھراپردیش کی تشکیل عمل میں آئی۔58 برس بعد پھر ایک بار ریاست تقسیم ہوئی اور 2 جون 2014ءکودس اضلاع کے ساتھ ہندوستان کی 29ویں ریاست تلنگانہ وجود میں آئی۔ چنانچہ اس تحقیقی مطالعہ کا میدان آندھراپردیش اور تلنگانہ کی ریاستیں ہیں۔مقالہ میں آندھراپردیش سے مراد موجودہ آندھراپردیش اور تلنگانہ پر مشتمل متحدہ ریاست آندھراپردیش ہے۔

1۔ آندھراپردیش میں مسلمان کا تاریخی پس منظر

ہندوستان میں اسلام عرب تاجروں کے ذریعہ متعارف ہوا جو کیرالا کے ملابار علاقہ میں ساتویں صدی کی ابتدا میں سندھ پر 712 عیسوی میں محمد بن قاسم کے حملہ سے بہت پہلے آئے تھے۔عرب مسلمانوں کی تجارت کوذی کوڈ کے اطراف مرکوز تھی۔ 629 عیسوی میں انہوں نے کوڈونگلار (مارکوپولوکا کرانگانور) میں ایک مسجد تعمیر کئے جو شاید ہندوستان کی پہلی مسجد تھی[3] کیرالا سے اسلام جنوبی ہندوستان کے دوسرے حصوں میں خصوصاً تاجروں اورصوفیوں کے ذریعہ پھیلا۔

آندھراعلاقہ میں اسلام کا پھیلاؤ

Susan Bayly کے مطابق ٹامل ناڈو اور متصلہ آندھرا کے علاقوں میں اسلام کی جڑیں وسطی ایشیاء سے حملے کی لہروں سے بہت پہلے پھیلنے لگی تھیں۔وسطی ایشیاء سے حملوں کے نتیجہ میں شمالی ہند میں عہدوسطیٰ کی مسلم سلطنتیں وجود میں آئیں۔وہ کہتی ہیں کہ ''جنوب مشرقی ایشیاء کی تجارتی بندرگاہوں کی طرح' اسلام کا ابتدائی پھیلاؤ جنوبی ہندوستان کے پھیلے ہوئے سمندری تجارتی جال سے جڑا ہے۔عرب تاجر اور ملاح آٹھویں اورنویں صدی کی ابتداء میں کورومنڈل کے ساحل پرآباد ہوگئے اور جیسے جیسے یہ علاقہ کپڑے کی تجارت میں مرکزی رول ادا کرنے لگا تو تجارت جنوبی ہندوستان سے مغربی ایشیاءاورانڈونیشیا کے جزائر کے بندرگاہوں تک جڑگئی اورانکی تعداد میں بھی اضافہ ہوا''۔انکے مطابق اسی وقت ''یہ ممکن ہیکہ جنوبی ہندوستان میں اسلام کی توسیع میں صوفیوں کا اثر سب سے زیادہ اہم عامل رہا ہو' جنکی سرگرمیاں جنوبی ایشیاءاور مسلم دنیا کے بہت سے علاقوں میں اسلام کے پھیلاؤ میں بہت ہی اہم دکھائی دیتی ہیں۔جنوبی ہندوستان

میں بھی مسلم دنیا کے دیگر حصوں سے صوفی اسلامی نظریات اور تعلیمات کے پہنچانے میں اہم رول ادا کئے ہیں"۔ اپنے اس بیان کی تائید میں وہ اناطولیہ، انڈونیشیاء آفریقہ اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت سے متعلق کئی ماہرین کا حوالہ دیتی ہیں۔[4]

سوسان بائیلی اس نتیجہ پر پہنچتی ہیں کہ "انڈونیشیائی جزائر کی طرح ممکنہ طور پر صوفی روایت کا آغاز جنوبی ہندوستان میں ابتدائی مسلمان تاجروں اور ملاحوں سے ہوا ہو، جو اس علاقہ سے آٹھویں اور نویں صدی میں آئے تھے۔ وہ لکھتی ہیں کہ نویں اور دسویں صدیوں میں مشرقی وسطی اور جنوب مشرقی ایشیاء سے قریبی ربط رکھنے والے مسلم ساحلی لوگ پورے کورومنڈل ساحل پر بسے تھے جسکی وجہ سے تامل۔ عربی تمدن اسی طرح پیدا ہوا جس طرح ملائی۔ موپلا تمدن ملابار (شمالی کیرالا) میں تھا۔ سوسان بائیلی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کورومنڈل ساحل پر آنے والے صوفیوں اور مغربی ایشیاء سے آنے والے تاجر جو پھیلتے پھیلتے موجودہ آندھرا پردیش کے جنوبی حصے میں پلی کٹ تک پھیل گئے تھے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی کی ابتداء میں جنوبی ہنوستان کی مسلم آبادی ساحلی علاقوں سے نکل کر ٹاملناڈو کے اندرونی علاقوں میں پھیل گئے۔ جنوبی ہند کے اندرونی علاقوں میں بھی تجارت اور صوفی روایات ساتھ ساتھ چلے"۔ سوسان بائیلی کے مطابق اندرونی علاقوں میں مسلم آبادیوں کے علاقوں میں سے ایک نیلور ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ سال 1800ء تک ٹامل مک میں تقریباً چھ لاکھ مسلمان تھے۔ اس سے متصلہ تلگو علاقوں میں، خصوصا ساحل سے جڑے اور نیلور پینو کنڈہ جیسے مراکز میں خاصی تعداد میں مسلمان ہیں۔[5]

اسلام کے پھیلنے کے اسباب

ہندوستان میں اسلام کے پھیلنے سے متعلق کئی نظریات اور نکتہ نظر ہیں، جن میں جبر اور فتح کے نظریات بھی شامل ہیں، انکے علاوہ سیاسی سرپرستی اور سماجی آزادی (چھٹکارا نجات) کے نظریات بھی ہیں۔ کئی مطالعوں سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ روایتی طور پر عوام کے پچھڑے اور محروم طبقات ذات پات کے روایتی نظام کے خلاف اور اپنی نسلوں کی بہتری کیلئے اسلام میں داخل ہونے کو ہی ان پر تھوپے گئے، پچھڑے پن کا صحیح جواب سمجھنے لگے۔[6]

ایٹن (Eaton) نے ہندوستان میں اسلام کو اپنانے کے عمل کا بہتر مطالعہ کیا ہے۔ دوسرے وضاحتوں کو رد

کرتے ہوئے سماجی نجات کے نظریہ کو سب سے جدید نظریہ مانتے ہیں۔لیکن وہ اس وضاحت میں کچھ شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں چونکہ ایرانی ماخذ یہ بتاتے ہیں کہ واعظین وصوفیاء وغیرہ کی جانب سے بتائے جانے والا اسلام کثرت خدا کے خلاف وحدانیت کے متعلق تھا ایک مثالی سماجی مساوات کے متعلق نہیں۔[7]

یہ تنقید کئی ایک وجوہات کی بناء پر زیادہ بہتر معلوم نہیں ہوتی۔عوام کے لئے یہ اہم نہیں ہے کہ مبلغین اور استاد کیا بتائے اور کس بات پر زور دیتے ہیں۔عوام کے لئے اہم یہ ہے کہ اپنی خود کی زندگی میں اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ ہیر یڈیا مثال دیتے ہوئے یہ لکھتی ہے کہ عیسائی مشنری 18 اور 19 ویں صدیوں کے دوران جنوبی ہندوستان میں اعلیٰ ذاتوں میں عیسائیت کو پھیلانے کی اپنی کوششوں میں ناکام ہوئے وہ صرف نچلی ذاتوں اور حاشیائی لوگوں کو راغب کر سکے جو مشنریوں سے ذات پات پر مبنی اپنے مسائل سے نمٹنے میں مدد حاصل کر پائے۔ابتدائی مشنری نے سماجی کنٹرول اور تبدیلی کے لئے اوپر سے نیچے کی طرف کے نمونہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی توجہ اعلیٰ ذاتوں پر مرکوز کی تھی۔ مشنریوں کو یہ یقین تھا کہ اگر وہ اعلیٰ ذاتوں خصوصاً برہمنوں کو جیت لیتے ہیں تو وہ بہ آسانی نچلے طبقات کو بھی جیت سکتے ہیں۔تاہم ٗایسا نہیں ہوا بلکہ اعلیٰ ذاتوں نے مشنریوں کی مزاحمت کی اور اس طرح انکی حکمت عملی ناکام ہوئی۔اس ناکامی کے بعد توجہ نچلی ذاتوں ''اورنا'' پر مرکوز کی گئی۔[8]

ہیر یڈیا نے ٹاملناڈو کے انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک Paraihs، آندھرا میں مادیگا اور مالا، پنجاب اور اتر پردیش میں مذہبی سکھ اور چرہا، لال بیگی اور چرمار، گجرات میں دھیڑ اور مہاراشٹر میں مہار اور مانگ اور دیگر نچلے طبقات میں عیسائیت کو فروغ کی تفصیلات بتائی ہے۔ہیر یڈیا لکھتی ہیں کہ ''یہ ذاتیں اپنی مظلومیت کو بدلنے کے لئے نئے مواقعوں کی تلاش میں تھے اور انکے سامنے کھلنے والے نئے مواقعوں کا فائدہ اٹھائے''۔[9]

سماجی چھٹکارا کے اس تصور کو ہماری موجودہ قدروں کے اظہار کے طور پر دیکھنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس دور کے نچلی ذاتوں کے عوام کے لئے کسی تعلق خاطر کے اظہار کی ضرورت ہے۔ایک معذوری یہ ہے کہ نچلی ذاتوں کی اسلام کے لئے تحریکات کی اس طرح دستاویز بندی نہیں کی گئی ہے، جیسی کہ نچلی ذاتوں کی عیسائیت کی طرف تحریکات کی گئی ہے۔حتیٰ کہ دوسری شہادت بھی اس جانب اشارہ کرتی ہے۔مثال کے طور پر ٗ1883ء ضلع کرشنا کے مینول میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''یہ صحیح ہیکہ اگر مذہب تبدیل کرنے والا نچلی ذات سے ہو تو یہ اسکے زندگی میں سماجی طور پر اونچا ہونے کے

باعث ہے۔ایک اچھوت رامی گاڈو یا دیہات میں کام کرنے والا موچی جو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لئے محفوظ باولی سے پانی نہیں لے سکتا تھا، اگر مسلمان ہوجاتا ہے' اسکی داڑھی بڑھ جاتی ہے' وہ اپنے آپ کو عبدالحسن کہتا ہے کہ تو وہ بلا کسی خطرہ کے اعلیٰ ذات کے لئے محفوظ ہندوؤں کی باولی سے پانی لے سکتا ہے۔[10]

فارس کے ماخذ یہ بتاتے ہیں کہ مذہبی مبلغین کی جانب سے اسلام کی تبلیغ میں کثرت خدا کے مقابلہ میں خدا کی وحدانیت پر زور دیا جاتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والے دوسرے پہلوؤں جیسے نسبتاً زیادہ مساوات، وقار اور عزت نفس سے اسلام کی طرف راغب ہوئے ہوں۔ دوسرا حالیہ واقعہ 1981ء میں میناکشی پورم میں دلتوں کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ ہے۔ مستقل بے عزتی 1959ء کے رامنتا پورم کے فسادات اور بعد کے ٹاملناڈو کے ترون ویلی ضلع میں میناکشی پورم کے دلت خاندانوں جنکا تعلق دیویندر کلاتھن طبقہ سے ہے، پر ہوئے طبقاتی فسادات کے نتیجہ میں یہ بڑے پیمانے پر اسلام قبول کئے۔ 19/فروری 1981ء میں 200 خاندان اور 23/مئی 1981ء کو مزید 27 خاندان اسلام قبول کئے۔ یہ لہر ترون ویلی، رامنا تھاپورم اور مدورائی کے دیہاتوں تک پھیل گئی۔ چنانچہ 13/اگست 1981ء میں پارلیمانی امور کے مطالعاتی گروہ کو بتائے گئے حکومت ٹاملناڈو کی ایک رپورٹ کے مطابق 1713ء خاندانوں نے اسلام قبول کیا۔ اس بات پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ 1981ء میں میناکشی پورم اور 19ویں صدی میں کرشنا ضلع میں قبولیت اسلام کی وجوہات ایک ہی تھیں۔[11]

ہندوستانی مسلم سماج میں سماجی شناختیں

مسلمان اسکالرس میں پایا جانے والا عمومی احساس بھی یہی ہے کہ نچلی ذاتوں کے لوگوں نے ذات پات کے نظام سے چھٹکارا پانے کے لئے اسلام کے آغوش میں آئے۔ چنانچہ سید شہاب الدین نے ''مسلم انڈیا'' میں لکھے اپنے ایک اداریہ میں کہتے ہیں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ 90 تا 95 فیصد ہندوستان کے مسلمان اسلام قبول کرنے والے ہندوؤں کی اولاد ہیں۔[12] ان میں سے 80 تا 90 فیصد کا تعلق نچلی ذاتوں کے شودر اور اچھوتوں سے ہے۔ ان دونوں میں سے اسلام کو قبول کرنے میں اچھوتوں کا تناسب شودروں سے زیادہ ہے چونکہ اولذکر ہندو درجہ بندی سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے' انکے پیشے گندے تھے اور سماجی اثاثہ جات جیسے زمین انکے پاس نہیں تھی۔ سید شہاب الدین

کے مطابق ''ہندوتان میں مسلمانوں کے تناسب کا حساب اس مفروضہ پر لگایا جاسکتا ہے کہ جیسے کوئی ذات کی اونچی سیڑھی پر پہنچتا ہےتو تبدیلی مذہب کی لہر میں کمی ہوتی جاتی ہےجسکی وجہ سے بیرونی پیدائش رکھنے والے مہاجرین اوراعلیٰ ذات سے تعلق رکھنےاوراسلام قبول کرنے والوں کا تناسب تقریباً15-10 فیصد ہے۔

ہندو نچلی ذاتوں کا اسلام قبول کرنے کے لے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے سوامی ویویکانندا'' کولمبو سے الموڑا تک خطبات''میں دیئے گئے ایک خطبہ ''ہندوستان کا مستقبل''(1897) میں کہا تھا کہ ''مسلمانوں کا ہندوستان کو فتح کرنا نچلے اورغریب عوام کیلئے نجات تھی۔اسی لئے تو ہمارے 1/5 عوام مسلمان ہوگئے۔ یہ سب کچھ تلوار سے نہیں ہوا۔ یہ سمجھنا اعلیٰ درجہ کا پاگل پن ہوگا کہ یہ سب کچھ تلوار سے اور طاقت سے ہوا ہے۔اور آپکے مدراس کے 1/5 طلبہ بلکہ آدھے عوام عیسائی بن جائیں گے اگر آپ ان کا خیال نہ رکھیں۔ ملک ملابار میں جو میں نے دیکھا۔غریب اچھوت کو اس راستے سے گذرنے کی اجازت نہیں تھی جس راستے سے اعلیٰ ذات کا انسان چلتا تھا،اگروہ اپنا نام جوڑتوڑکر انگریزی میں تبدیل کرے تو پھر ٹھیک ہے: اگر مسلمان نام رکھ لے تو یہ اور بھی ٹھیک ہے۔شرم آنی چاہئے انہیں جنھوں نے اس طرح کے بدمعاش اورشیطانی رسوم کی اجازت دی۔[13]

ہندوستان میں اسلام کی طرف راغب ہونے والوں کی سماجی شناخت کے متعلق اکثر اسکالرس کے نقطہ نظر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ندیم حسنین کہتے ہیں کہ ''ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی کی ایک بڑی اکثریت ہندو ذاتوں سے آئی ہے جوظلم اور سماجی و معاشی نااہلیتوں سے نکلنے کے لئے اسلام کو قبول کئے۔ وہ اسلام کے سماجی مساوات کے اصول سے بھی متاثر ہوکر اسلام کی طرف جھکے''۔انکے مطابق' تاریخی طور پر اب یہ بات مسلمہ ہے کہ ہندوستان کے زیادہ تر مسلمان عرب یا دوسرے علاقوں سے نہیں آئے جہاں سے کہ اسلام کا پیغام آیا ہے۔مسلمان تاجر اور قبائیلی بزرگ صوفی ہندوستان میں اسلام کے ابتدائی مرحلے کی نمائندگی کرتے ہیں جو ہندو سماج کے کچلے ہوئے مظلوم طبقات کو اپنی جانب راغب کیا اورانہیں اسلام کی آغوش میں لے لیا''۔[14]

اعجاز علی کے مطابق ''ہندوؤں میں مذہب کی تبدیلی زیادہ تر ہریجن ذاتوں میں ہوئی ہے۔ یادوکرمی یا کویری پسماندہ ذاتوں میں نہیں''۔اعجاز علی کی ہریجن ذاتوں سے مراد صرف درج فہرست ذاتیں ہی نہیں ہیں بلکہ اس میں پسماندہ ذاتوں کے بالائی حلقہ کو چھوڑ کر پسماندہ ذاتوں کا نچلا حلقہ بھی ہے۔[15] اقبال احمد انصاری کہتے ہیں کہ '' آج

کے ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی اکثریت دیسی یا مقامی درج فہرست ذاتوں اور دیگر پسماندہ طبقات سے تعلق رکھتی ہے جنکی سماجی و پیشہ وارانہ ساخت انکی تعلیمی پسماندگی کو آج بھی جاری رکھی ہے''۔

اشفاق حسین انصاری کے مطابق ''زیادہ تر اقلیتیں ہندو مذہب سے مذہب تبدیل کرنے والوں کی ہے۔ انہیں مقامی مسلمان، عیسائی یا سکھ کہا جاتا ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والوں میں زیادہ تر درج فہرست ذاتوں یا نچلی ذات کے ہندو ہیں۔ بہت کم مسلمان ہی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ عرب، ایران، ترکی اور مصر سے آنے والوں کی راست اولاد ہیں۔ تبدیل مذہب کرنے والے چند مسلمان اس بات کا عویٰ کرتے ہیں کہ وہ اعلیٰ ہندو ذات سے تعلق رکھتے ہیں''۔

اصغر علی انجینئر کے مطابق ''عہد وسطیٰ میں تمام مسلمانوں کا تعلق حکمران طبقات سے نہیں تھا ہندوستان میں صرف چند مسلمانوں کا تعلق اعلیٰ ذاتوں سے تھا۔ اسلام قبول کرنے والے ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی اکثریت ہندو سماج کے شودروں سے تھی۔ یہاں ہم جبری تبدیلی کے تنازعہ میں پڑنا نہیں چاہئے۔ یہ کہنا ہی کافی ہے کہ تبدیلی مذہب کے پیچیدہ عمل کی کوئی ایک وضاحت پوری طرح کافی نہیں ہے۔ یہاں پر یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خصوصاً دلتوں نے مذہب کو کسی جبر یا دباؤ کے تحت نہیں بلکہ رضا کارانہ تبدیل کیا ہے۔ شودراؤں نے بڑے پیمانے پر اسلام کو اس لئے قبول کیا ہے کہ ان مظلوم عوام کو اسلام زیادہ جمہوری اور مساوات پر مبنی دکھائی دیا۔[16]

دکن اور آندھرا میں مسلمانوں کی درجہ بندی

دلی سلطنت کے مسلم حکمران کی دکن میں پہلی فوجی مہم علاء الدین خلجی کی دیوگری کی یادو سلطنت کے خلاف 1296ء میں ہوئی تھی۔ لیکن دکن بشمول موجودہ آندھرا پردیش میں مسلم سماج کا ظہور اس حملہ سے بہت پہلے ہوا تھا، جسے اسوقت تلنگ۔ آندھرا کہا جاتا تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی سے عرب تاجر تھانے سے بھٹکل تک ساحلی علاقہ میں بندرگاہوں کے قریب مختلف مقامات پر بعد میں جنوب تک آباد ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں، ساحلی بستیاں، جن میں چند مسلم مبلغین اور صوفی تھے قصبوں اور دیہاتوں کے مراکز میں بس گئے ۔ یہ آبادیاں دکن کی تین سلطنتوں (یادوں کا دیوگری، ورنگل کے کاکتیہ، دوارا سمدرم کے ہوئسالہ) میں تھیں ان میں سے اکثر بزرگان دین دابھول، بھٹکل اور مغربی

ساحل کے دیگر بندرگاہوں سے دکن آئے تھے۔ جبکہ دیگر بزرگان دین خصوصاً جو آج مشرقی مہاراشٹر اور تلنگانہ میں ہیں شمالی ہندوستان سے آئے تھے۔[17]

بعد میں یہ مراکز مقدس زیارت گاہوں (درگاہوں) میں تبدیل ہوئے جہاں متعدد ہندو اور مسلمان معتقدین پہنچنے لگے۔ اسی چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں دکن آنے والے دیگر مسلمان صوفیوں کی درگاہیں مقدس مقامات بن گئے اور بڑی تعداد میں لوگ انکے مریدین یا معتقدین بن گئے۔ 1379ء میں گلبرگہ میں 111 برس کی عمر میں انتقال کر جانے والے بزرگ سراج الدین جنید کا مقبرہ انکی موت کے بعد سے ہی عرس کا مرکز بن گیا۔ دکن کے سب سے اہم و مشہور صوفی بزرگ سید محمد گیسودراز جنکا خوبصورت مقبرہ گلبرگہ میں ہے اور جسے احمد شاہ نے بنوایا تھا' دور دور تک پھیلے معتقدین کا مرکز ہے۔ گلبرگہ کے قریب آلند میں مخدوم شیخ علاء الدین انصاری کی درگاہ انکی موت کے بعد سے ہی ایک مقدس عبادت گاہ بنی۔ انکے سالانہ عرس میں بھی بڑی تعداد میں معتقدین جمع ہوتے ہیں۔ نکتن (Nikitin) اس عرس کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سال میں ایک مرتبہ میلہ (عرس) لگتا ہے اور پورے ملک ہندوستان سے لوگ تجارت کے لئے یہاں دس یوم تک رہتے ہیں۔ یہاں پر بیچنے کیلئے گھوڑے لائے جاتے ہیں......دوسرے ہمہ اقسام کے سامان بھی لائے جاتے ہیں۔ سرزمین ہندوستان میں یہ سب سے بہترین میلہ ہوتا ہے۔ یہاں پر لایا جانے والا سارا سامان شیخ علاء الدین کی یاد میں فروخت ہو جاتا ہے''۔[18]

1318ء کے بعد شیواجی کی قیادت میں مرہٹوں کے عروج تک کے تین سو سال تک پورا دکن، تنگبھدرا کا شمالی علاقہ مسلم سلطانوں کی حکمرانی میں رہا۔ اس کی وجہ سے بڑی حد تک مسلمانوں پر مشتمل ایک نئی اشرافیہ اس علاقہ میں ابھری۔ یہ اشرافیہ اور حکمران طبقہ کے اراکین کے دو گروہ تھے' دکنی اور غریب یا نو وارد''۔[19]

چودھویں صدی کی ابتداء میں دکن میں بڑی تعداد میں صوفی بزرگ گزرے۔ یہ مختلف سلسلے کے صوفی بزرگ تھے۔ ایک روایت کے مطابق دہلی کے خواجہ نظام الدین اولیاء کے کہنے پر تقریباً سات سو صوفی بزرگوں کی ایک جماعت دہلی سے نکلی اور دکن آ کر مختلف جگہوں پر اپنے مراکز قائم کئے اور جنوب میں نیچے تک پھیل گئے۔ مبلغین کی اس جماعت کے رہنما منتجب الدین زرزاری زربخش تھے جو خود دولت آباد کے باہر ایک دیہات میں بس گئے جو خلد آباد کہلاتا ہے۔ انکا انتقال 7 ربیع الاول 709ھ/15 اگست 1309ء کو ہوا۔ انکے انتقال پر انکے بڑے بھائی برہان الدین غریب

شاہ نے حضرت نظام الدین اولیاء کی ہدایت پر دکن کی طرف کوچ کیئے۔صوفی بزرگوں کی دوسری لہر برہان الدین کی قیادت میں 1309ء میں دکن آئی اور پورے جنوب میں پھیل گئی۔ان صوفی بزرگوں کا مشن دکن اور اس سے آگے جنوب میں اسلام کی تبلیغ کرنا تھا۔[20]

ہندوستان میں اسلام کو پھیلانے والے مسلمان تاجر اور صوفی بزرگ مبلغین تھے۔یہ بات جزیرہ نما ہند بشمول آندھراپردیش کے متعلق اور بھی زیادہ صحیح ہے۔اسلام قبول کرنے والے عوام کی اکثریت کا تعلق نچلی ذاتوں سے تھا۔یہ وہی ذاتیں ہیں جنہیں دستور کی اصطلاح میں انہیں درج فہرست ذاتیں اور سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات/دیگر پسماندہ طبقات کہا جاتا ہے۔لیکن شمالی ہند اور جنوبی ہند بشمول آندھراپردیش میں انکے ناموں میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔

ماءقبل آزادی آندھرا ضلع کے مینول اور گزیٹس

ماءقبل آزادی کے دور کے مینول اور ضلع کے گزٹ ہمیں مدراس پریسڈنسی اور ریاست حیدرآباد کے تلنگانہ اضلاع کے سماجی طبقات کے متعلق کچھ تصویر پیش کرتے ہیں۔ضلع بیلاری کا مینول سب سے قدیم ترین ہے(جسکا ایک حصہ اب آندھراپردیش کے اضلاع اننت پور اور کرنول میں ہے)۔شمالی ارکاٹ ضلع کے مینول (جو آج کے آندھراپردیش کے ضلع چتور میں شامل ہے)۔ضلع کرشنا کا مینول (جس میں ضلع گنٹور بھی شامل ہے) اور ضلع کرنول کا مینول، ضلع بیلاری کے مینول میں مسلمانوں کے پانچ طبقات سید، شیخ، پٹھان، مغل اور لبے (Labbay) کا ذکر ملتا ہے۔[21]

1881ء کے ضلع شمالی ارکاٹ کے مینول کے مطابق جسے Arthur F.Cox نے ترتیب دیا تھا' مسلمانوں میں جملہ 9 طبقات تھے(1) دودے کولا (2) شیخ ،(3) سید (4) پٹھان (5) مغل (6) لبّے (7) نوایت (8) عرب اور (9) موپلا۔دودے کولا کو جوٹامل اور تلگو علاقوں میں رہتے ہیں زیادہ تر پنچارے کہا جاتا ہے، دونوں ہی اصطلاحوں سے مراد روئی صاف کرنے والے ہیں۔Cox بتاتا ہے کہ دودے کولا اصل میں شیخ تھے۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیخ آندھراپردیش میں دور دور تک پھیل گئے تھے۔[22]

ڈپٹی کلکٹر پیابلی' کرنول نرہری گوپال کرشنما شٹی کا 1886ء مرتب کردہ مینول میں بتاتا ہے کہ کٹی کاونڈلو ذات

جو گوشت فروخت کرتے تھے یا تو مراہٹا تھے یا مسلمان تھے۔ان میں سے کچھ کو سلطانی قصاب کہتے تھے۔

1905ء کے انت پور کے ضلع کا گزٹ جسے Francis W نے مرتب کیا تھا میں ڈوڈے کولا اور لبےّ دو طبقات کا ذکر کرتا ہے۔اسکے مطابق وہ مسلمان آبادی کا 13 فیصد تھے۔فرانسس ایک ایسے طبقے کا حوالہ دیتا ہے جسے مونڈوتولوکار (Mondu Tulukar) کہا جاتا تھا۔یہ عموماً پتھر کاٹنے والے تھے جو اپنی چھوٹی بستیوں میں مڈا کا سیرا تعلقہ کے جنوب۔مغرب میں رہتے تھے۔وہ دوسرے مسلمانوں سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔چوتھا ایک گمنام طبقہ ہے جو رولاّ (Rolla) کے قریب مڈا کا سیرا تعلقہ میں رہتا ہے۔یہ ایک چھوٹا سا طبقہ جو مذہبی رسومات کو انجام دیتا ہے'۔[23]

وشاکھا پٹنم ضلع کا گزٹ 1907 مسلمانوں کے دو گروہوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ان میں سے ایک کو جمعیت کہا جاتا ہے جو اپنی الگ بستیوں میں رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ حیدرآباد سے آکر مقیم ہونے والے سپاہیوں کی اولاد ہیں اور انہوں مقامی پروجا (Paroja) خواتین سے شادیاں کئے۔دوسرا طبقہ جسکا ذکر کیا گیا ہے دودے کولا ہے۔[24]

ضلع کڑپہ کا گزٹ 1915ء جسے Bracken burry نے مرتب کیا ہے بتاتا ہے کہ مسلمانوں میں کئی طبقے بہت ہی کسمپرسی کی حالت میں ہیں اور سماج میں انکا مقام بہت ہی نچلے درجہ پر ہے۔ان میں سے زیادہ تر کا پیشہ تجارت اور کپڑا بننا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ دودے کولا کا روایتی پیشہ روئی کو صاف کرنا ہے۔لیکن کارخانوں کے قیام سے ان کی پیشہ متاثر ہوا اور ان میں سے اکثر زراعت کو اپنا لئے ہیں۔Bracken burry مزید یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ طبقہ ضلع میں جملہ مسلم آبادی کا 17 فیصد ہے۔دوسرے گروہ جنہیں وہ شیخ کہتا ہے تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔اسکے مطابق شیخ ضلع کی مسلم آبادی کا 5/8 یعنی 62.5 فیصد ہیں اس سے کہ آندھراپردیش میں مسلمانوں کی سماجی ساخت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔[25]

ضلع گوداوری کے مینول 1915ء میں مسلمانوں کے اعلیٰ عہدیداروں کے سماجی رتبہ کو بتایا ہے۔اس میں راجمندری میں گورنمنٹ آرٹس کالج میں مسلمان طلبہ کو دی جانے والی امداد کا حوالہ دیا گیا۔یہ بورڈنگ ہاوز فنڈ کو جمع کرنے کا بھی ذکر کرتا ہے جسے موظف ڈپٹی کلکٹر سید علی صاحب بہادر جمع کیا کرتے تھے اور غریب و نادار مسلم طلباء کو وظیفہ دینے کے لئے وقف کئے تھے۔انکے نام سے پتہ چلتا کہ وہ سید تھے۔[26]

1916ء میں شائع ضلع بیلاری کا گزٹ Francis نے مرتب کیا تھا اس میں مسلمانوں کے چھ ذیلی گروہوں کا ذکر ہے۔ فرانسس کے مطابق ''ان میں سے اکثریت اپنے آپ کو شیخ یا سید کہلاتے تھے اور بیرونی طبقہ جیسے مغل یا پٹھان بہت ہی کم تھے''۔ رائلسیما کے انضمانی اضلاع میں ڈوڈے کولا کی آبادی زیادہ تھی۔ فرانسس نے جس دوسرے طبقہ کا ذکر کیا ہے وہ قصائی طبقہ ہے۔[27]

ماء بعد آزادی آندھرا ضلع کے گزٹ

آندھرا پردیش کے قیام کے بعد 1960ء کے دہے میں ضلعی گزٹ پر نظر ثانی کی گئی۔ اور اس کام کے لئے 1970ء کے دہے میں ریاستی سطح کے ایڈیٹر کا تقرر کیا گیا۔ یہ گزٹ بھی مسلمانوں کی سماجی ساخت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آزادی سے قبل کے گزٹ اور مینول اور آزادی کے بعد کے گزٹ میں دیئے گئے مسلمانوں کی سماجی ساخت میں تسلسل دکھائی دیتا ہے۔

ماء بعد آزادی کے دور کے گزٹس میں سے ضلع کڑپہ کا 1967ء کا گزٹ جسے B.H. Siva Sankara Naryanan نے مرتب کیا ہے، اس میں یہ تذکرہ ہے کہ مسلمانوں کی سماجی زندگی کا طرز بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح کا طرز پورے علاقہ میں ہے۔ وہ اس تضاد کو نوٹ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اسلام میں ذات پات نہیں ہے''۔ اسکے باوجود مسلمانوں میں تین قسم کے گروہ دکھنی، مغل اور پٹھان پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہیکہ دکھنی کی شادیاں باقی دو مغل اور پٹھان سے بہت کم ہی ہوا کرتی ہیں۔ لیکن ''اب یہ تفریق تیزی سے ختم ہو رہی ہے'' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''پیشہ وارانہ بنیادوں پر ذات پات کا نظام مسلمانوں کی آبادی کے نچلے درجوں میں جاری ہے''۔[28]

آزادی کے بعد آندھرا پردیش کے دیگر اضلاع کے گزٹس کے مقابلہ میں ضلع اننت پور کا 1970ء کا گزٹ جسے B.H. Sivasankara Naryana نے مرتب کیا ہے مسلمانوں اور مسلمان گروہوں کے متعلق زیادہ تفصیلات دیتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ضلع کے مسلمانوں کی درجہ بندی سید، شیخ، پٹھان، مغل اور لبےّ میں کی جاسکتی ہے۔ ''ضلع میں شیخ کی تعداد سید کے مقابل میں زیادہ ہے اور پٹھان کی تعداد آبادی میں شیخ سے کچھ کم ہے''۔ وہ اس بات کا بھی ذکر کرتا ہے کہ دودے کولا یا پنجاروں میں سے بعض نے تیل نکالنے کا کام بھی کر رہے ہیں۔ لبےّ ہندو سے مسلمان بننے والوں کا

ایک مخلوط طبقہ ہے اور انکی تعداد ضلع میں بہت ہی کم ہے۔ 1905ء میں فرانسس نے جن منڈی ترکلو Mondi Turakalu) کا ذکر کیا تھا یہاں پر بھی انکا ذکر دوبارہ ملتا ہے۔ مڈکسیرا تعلقہ میں انکے محلے کا نام آج بھی وہی رولّا (Rolla) ہی ہے۔ فرانسس نے جہاں ان لوگوں کا پیشہ پتھر پھوڑنا بتایا تھا' وہیں اس گزٹ میں ان کا پیشہ پتھر پھوڑنے کے ساتھ ساتھ چوڑیاں بیچنا بھی بتایا ہے۔ ابتدائی ریکارڈ کے مطابق یہ لوگ بھیک بھی مانگتے تھے اور اس وقت تک یہ گھر کے سامنے سے نہیں ہٹتے تھے جب تک کہ انہیں بھیک نہیں ملتی تھی۔ انکے نام سے قبل ''مونڈی'' شاید انکی اسی بات کو بتاتا ہے۔ بے عزتی پر مبنی اس طرح کے نام کئی ذاتوں کو دیئے گئے ہیں۔ اس گزٹ میں مسلمانوں میں شادی کی روایتی پابندیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ''مسلمان بھی ذات پات کے تعلقات پر مبنی چند پابندیوں کو اپنائے ہیں۔ سید' جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حضور صلعم کی اولاد میں سے ہیں' دوسرے طبقہ کے مسلمانوں کو اپنی بیٹیاں شادی میں نہیں دیتے، حالانکہ اس طرح کی پابندیاں اب آہستہ آہستہ ختم ہورہی ہیں''۔[29]

1974ء کا ضلع کرنول کا گزٹ، سید، شیخ، مغل، پٹھان، لبے، مولا، عرب اور ڈوڈے کولا کو اہم مسلمان گروہ بتاتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ دوسرے تمام کے مقابلہ میں شیخ کی آبادی زیادہ ہے۔[30]

ضلع چتور کا گزٹ بتاتا ہے کہ شیخ، سید، مغل، پٹھان اور دودے کولا مسلمانوں کے اہم گروہ تھے اور دوسرے طبقات کے مقابلہ میں شیخوں کی آبادی زیادہ تھی۔ کرنول اور چتور اضلاع کے گزٹ یہ بتلاتے ہیں کہ صرف دودے کولا کے سواء دوسرے مسلمانوں کے پیشے محدود نہیں تھے بلکہ وہ زندگی گزارنے کے لئے کسی بھی پیشہ کو اختیار کرتے ہیں۔[31]

ساحلی اضلاع جیسے ضلع مشرقی گوداوری کا گزٹ 1970ء اور کرشنا ضلع کا گزٹ 1977ء بھی مسلمانوں کے اہم گروہوں جیسے شیخ، سید، مغل اور پٹھان کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ دوسرے تمام گروہوں کے مقابلہ میں شیخ آبادی میں زیادہ ہیں۔ علاوہ ازیں یہ گزٹ یہ بھی بتاتے ہیں کہ عام طور پر کہا جائے تو مسلمان کوئی ایک یا خصوصی پیشہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام میدانوں میں دکھائی دیتے تھے۔[32]

نیلور اور وشاکھا پٹنم اضلاع کے گزٹ اور 1979ء کا ضلع مغربی گوداوری کا گزٹ اوپر دی گئی تفصیلات سے اتفاق کرتا ہے۔ اسکے علاوہ، وشاکھا پٹنم کا گزٹ، سریکاکولم کا گزٹ 1979 اور مغربی گوداوری کے گزٹ ڈوڈے کولا طبقہ کے متعلق بتاتے ہیں۔[33] نیلور ضلع کا گزٹ بتاتا ہے کہ دودے کولا روئی صاف کرنے والوں کا گروہ تھا۔ ضلع گنٹور

کے گزٹ میں مزید کچھ تفصیلات دی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی کا بڑا حصہ مذہب تبدیل کرنے والے ہندوؤں کی اولاد پر مشتمل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رائلسیما ہی کی طرح ضلع گنٹور میں بھی دودے کولا کی آبادی زیادہ ہے۔ مسلمانوں میں شیخ کی آبادی ساحلی اضلاع میں دیگر مسلم طبقات کے مقابلہ زیادہ بتائی گئی ہے۔[34]

ما قبل آزادی اضلاع تلنگانہ کے گزٹ

تلنگانہ اضلاع میں مسلمان ذاتوں اور طبقات کی تفصیلات نظام کے دور کا ذکر اضلاع نظام آباد، کریم نگر، نلگنڈہ، ورنگل (جس میں کھمم بھی شامل ہے)، محبوب نگر اور عادل آباد کے گزٹ میں موجود ہے۔ یہ گزٹ 1340 اور 1345 فصلی مطابق 1931ء اور 1936ء کے ہیں، جنہیں مظہر حسین ڈائرکٹر اعداد و شمار نے 1940ء میں شائع کیا تھا۔ ان گزٹس میں مسلمانوں کے اہم ذاتوں کا جدول 1340 فصلی (1931ء) کی بنیاد پر دیا گیا ہے، جس میں ضلع واری شیخ، سید، پٹھان، اور مغل آبادی کا فیصد تفصیلات اسطرح بتائی گئی ہیں۔[35]

ضلع	شیخ	سید	پٹھان	مغل
نظام آباد	73	18	6	4
کریم نگر	62	29	6	4
نلگنڈہ	74	15	5	5
ورنگل	73	14	8	5
محبوب نگر	80	11	7	2
عادل آباد	49	18	17	16

Source: The District Gazetteer, for the year 1931 to 1936, Dept of Hyderabad State, 1940

ان تمام اضلاع میں ان طبقات میں غیر شامل مسلمانوں کی تعداد قابل نظر انداز ہے یا صفر سے تھوڑی زیادہ ہے۔

ماء بعد آزادی تلنگانہ اضلاع کے گزٹ

1970ء اور 1980ء کے دہوں میں نظر ثانی کئے گئے آندھرا پردیش کے گزٹوں، یعنی آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد ضلع محبوب نگر کا گزٹ 1976، میدک کا گزٹ 1976، ورنگل کا گزٹ اور ضلع کھمم کا گزٹ، ان تمام میں شیخ، سید، مغل اور پٹھان مسلمانوں کے اہم گروہ تھے اور شیخ مسلمانوں کی آبادی دوسرے تمام گروہوں سے زیادہ تھی۔[36]

تلنگانہ کے دوسرے اضلاع کے گزٹ مذکورہ بالا تفصیلات سے اتفاق کرتے ہوئے کچھ زائد حقائق بھی دیتے ہیں۔ 1976ء کا عادل آباد کا گزٹ مسلمانوں کے مزید تین گروہوں کچی، کھوجہ، اور لداف کا بھی ذکر کرتا ہے۔[37] مذکورہ لداف گروہ، دراصل دودے کولا گروہ ہی ہے۔ ضلع نلگنڈہ کے گزٹ میں عمومی چار گروہوں کے علاوہ مزید دو گروہوں بوہرا اور دودے کولا گروہوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔[38]

1983ء کے ضلع حیدرآباد کے گزٹ میں شیخ، سید، مغل اور پٹھان کو اہم نسلی گروہ بتایا گیا ہے۔[39] مزید اس بات کا تذکرہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں بوہرہ واحد اہم تجارتی طبقہ ہے اور کھوجہ و میمن دیگر مسلم تجارتی طبقات ہیں۔ مسلمان آبادی میں عربوں کے ساتھ پٹھان باہر سے آنے والے لوگ ہیں جنکی بھرتی نظام کی افواج میں ہوئی تھی۔ لدافوں کا بھی ذکر ہے۔ اس گزٹ میں بیرونی افراد کے طور پر ترکوں، عربوں اور ایرانیوں کا ذکر ہے۔ تقریباً تمام گزٹ میں ہی یہ کہا گیا ہے کہ مسلمان کسی ایک پیشہ تک محدود نہیں ہیں اور وہ زندگی کے ہر میدان میں دکھائی دیتے ہیں۔

رائلسیما کے مسلمانوں کی سماجی ساخت

محمد عرفان نے اپنی تصنیف میں رائلسیما کے مسلمانوں کی سماجی ساخت پر بحث کی ہے۔ مصنف ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق ایک بہت ہی اہم بات کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''ہندوستانی مسلمانوں کی کثیر تعداد کی نسلی ابتداء پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ کی پسماندگی تاریخی ہے جو انکے اسلام قبول کرنے کے دور ہی سے تھی''۔ انکا مطالعہ رائلسیما کے چار اضلاع پر مشتمل ہے جہاں پر آندھرا پردیش کے تین علاقوں میں سب سے زیادہ یعنی 12.5 فیصد مسلمان رہتے ہیں۔ تاراچند کے حوالہ سے وہ اس حقیقت کو سامنے لاتے ہیں کہ جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اس علاقے پر علاء الدین خلجی کی فتوحات سے بہت پہلے ہی ہو چکی تھی۔ انہوں نے صوفی بزرگ

جیسے پینو کنڈہ حضرت بابا فخر الدین اور تریچور پلی (ٹاملناڈو) کے حضرت تھڈ شاہ ولی کے اثر کا ذکر کیا ہے جنہوں نے نچلی ذات کے ہندوؤں خصوصاً دودے کولا طبقہ کو مسلمان بنایا تھا۔[40]

مقامی تبدیلی مذہب کے عمل کے بعد نومسلموں کی جانب سے رسوم ورواجوں کی برقراری کا ذکر کرتے ہوئے مصنف کہتا ہے کہ علاقہ رائلسیما میں ایسے کئی مسلمان گروہ ہیں جو مختلف ہندو ذاتوں سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ جنکی مثال دیہی رائلسیما میں دودے کولا اور دیگر مسلمانوں کی ہے، یہ لوگ اسلام میں کسی بیرونی دباؤ یا بہلانے پھسلانے کی وجہ سے داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی ذاتی دلچسپی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر صوفی بزرگوں کے اثر سے ہوئے تھے۔ اس طرح صدیوں سے ہندو سماج سے تعلقات وروابط اور ہندوؤں کے خصوصاً نچلی ذاتوں کے بڑے پیمانے پر قبولیت اسلام کی وجہ سے مسلمانوں میں ذات پات کا عنصر فروغ پایا۔ اسلام کو قبول کرنے والے نو وارد اگر چیکہ اسلام کے نظریاتی بنیادوں کو تو قبول کئے، لیکن وہ اپنے اصلی/ابتدائی ذات پات کے سماج کی گہری روایتوں اور رسومات کو مٹا نہیں سکے۔ دوسری طرف، مسلمان بھی ہندوؤں سے طویل تمدنی تعلقات کی وجہ سے انکے رسوم ورواجوں کو اپنا لیا۔ چنانچہ رائلسیما میں مسلمان آبادی میں کچھ گروہ اور طبقات ہیں جو ذات پات کی خصوصیات رکھتے ہیں، جنکی نوعیت مختلف ہے لیکن ہندو ذاتوں کی طرح نہیں۔[41]

قبولیت اسلام کے وجوہات کے بارے میں عرفان بتاتے ہیں کہ ذات پات کے نظام سے چھٹکارا دلانے اور سماجی رتبہ دلانے کا وعدہ اور مساوات کا اصول قبولیت اسلام کے لئے تحریک بنے۔ جو اسلام میں داخل ہوئے زیادہ تر لوگوں کا تعلق معاشی طور پر غریب اور ہندو سماج کے سماجی طور پر مظلوم و کچلے طبقات سے تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو روایتی درجہ بند سماج کا ایک حصہ تھے، جس میں سخت درجہ بندی کے اصول تھے اور یہ ہزار برس سے علاحدگی اور ماتحتی کی زندگی گذار رہے تھے۔

عرفان کے مطابق، رائلسیما کے مسلمانوں کی درجہ بندی سید، شیخ، پٹھان، قریش اور دودے کولا یا پنجاروں میں کی جاسکتی ہے۔ لیکن انکا یہ دعویٰ ہے کہ یہ درجہ بندی ذاتوں کے درجہ بند ریتوں کی بنیاد پر نہیں ہے۔ تمام ذیلی تقسیم تقریباً یکساں رتبہ کی حامل ہے۔ وہ اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں چھوت چھات کا عمل نہیں ہے اور دعوتوں کے موقع پر کھلے طور پر سب مل جل کر کھاتے ہیں۔ جہاں وہ یہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں میں دوسرے طبقے سے

تعلق رکھنے والوں کے ساتھ شادیوں پر کوئی روک یا پابندی نہیں ہے' اسکے باوجود انکا مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کے چند ذیلی طبقات میں گروہ کے اندر ہی شادی کرنے (گوت بیاہ)(Endogamy) کا رواج ابھی بھی ہے۔ چنانچہ سید نسل خون کی خالصیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور کچھ پیشہ وارانہ گروہ جیسے دودے کولا، قصاب، دھوبی وغیرہ بھی آپس میں ہی شادی کو ترجیح دیتے ہیں۔ عرفان کہتے ہیں کہ اگر چیکہ اکثر مسلمان اشراف اور اجلاف کے تصور کو نہیں جانتے لیکن بعض طبقات جیسے سید اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ خصوصاً سید آپس میں شادیوں کے ذریعہ اپنی شناخت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں''۔ انکے مطابق صرف سید ہی اپنے خون کی خالصیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔[42]

آندھرا پردیش میں مسلمانوں کی سماجی درجہ کا ایس۔اے۔اے صاحب کا خاکہ

آندھرا پردیش میں موجود مسلمانوں کے کئی سماجی گروہوں میں سے صرف ڈوڈے کولا یا پنجارے یا نور باش کی ہی طویل عرصہ سے شناخت ہے یا سب انہیں جانتے ہیں۔ آندھرا پردیش کے دو مسلمان سماجی گروہوں کی بابت شیخ عبدالعزیز صاحب نے ''ہندوستان کے عوام'' کی سیریز میں انتھراپالوجیکل سروے آف انڈیا آندھرا پردیش کی جلد میں بتایا ہے کہ ''ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی ذات کی طرح کے گروہ ہیں''۔ لیکن مسلمانوں کی ذات اور ہندوؤں کی ذات میں فرق یہ ہیکہ مسلمانوں کے ذات کے نظام میں کوئی نظریاتی ڈھانچہ نہیں ہے اور ہندوؤں کا روایتی ورنہ نمونہ، سخت نوعیت اور اداراتی عدم مساوات یا درجہ بندی کے جو تعلقات ہندوؤں کے ذات کے نظام میں پائے جاتے ہیں وہ مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ صاحب کے خاکہ کے مطابق' مسلمانوں کے ہاں ذات کی بنیاد پیشہ ورانہ ہے اور تمدنی طور پر مختلف ہے۔[43]

انہوں نے آندھرا پردیش میں مسلمانوں کے چودہ گروہوں، جیسے سید، شیخ، پٹھان، لبی، قریش، عطار سائیبلو، اتار، گروہ مہدی، چکے ٹکارے، بورے والے، گراڈی، حجام، فقیرہ بڈبڈ کی اور دودے کولا کا مطالعہ کیا ہے۔ اسکے سماجی رتبہ کے متعلق صاحب یہ کہتے ہیں' ''یہ گروہ انکے روایتی پیشہ اور گوت بیاہ کی بنیاد پر وجود میں آئے۔ سماجی درجہ بندی میں سید اونچے مقام پر ہیں۔ چونکہ وروایتی طور پر مذہبی طبقہ ہیں۔ انکا دعویٰ ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کی حقیقی نسل ہیں۔ شیخ سماج

میں دوسرے مقام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ حکمران طبقہ سمجھے جاتے ہیں۔ پٹھان سماج میں تیسرے مقام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انکے متعلق کہا جاتا ہیکہ یہ ان فوجیوں کی اولاد ہیں جنھوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ لبی کو چوتھا مقام حاصل ہے۔ انہیں نچلا رتبہ اس لئے ملا ہے چونکہ یہ عربوں کی اولاد ہیں جو ہندوستان کو تجارت کے لئے آئے تھے اشاعت اسلام کے لئے نہیں۔ انہوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں بھی کیں اور ہندوستان میں بس گئے۔ پانچواں مقام قریش کو ہے' یہ عرب کے قریش قبیلہ کی اولاد ہیں، جس سے کہ پیغمبر اسلام کا تعلق ہے اسکے بعد عطر کے تاجر عطار، سائبلو کا مقام ہے۔ اتاروہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی عیدوں کے موقع پر استعمال کی جانے والی چھوٹی موٹی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ گروہ مہدی اتار سے نچلے مقام پر ہیں۔ انہیں شیعہ سمجھا جاتا ہے۔ چکے ٹکارے، موٹر گاڑیوں کا تجارت کرتے ہیں۔ بورے والے تاڑ کے پتوں سے بوررئے بنتے ہیں، اسکے بعد گراڈی والے ہیں۔ سب سے نچلی سطح پر روئی صاف کرنے والے دودے کو لا حجام، فقیر، بڈبڈ کی سب سے آخری رتبہ کے حامل ہیں۔ ڈوڈے کو لا کو آخری مقام اس لئے ہیکہ وہ اپنے پیشہ میں اونی صاف کرنے کیلئے ایک ایسے دھاگے کو استعمال کرتے ہیں جو مردہ مویشیوں کی آنتوں سے بنایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ مردہ مویشی چھوکر کام کرتے ہیں اس لئے درجہ بندی میں انہیں سب سے نچلا مقام حاصل ہے اور وہ مذکورہ بالا مسلمان گروہوں سے شادیاں رچانے کے اہل نہیں ہوتے۔

اس طرح آندھرا پردیش میں مسلمانوں کی سماجی درجہ بندی اس طرح ہے۔

1۔ سید

2۔ شیخ

3۔ پٹھان

4۔ لبی

5۔ قریشی، عطار۔ سائبلو، اتار، گروہ مہدی

6۔ چکی ٹکارے، بوروالے، گراڈی

People of India (ہندوستان کے عوام) کی 2003ء کی اشاعت میں آندھرا پردیش میں 391 طبقات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے 24 مسلمان طبقات ہیں جو اس طرح ہیں۔

(1) عرب، (2) عطار سائیلو، (3) بوہرہ، (4) چکی ٹکارے، (5) دھوبی، (6) ڈوڈے کولا، (7) فقیر بڈبڈ کی، (8) گراڈی، (9) گوسنگی، (10) حجام رنائی، (11) ایرانی، (12) قصاب، (13) لبّی، (14) مہتر، (15) مغل، (16) نور باشاہ، (17) پٹھان، (18) قریشی، (19) شیخ، (20) شیعہ امامی راسماعیلی رکھوجہ، (21) سدی، (22) سید، (23) بورے والے، (24) گڈی ایلگو والو۔ان میں سے قصاب اور قریش ایک ہی ہیں ۔[44]

ان میں سے ہر ایک طبقہ پر مختلف اسکالرس نے مطالعہ کیا ہے اور جن میں ۔Edgar Thrustan کی قدیم تصنیف ''جنوبی ہندوستان کی ذاتیں اور قبائیل'' اور انکے ہمعصر سید سراج الحسن کی تصنیف ''نظام کے علاقوں کی ذاتیں اور قبائل'' اہم ہیں۔ان مطالعوں سے بھی ریاست آندھراپردیش میں پائے جانے والے مسلمانوں کے مختلف طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات

یکم اکٹوبر 1953ء کو جب آندھرا ریاست کی تشکیل ہوئی تو اسے متحدہ ریاست مدراس کی پسماندہ طبقات کی فہرست وراثت میں ملی ۔اس کو چند ایک تبدیلیوں کے ساتھ جاری رکھا گیا۔ جب آندھراپردیش کی تشکیل ہوئی تو اسے وراثت میں ریاست آندھرا اور احیدرآباد کی پسماندہ طبقات کی فہرستیں ملیں۔اس طرح یکم نومبر 1956ء کے بعد وہ فہرستیں ایک برائے آندھرا علاقہ اور ایک برائے تلنگانہ علاقہ تھیں۔21رجون 1963ء کو ایک مشترکہ فہرست جاری کی گئی۔ جسے ہائی کورٹ نے شری سکھد یو و دیگر بمقابلہ حکومت آندھراپردیش مقدمہ میں کالعدم قرار دیا۔اسکے بعد پسماندہ طبقات کی ایک نئی فہرست 29 جولائی 1966ء کو جاری کی گئی۔اس فہرست کو بھی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے حکومت آندھراپردیش اور پی ساگر مقدمہ میں کالعدم کردیا۔ان تمام فہرستوں میں مسلمانوں کا ذکر صرف ڈوڈے کولا طبقہ تک ہی محدود تھا۔

1970 میں ریاست کی پہلی پسماندہ طبقات کمیشن کو مسلمانوں میں صرف دو طبقات ایسے دکھائی دیئے جو تعلیمی اور سماجی طور پر پسماندہ تھے۔ یہ دو طبقات مہتر اور ڈوڈے کولا تھے جنہیں لداف، پنجارے، نور باش بھی کہا جاتا ہے جو روایتی طور پر روئی دھنکنے، بستر تیار کرنے، تکیہ بنانے اور نوار کی پلنگ بنانے کا کام کرتے تھے۔ان دو طبقات کے متعلق

کمیشن نے ان دوطبقات کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی سفارش کرتا ہے۔[45]

تاہم، حکومت کی جانب سے 1970ء میں اننت رامن کمیشن کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے جاری کردہ پسماندہ طبقات کی فہرست میں مہتر کو شامل نہیں کیا گیا بلکہ ڈوڈے کولا اور اس طرح کے ذیلی گروہوں کو ہی اس فہرست میں جگہ ملی۔اس چوک کو بعد میں محسوس کرتے ہوئے حکومت نے 1972ء میں مسلمان مہتر کو بھی اس فہرست میں شامل کرلیا۔اسطرح آندھراپردیش کی پہلی پسماندہ طبقات کی فہرست میں مسلمانوں میں سے صرف دوطبقات کو رکھا گیا۔

این کے مرلیدھر کی صدارت میں آندھراپردیش کے دوسرے پسماندہ طبقات کمیشن 1982ء کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں پہلے سے شامل ڈوڈے کولا اور دوسرے طبقات نے انہیں اس فہرست میں شامل رکھنے کے لئے نمائندگی کی۔اس کمیشن نے ڈوڈے کولا اور اسکے برابر دیگر ذیلی گروہوں کی سفارش کی، لیکن مسلمان مہتر کو فہرست سے خارج کردیا، انہیں بنیادوں پر جنہیں اننت رامن کمیشن نے بتایا تھا۔قریشی (قصاب) طبقے پسماندہ طبقات میں اپنی شمولیت کی وکالت کیا۔

کمیشن نے اس بات کو نوٹ کیا کہ ہندو قصاب کو جسے کاٹیکا اور ارکاٹیکا کو پہلے ہی انکے پیشہ کی وجہ سے فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔ چونکہ انکے پیشہ کو کم تر نظروں سے دیکھا جاتا ہے اسکے علاوہ تعلیمی طور پر بھی یہ پسماندہ ہیں۔ مسلمان قصاب بھی اسی طرح کی کمزوریوں کا شکار ہیں اور انکے پیشہ کو بھی مسلم سماج میں کم تر نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور انکے ساتھ کیا جانے والا سلوک بھی صحیح نہیں ہے۔سماجی رتبہ میں بھی وہ ارکاٹیکا اور کاٹیکا کے مساوی ہیں اور سماجی رتبہ یا تعلیمی پسماندگی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ کمیشن نے اس طبقہ کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی سفارش کی۔کمیشن کے مطابق 1971ء کی مردم شماری کے مطابق قریش برادری کی آبادی ریاست میں مسلمانوں کی 35 لاکھ آبادی کے مقابلے میں 5 لاکھ تھی۔[46]

1994ء میں پٹوسوامی کمیشن کانگریس حکومت کی جانب سے 14 ذاتوں بشمول کاپوؤں اور مسلمانوں کو تحفظات کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے قائم کی گئی تھی مگر پوٹوسوامی نے 7 سال تک عہدہ پر رہنے کے باوجود اپنی رپورٹ پیش نہیں کی۔اسکے علاوہ ریاست آندھراپردیش میں دلواسبرامنیم کمیشن قائم کیا گیا۔سبرامنیم کمیشن کے مشیر کے طور پر پی ایس کرشنن کو مقرر کیا گیا۔انہوں نے بھی مسلم پسماندہ طبقات پر اپنی ایک خصوصی رپورٹ پیش کی۔

2004 میں کانگریس حکومت نے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو 5 فیصد تحفظات دیئے مگر عدالت نے یہ کہتے ہوئے اسے خارج کر دیا کہ اس کے لئے ریاستی پسماندہ طبقات کمیشن کی رائے نہیں لی گئی ہے۔تب 2005 میں حکومت نے جسٹس دلوائی سبرامنیم کی قیادت میں پسماندہ طبقات کمیشن قائم کیا گیا۔اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں تمام مسلمانوں کو پسماندہ قرار دیتے ہوئے 5 فیصد تحفظات کی سفارش کی۔ہائی کورٹ نے اس کی عمل آوری پر بھی روک لگادی۔

حکومت نے ان قانونی پیچیدگیوں کو حل کرنے اور مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کی نشاندہی کرنے کے لئے پی ایس کرشنن کی واحد رکنی کمیٹی قائم کیا اس کمیٹی نے مسلمانوں کے چودہ طبقات کو پسماندہ طبقات کے طور پر پیش کیا اور 50 فیصد کی حد بندی کے تئیں مسلم پسماندہ طبقات کو 5 کے بجائے چار فیصد تحفظات فراہم کرنے کی سفارش کی۔اس کے مطابق ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات 4 فیصد تحفظات دیئے جارہے ہیں۔البتہ اس پر اعلیٰ عدالت کا آخری فیصلہ آنا باقی ہے۔[47]

آندھراپردیش میں مسلمان آبادی

آندھراپردیش میں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی ہے۔2011ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی جملہ آبادی 84580777 ہے جس میں سے مسلمان 8082412 ہیں جو جملہ آبادی کا 9.56 فیصد ہوتے ہیں۔دوسری اقلیتیں جیسے عیسائی، سکھ، بدھسٹ اور جین بالترتیب، 1.34 فیصد، 0.05 فید، 0.04 فیصد اور 0.06 فیصد ہیں۔حیدرآباد میں مسلمانوں کی آبادی کا زبردست ارتکاز ہے اور وہ جملہ آبادی کا 43.45 فیصد ہیں۔مسلمانوں کی دوسری بڑی آبادی ضلع کرنول میں 16.54 فیصد اور تیسرے نمبر پر ضلع نظام آباد میں 15.34 فیصد اور رنگاریڈی میں 11.65 فیصد ہے۔ضلع وجیانگرم میں مسلمانوں کی آبادی سب سے کم 0.32 فیصد ہے۔

جدول4.1: آندھرا پردیش میں مسلمانوں کی آبادی (ضلع واری) 2011 کی مردم شماری

سلسلہ نمبر	ریاست/ضلع	جملہ آبادی	مسلم آبادی	مسلم آبادی کا فیصد
1	آندھرا پردیش	84580777	8082412	9.56
2	حیدرآباد	3943323	1713405	43.45
3	کرنول	4053463	670737	16.54
4	نظام آباد	2551335	391596	15.34
5	رنگا ریڈی	5296741	617518	11.65
6	گنٹور	4887813	559770	11.45
7	میدک	3033288	342449	11.28
8	اننت پور	4081148	443456	10.86
9	عادل آباد	2741239	275970	10.06
10	نیلور	2963557	288378	9.73
11	چتور	4174064	397870	9.53
12	محبوب نگر	4053028	334172	8.24
13	کرشنا	4517398	307043	6.79
14	پرکاشم	3397448	220654	6.49
15	کریم نگر	3776269	244723	6.48
16	کھمم	2797370	158887	5.67
17	ورنگل	3512576	197333	5.61

18	نلگنڈہ	3488809	188646	5.40
19	مغربی گوداوری	3936966	86142	2.18
20	مشرقی گوداوری	5154296	77777	1.56
21	وشاکھاپٹنم	4290589	86330	2.01
22	سریکاکولم	2703114	9025	0.33
23	وجیانگرم	2344474	7704	0.32

Source:Census of India 2011

مسلمانوں کا تعلیمی موقف

2011 کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں مسلمانوں کے تعلیمی موقف کے مقابلے میں آندھراپردیش میں انکا موقف بہتر ہے۔ ریاست کی سطح پر بھی مسلمانوں کی 68 فیصد خواندگی ریاست کی 67.2 فیصد کے اوسط کے مقابلے میں بہتر ہے۔ جبکہ ہندوؤں کا ریاست میں خواندگی کا اوسط 63.6 فیصد ہے۔[48] اگرچیکہ ریاست میں مسلمانوں کی خواندگی شرح دوسرے طبقات کے مقابلہ میں بہتر بتائی جاتی ہے، لیکن مسلمانوں کی تعلیمی سطح اطمینان بخش نہیں ہے۔تحتانیہ سے پوسٹ گریجویشن اور Technical Diploma سطح تک داخلے لینے والے مسلمانوں کا فیصد جملہ طلبہ میں 6 سے 10 فیصد ہے۔

مسلمانوں میں خواندگی کی شرح اور تعلیمی اداروں میں انکے داخلے کے درمیان فرق اس حقیقت کو بتایا ہے کہ خواندگی کی تعریف مناسب طور پر متعین نہیں کیا گیا ہے۔ مسلمان صرف قرآن پڑھنا جانتا ہے اسے خواندہ نہیں کہا جاسکتا۔تعلیم کے مختلف سطحوں میں مسلمانوں کے داخلہ کے اعداد وشمار یہ حقیقت بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبادی کے مقابلے میں انکا تعلیمی اوسط اطمینان بخش نہیں ہے۔

2011ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست میں مسلمانوں کے تعلیمی موقف کے بارے میں اعدادوشمار یہ بتاتے ہیں کہ مسلم طلباء کی تعداد پرائمری، اپر پرائمری میں انکا فیصد بالترتیب 10.81 فیصد اور 10.06 ہے جبکہ ان کے

فیصد میں ثانوی سطح تک آتے آگے گراوٹ دیکھی گئی ہے۔البتہ انٹرمیڈیٹ میں مسلم آبادی کی تعداد انکی آبادی کے فیصد 9.56 کے مقابلہ میں زیادہ یعنی 11.50 فیصد ہے۔مگر مسلم طلباء کی یہ تعداد میں پھر ڈگری سطح پر کمی آگئی جو 8.30 فیصد ہے۔اسی طرح غیر تکنیکی ڈپلوما سطحوں پر مسلم طلباء کی تعداد قابل لحاظ ہے مگر تکنیکی ڈپلومہ میں انکا اوسط بہت کم یعنی صرف 6.27 فیصد ہے۔اس طرح کل ملاکر پرائمری سے ڈگری سطح تک مسلم طلباء کی تعداد 10.04 فیصد ہے جو انکی آبادی کے برابر ہے۔جسکی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 4.2: آندھراپردیش میں مسلمان طلباء (2011ءمردم شماری آندھراپردیش)

سلسلہ نمبر	تعلیمی سطح	جملہ طلباء	مسلم طلباء	مسلم طلباء کا فیصد
1	پرائمری (اول تا پنجم)	13449300	1454064	10.81
2	اپر پرائمری (ششم اور ہفتم)	7437519	748866	10.06
3	آٹھویں اور نہم	5572154	522838	9.38
4	جماعت دہم	8585481	834601	9.72
5	انٹرمیڈیٹ	5643010	648970	11.50
6	ڈگری	5577387	463255	8.30
7	غیر تکنیکی ڈپلومہ	94498	12192	12.90
8	تکنیکی ڈپلومہ	705274	44263	6.27
	جملہ	47,064,623	4,729,049	10.4

Source: Census of India 2011

ریاست آندھرا پردیش میں شہری و دیہی علاقوں میں مرد و خواتین کی خواندگی

شہری و دیہی صنفی خواندگی کی شرحیں بتاتی ہیں کہ شہری مرد زیادہ خواندہ ہیں شہری خواتین کے مقابلہ میں اور ان دونوں کے درمیان 12.76 فیصد کا فرق ہے۔ انہی خطوط پر دیہی مرد اور خواتین کے درمیان 14.63 فیصد کا فرق ہے۔ مسلم طبقہ میں بھی مرد و خواتین کے مقابلے میں زیادہ خواندہ ہیں۔ مسلمانوں کی خواندگی کی شرح شہروں میں مردوں کا 53.70 فیصد ہے۔ جبکہ خواتین میں 46.29 فیصد ہے۔ اور دیہی علاقوں میں مرد 57.18 فیصد اور 42.81 فیصد خواتین خواندہ ہیں۔ اس طرح شہری علاقوں میں مسلم مردوں کی خواندگی کی شرح دیہی مردوں کے مقابلہ میں کم ہے۔ اس کے برعکس مسلم خواتین شہری علاقوں میں دیہی علاقوں کے مقابلہ میں زیادہ خواندگی ہیں۔ ہندو طبقوں میں بھی مسلمانوں کی طرح شہری علاقوں کی بہ نسبت دیہی علاقوں میں مردوں کی خواندگی شرح زیادہ ہے اور خواتین شہری علاقوں میں دیہی علاقوں کے مقابلہ میں زیادہ خواندہ ہیں۔ جسکی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 4.3: خواندگی شرح دیہی رشہری مرد و خواتین میں (2011 کی مردم شماری آندھرا پردیش)

سلسلہ نمبر	مذہب رطبقہ	مرد		خواتین	
		شہری	دیہی	شہری	دیہی
1	تمام	92.06 فیصد	57.31 فیصد	79 فیصد	42.68 فیصد
2	ہندو	53.85 فیصد	57.37 فیصد	46.14 فیصد	42.62 فیصد
3	مسلم	53.70 فیصد	57.18 فیصد	46.29 فیصد	42.81 فیصد
4	عیسائی	50.37 فیصد	52.60 فیصد	49.62 فیصد	47.39 فیصد

Source: Census of India 2011

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آندھرا پردیش کے مسلمانوں کی خواندگی قومی سطح کی خواندگی سے بہتر ہے۔ مگر جیسے جیسے تعلیم کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے مسلمانوں کی شرح میں کمی واقع ہو رہی ہے روزگار سے جوڑنے والے اعلیٰ تعلیم میں مسلمان بہت پیچھے ہیں۔

مسلمانوں کی معاشی حالت

آندھراپردیش میں مسلمان معاشی ترقی میں سب سے نیچے ہیں۔غربت کی سطحیں، کام میں شرکت کی شرح، اورحکومت کی ترقیاتی اسکیمات میں انکی حصہ داری بتاتی ہیکہ مسلمان قومی اوسط اور دیگر سماجی۔ مذہبی گروہوں سے پیچھے ہے۔

مسلمانوں کی کام میں شرکت

کام میں شرکت (WPR) سے مخصوص آبادی کی معاشی سرگرمی میں شرکت کا اندازہ ہوتا ہے۔عموماً کام میں کم شرکت معاشی پسماندگی کی علامت ہوتی ہے، چونکہ خاندان کی آمدنی بھی کم ہوگی۔تاہم، کئی سماجی، تمدنی عوامل کسی سماج رطبقہ کی کام میں شرکت کا تعین کرتے ہیں۔مثال کے طور پر اچھے خوشحال گھرانوں کی خواتین کام میں شریک نہیں ہوتیں چونکہ ایسا کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی معاشی مجبوری نہیں ہوتی۔مسلمانوں میں کام میں شرکت کی شرح دیہی علاقوں کے مقابلہ میں شہری علاقوں میں کچھ بہتر ہے۔

ریاست آندھراپردیش میں کام میں شرکت کی شرح تمام کے لئے 72.5 ہے، جبکہ ہندوؤں کے لئے 73.7 اور مسلمانوں کے لئے 59.4 ہے۔اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کام میں شرکت کا فرق بہت بڑا ہے۔[49] مسلمانوں کی کام میں مجموعی شرکت بہت کم ہے چونکہ مسلم خواتین کی معاشی سرگرمی بھی کم ہے۔ سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت خود روزگار سرگرمی میں مسلمان کام گروں کی زیادہ حصہ داری ہے خاص طور پر شہری علاقوں اور خاتون کام گروں میں یہ زیادہ ہے۔لیکن مسلمان کام گروں کی تنخواہیں سرکاری و خانگی شعبہ میں بہت ہی نچلی سطح پر ہے۔مسلمان ورکرس کا ایک بڑا حصہ چھوٹے موٹے کاروبار سے جڑا ہے اور رسمی روزگار کے شعبہ میں انکی شرکت قومی اوسط سے کم ہے۔غیر پیداواری میدان میں ٹھوک اور چلر فروخت کے کاروبار میں مسلمان کام گروں کا ایک بڑا حصہ ہے۔

جدول4.4: ریاست آندھرا پردیش میں کام کرنے والی آبادی کا تناسب 2004-05

دیگر اقلیتیں	مسلم 59.4 فیصد		ہندو۔73.7 فیصد		
	جنرل	بی سی	جنرل	بی سی	درج فہرست ذات وقبائل
69.8	60.3	55.3	64.9	75.5	79.3

Source: Sachar Committee Report, 2006, p 349

مسلمانوں میں غربت

ریاست میں SRC's کے درمیان غربت میں فرق کا تجزیہ بتا تا ہے کہ آندھرا پردیش میں مسلمان بہت زیادہ غریب ہیں۔ مجموعی طور پر انکی حالت ایس سی/ایس ٹی سے تھوڑی بہتر ہے۔ دیہی علاقوں کے مقابلہ میں، مسلمانوں کو شہری علاقوں میں زیادہ محرومی کا سامنا ہے۔ جدول 7 اور 8 شہری و دیہی غربت میں فرق کو بتاتے ہیں۔

جدول4.5: ریاست آندھرا پردیش میں شہری غربت کی شرح 2004-05

دیگر اقلیتیں		مسلم	ہندو			آندھرا پردیش
	مسلم (بی سی)	جنرل	دیگر پسماندہ طبقات	درج فہرست ذات وقبائل	کل	
16	35	11	27	41	25	26

Source: Sachar comittee Report, 2006, p 159

جدول4.6: ریاست آندھرا پردیش میں دیہی غربت کی شرح 2004-05

دیگر اقلیتیں		مسلم	ہندو			آندھرا پردیش
	مسلم (بی سی)	جنرل	دیگر پسماندہ طبقات	درج فہرست ذات وقبائل	کل	
04	07	02	06	16	08	08

Source: Sachar comittee Report, 2006, p 159

حکومت کے پروگراموں میں مسلمانوں کی حصہ داری

حکومت کے مختلف فلاحی پروگراموں میں مسلمانوں کی حصہ داری بھی حوصلہ افزاء نہیں ہے۔ آگہی کی کمی، نفاذ کی ایجنسیوں کی بے حسی اور پروگرام کے نشانہ میں حصہ داری نہ ہونا اسکی چند وجوہات ہیں؛ حالانکہ یہ پروگرامس سماج کے غریب ترین طبقات کے لئے ہوتے ہیں۔اس کے باوجود غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے مسلمان اکثر ان پروگراموں سے محروم ہیں۔

ICDS میں مسلمانوں کی حصہ داری

ICDS ک تحت حاملہ عورتوں اور بچوں کو تغذیہ بخش غذا کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ICDS کے مراکز مسلم آبادی والے علاقہ میں بہت کم ہیں۔ نتیجتاً اس پروگرام کا بہت کم فائدہ مسلمانوں کو مل پاتا ہے۔مندرجہ ذیل جدول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ 6.3 فیصد کے ساتھ مسلمان ICDS سے استفادہ کرنے والے طبقات میں سب سے پیچھے ہے۔

جدول SRC:4.7 میں 0-6 سال کی آبادی میں ICDS میں احاطہ کا فیصد 2004-05

ریاست	تمام	ہندو 9.9 فیصد			مسلم	دیگر
		درجہ فہرست ذات وقبائل	دیگر پسماندہ طبقات	جنرل		
آندھرا پردیش	9.6	8.0	13.1	8.7	6.3	9.8

Source: Sachar Committee Report 2007, p 181

دوپہر کے کھانے کی اسکیم میں مسلمانوں کی حصہ داری

دوپہر کے کھانے کی اسکیم سے استفادہ کرنے والے 6 تا 16 سال کے بچے ہوتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے کا پروگرام ایک دہے سے بھی کم پرانا ہے۔اس پروگرام کا نفاذ پورے ملک میں ہے۔ تعلیم کا ایک تہائی بجٹ اس پروگرام کے لئے وقف ہے۔اس اسکیم کا ایک اہم مقصد مدارس میں بچوں کے داخلہ، ترک تعلیم کو روکنا اور بچوں میں تغذیہ کی سطح

کو بڑھانا ہے۔اس پروگرام سے استفادہ کرنے والوں سے متعلق معلومات یہ بتاتی ہیں کہ صرف 29.9% 6 تا16 کی عمر کے بچے اس سے استفادہ کررہے ہیں۔طبقہ واری تفصیل یہ بتاتی ہیکہ صرف 26.5% مسلمان بچے اس اسکیم سے استفادہ کررہے ہیں۔جو کہ ریاست کے اوسط سے 3 فیصد سے زیادہ کم ہے۔

جدول 6:4.8 6 تا16 سال کی آبادی کا دوپہر کے کھانے کی اسکیم میں احاطہ کا فیصد 06-2005

ریاست	تمام	ہندو9.9فیصد			مسلم	دیگر
		درجہ فہرست ذات وقبائل	دیگر پسماندہ طبقات	جنرل		
آندھرا پردیش	29.9	40.2	29.7	17.9	26.5	32.7

Source: Sachar Committee Report 2007, p 181

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصہ داری

حکومتی خدمات میں کسی طبقہ کی حصہ داری اس طبقہ کے سماجی ومعاشی موقف ورتبہ کوناپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ دستیاب اعدادوشمار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومتی خدمات میں اعلیٰ سطوں پر(دفتر شاہی میں) مسلمانوں کی حصہ داری بہت ہی کم ہے جبکہ نچلی سطح کی ملازمتوں میں صورتحال قدرے بہتر ہے۔

آندھراپردیش سیول سرویس میں مسلم اعلیٰ عہدیدار

دفتر شاہی آج کی عاملہ کا ایک جز ہے' جو کہ حکومت کے روزمرہ نظم ونسق کو چلانے کے لئے ذمہ دار ہوتی ہے۔مسلمان اگرچیکہ ریاست کی آبادی میں تقریباً 10 فیصد ہیں' تاہم،مختلف انتظامی سطحوں پرانکی نمائندگی 3 فیصد سے بھی کم ہے۔حتیٰ کہ عدلیہ میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔جدول 11 میں اس صورتحال کو بتا یا جارہا ہے۔

جدول 4.9: ریاست آندھرا پردیش میں مسلم عہدیدار کی تعداد و تناسب

مسلمانوں کی شرح	مسلمانوں کی تعداد	کل افسران کی تعداد	زمرہ
2.5%	08	320	IAS
2.3%	05	183	IPS
2.29%	03	131	IFS
1.23%	01	81	RDO
4.34%	01	23	DRC
4.47%	09	201	Dy Collector (Other than RDOs)
4.90%	05	102	Spl, Grade Dy Collector (Other than RDOs)
4%	01	25	Dt. Judges Gr-1
3.66%	04	109	Dist Session Judges Gr-II
2.5%	03	120	Senior Civil Judges
3.08%	40	1295	Total

Source: Justice D Subramanyam Report, 2005, P84-85

عدلیہ اور حکومت کی دیگر اعلیٰ خدمات میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی معمولی ہے۔ چنانچہ 70 لاکھ کی مسلمان آبادی میں ان کی تعداد صرف 40 ہے۔ نظم و نسق میں مسلمانوں کی اتنی کم نمائندگی کی کئی ایک وجوہات ہیں جیسے تعلیم کی کمی، انکی مناسب نمائندگی کے لئے سیاسی سرپرستی اور اداراتی و قانونی میکانزم کا نہ ہونا وغیرہ۔ حکومتیں اگر مسلمانوں کے لئے شمولیاتی پالیسیاں اپنائی ہوتیں تو اتنی کم نمائندگی مسلمانوں کی دکھائی نہ دیتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمزور اور حاشیائی طبقات کے لئے خصوصی توجہ و اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی شرکت

کسی طبقہ کی سیاسی اداروں میں شمولیت بھی سماج میں اسکے رتبہ وموقف کا تعین کرتی ہے۔ جمہوری سماجوں میں یہ اہم ہے کہ تمام طبقات خصوصا کمزور گروہوں کی نمائندگی کو یقینی بنایا جائے تا کہ فیصلہ سازی کی اعلیٰ سطحوں پر انکی آواز سنی جاسکے۔ سوائے چند شہری حصوں کے مسلمان پوری ریاست میں کم تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہیں نمائندہ اداروں جیسے پارلیمنٹ، ریاستی اسمبلی حتیٰ کہ مقامی اداروں میں انکی آبادی کے تناسب سے نمائندگی نہیں ملی ہے۔ مندرجہ ذیل جدول ریاست کی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کی وضاحت کرتا ہے۔

جدول 4.10: آندھراپردیش مقنّنہ میں مسلم اراکین کی تعداد

سلسلہ نشان	مقنّنہ کی معیاد	مدت کار	مسلم اسمبلی کے ارکان		
			حقیقی	درکار نمائندگی	فرق
1	1978-1983	6APLA	08	27	19
2	1983-1984	7APLA	09	27	18
3	1985-1989	8APLA	08	27	19
4	1989-1994	9APLA	08	27	19
5	1994-1999	10APLA	10	27	17
6	1999-2003	11APLA	11	27	16
7	2004-2009	12APLA	11	27	16
8	2009-2014	13APLA	11	27	16

Source:Information Provided by Secretary, State Legislature, Under RTI Act 2005

اسطرح قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کبھی بھی 11 نمائندوں یعنی 3.7% سے آگے نہیں گئی جبکہ آبادی کے تناسب کے اعتبار سے 294 اراکین مقنّنہ میں 27 مسلمان نمائندے ہونا چاہئے۔ اسی طرح پارلیمنٹ، خاص طور پر لوک سبھا میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی حوصلہ افزاء نہیں ہے۔

جدول 4.11: ریاست آندھرا پردیش سے پارلیمنٹ میں مسلم اراکین

سلسلہ نشان	لوک سبھا کی میعاد	مسلم لوک سبھا ممبر		
		موجودہ نمائندگی A	درکار نمائندگی B	فرق
1	1980-1985	01	4	3
2	1985-1989	02	4	2
3	1989-1991	02	4	2
4	1991-1996	03	4	1
5	1996-1997	02	4	2
6	1998-1999	01	4	3
7	1999-2004	01	4	3
8	2004-2009	02	4	2
9	2009-2014	01	4	3

Source: Information Provided by Secretary, State Legislature ,under RTI Act 2005

اسطرح پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی کبھی بھی تین اراکین سے زیادہ نہیں رہی جبکہ چار اراکین کی نمائندگی ہونی چاہئے تھی۔ موجودہ لوک سبھا میں ریاست کے واحد مسلمان حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے رکن پارلیمنٹ اسدالدین اویسی ہیں۔

مقامی اداروں اور دوسری منتخبہ کمیٹیوں میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کمزور رہی ہے۔ منتخب اداروں میں سال 2009ء میں مسلمانوں کی نمائندگی ذیل کے جدول نمبر 14 سے معلوم ہوتی ہے۔

جدول 4.12: 2009ء میں آندھراپردیش میں مختلف منتخبہ اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی

Difference	Actual Muslims Repres entation	No. of Muslims to be Represented According % of POP	Total No.	Elected Representative	S.No
Less 4	03	07	60	MPs (Lok Sabha & Rajya Sabha)	1
Less 18	11	29	294	MLAs	2
Less 2	Nil	02	22	Chairman ZPP	3
Less 2	Nil	02	23	Chairman CC Bank	4
Adequate	01	01	07	Mayor Municipal Corp.	5
Less 7	03	10	104	Chairman Municipalities	6
Less 36	04	40	398	Chairman Market Committees	7
Less 2	Nil	02	23	Chairman Dist. Libraries	8
Less 115	Below 15	120	1200 Approx	ZPTCs	9
Less 110	Below 10	120	1200 Approx	MPPs	10
Less 1050	Below 150	1200	12000 Approx	MPTCs	11
Less 2200	Below 200	2400	24000 approx	Sarpanches	12
Less 260	Below 20	480	4800 Approx	Chairman Water User's Association	13
Less 950	Below 50	1000	10000 Approx	Chairman Vidya Committees (TM)	14
Less 270	300	30	300 Approx	Chairman Vidya Committees (UM)	15

Source: Calculated from the Information Provided by Secretary, A.P. State Legislature, & other sources.

آزادی کے بعد سے ریاستی مقنّنہ میں 294 اراکین قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کسی بھی معیاد میں 11 اراکین سے زیادہ نہیں رہی۔ جبکہ ہر اسمبلی میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی نمائندگی 25 تا 30 ہونی چاہئے۔ آندھراپردیش میں 14 اضلاع ایسے ہیں جہاں سے آزادی کے بعد سے کبھی کوئی مسلمان نمائندہ منتخب نہیں ہوا۔ اور 11 اضلاع ایسے ہیں جہاں سے آزادی کے بعد سے ایک بھی مسلمان رکن پارلیمنٹ منتخب نہیں ہوا۔

اسی طرح مقامی اداروں میں اور دوسری منتخبہ کمیٹیوں میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی قابل نظر انداز ہے۔ آندھراپردیش کے 22 دیہی اضلاع سے ایک بھی مسلمان کسی بھی معیاد میں بطور ضلع پریشد چیرمین منتخب نہیں ہوا۔ 13 اضلاع سے کبھی بھی ایک بھی مسلمان کی ZPTC میں نمائندگی نہیں ہوئی ہے۔ جبکہ ہر ضلع میں 50 تا 70 ZPTC اراکین ہوتے ہیں۔ گذشتہ تین معیاد سے 19 اضلاع میں ایک بھی مسلمان صدرنشین منڈل پرجاپریشد منتخب نہیں ہوا ہے۔ جبکہ ہر ضلع میں 50 تا 70 MPPS ہوتے ہیں۔ ہر ضلع میں سرپنچوں کی تعداد ایک ہزار تا 2500 ہوتی ہے' لیکن مسلمانوں کی نمائندگی صفر سے 1.2% رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نچلی سطحوں پر مسلمانوں کی نمائندگی کو بری طرح نظرانداز کیا گیا ہے۔ ہر ضلع میں 600 تا 1360 MPTC کے اراکین ہیں لیکن اس میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی صفر سے 1.22% ہی رہی ہے۔

اب تک کسی بھی ضلع کے کوآپریٹیو سنٹرل بینک کے صدرنشین کے عہدے کے لئے ایک بھی مسلمان منتخب نہیں ہوا ہے۔ آزادی کے بعد سے آندھراپردیش کے 17 اضلاع میں ایک بھی مسلمان کو صدرنشین مارکٹ کمیٹی نامزد نہیں کیا گیا ہے۔ 21 اضلاع میں ایک بھی مسلمان کو ضلع لائبریری کمیٹی کے صدرنشین کے عہدہ کے لئے نامزد نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح' ریاستی سطح کے کارپوریشنوں جیسے State Beverage کارپوریشن، صنعتی انفراسٹرکچر کارپوریشن، پولیس ہاوزنگ ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اربن ہاؤزنگ ڈیولپمنٹ کارپوریشن، کھادی اور ولیج انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اسٹیٹ انڈسٹریل کارپوریشن، ریجنل ٹرانسپورٹ اتھاریٹی، A.P Co-op Bank Ltd اور خواتین کمیشن کے صدرنشین کے طور پر کسی بھی مسلمان کو نامزد نہیں کیا گیا۔

تقریباً ایک لاکھ سے زائید ڈائرکٹرس، مختلف کارپوریشن ایجنسیز، بورڈس اور اداروں کے اراکین ہیں۔ ریاست میں ان اداروں میں ایک فیصد سے بھی کم نامزد مسلمان ہیں۔

چنانچہ، آندھراپردیش میں مسلمانوں کی سماجی۔معاشی، تعلیمی اور سیاسی صورتحال بتاتی ہے کہ وہ سماج کے سب سے نچلے درجہ میں ہیں، اگرچیکہ انکی خواندگی شرح کو ریاست کے اوسط سے زیادہ بتایا گیا ہے۔انکا معاشی موقف بھی بہت ہی کمزور ہے۔انکا موقف SC/ST سے قدرے بہتر ہےاور OBC وعام ہندوؤں کے مقابلہ میں بدترین ہے۔ دوسرے تمام سماجی و مذہبی گروہوں کے مقابلہ میں مختلف حکومتی اسکیموں میں مسلمانوں کی حصہ داری بہت معمولی ہے۔کئی سماجی ومعاشی وجوہات سے مسلمان پسماندگی کا شکار ہیں اورانہیں ترقی کی قومی دھارے سے جوڑنے کے لئے مثبت پالیسی اقدامات کی ضرورت ہے۔

............☆☆............

حوالہ جات

1 P.R. Rao, (1990), "History of Modern Andhra", New Delhi, Sterling Publishers Private Limited, p2.

2 Satavahana Commoration Volume,(1950), Journal of Andhra History and Culture, vol.v, p53.

3 Goddard Hugh, (1995), "Christian and Muslims: From Double Standards to Mutual Understanding, Surrey", England:Curzon Press, p-128, cited in G. Heredia Rudoulph, Changing Gods Rethinking Conversion in India, New Delhi, Pengin Books, p 43.

4 B Bruce Lawrence, (Leiden 1982), "Islam in India: The Foundation of Institutional Sufis in the Islamization of Rajasthan, Gujrat and Kashmir", in R.C. Martin (ed), Islam in Local Context, Contribution to Asian Studies.

5 Susan Bayly, (1989), "Goddesses and Kings: Muslims and Christians in South Indian Society", 1700-1900, Cambridge, Combridge University Press, pp 71-78 & 86-87.

6 Richel Eaton, (2004), "Approaches to the Study of Conversion to Islam in India", in David N Lorenzen (ed), Religios Movements in South Asia, 600-1800, New Delhi, Oxford University Press, pp 106-127.

7 G. Heredia Rudolph, (2002), "Changing Gods: Rethinking Converstion in India" New Delhi, Pengium Books, p 50.

8 ایضاً،صفحات64اور68

9 ایضاً،صفحات68اور69

10 Gordon Mackenzie, (1883), "Manual of the Kistna District", in the Presidency of Madras Compiled for the Government of Madras, Lawrence Asylum Press, p 319.

11 P.S.Krishnan, (2007), "Report for the identification of Socially and Educationally Backward Classes or Other Backward Classes", Hyderabad, Government of Andhra Pradesh, p120.

12 Syed Shahabuddin, (May 2007) Editorial, Muslim India, Vol xxiv, No 275.

13 Nadeem Hasnain, (2007), "Muslim in India: Caste Affinity and Social Boundaries of Backwardness" in Ashfaq Hussain Ansari (ed), Basic Problems of OBC and Dalit Muslims, New Delhi, Serials Publications, p 33.

14 ایضاً،صفحہ 42

15 Ejaz Ali, (Feb 1997), "Bharatiya Musalmanoun ki Utpatti aur Arakshan" (Translation as "Origin of Indian Muslims and Reservation), Hum Dalit, quoted in Nadeem Hasnain, op, cit, p 42.

16 محولہ11،صفحات29تا30

17 P.M. Joshi and Mehdi Hussain, (1973) "Khiljis & Tughlaq in Deccan" in P.B. Sherwani, H.K. Sherwani and P.M.Joshi (eds), "History of Medival Deccan (1295-1724)", Hyderabad, Government of Andhra Pradesh, Pp 29-30

18 P.B.Sherwani, H.K Sherwani and P.M. Joshi, "Economic and Social Conditions Under the Bahmanis",Op.cit 17, pp 221-222

19 محولہ17،صفحہ 207

20 ایضاً،صفحات212تا213

21 John Kelsall, (1872), Manual of Bellary District, p 85.

22 Arthur F.Cox, (1881), Manual of North Arcot District. p 52

23 W. Francis, (1905), The District Gazetter of Anantapur, p 57.

24 W.Francis, (1907),The District Gazetter of Vizagapatnam, pp 65-66.

25 C.F.Brackenburry, Ics, (1915), The District Gazetteer of Cuddapah pp 69-70.

26 The Godavari Munual, (1915), p 57.

27 W.Francis, (1916), The District Gagetteer of Ballary, p 50.

28 B.H.Sivasankaranaryana,(ed), (1967),The District Gazetteer of Cuddapah,p 160.

29 B.H.Sivasankaranaryana,(ed), (1967), The District Gazetteer of Anantapur (revised edition), pp 124 & 131

30 M.V. Rajagopal, (1974), The District Gazetteer of Kurnool, 1974, p 63.

31 M.V. Rajagopal, (1976), The District Gazatteer of Chittoor, p 103.

32 The East Godavari District, Gazetteer (1970), p-89.

33 Dr. N. Ramasen, (1979), The West Godavari, Gazetteer, p 55.

34 The Srikakulian Gazetteer, (1979), p 45

35 Compiled from the District Gazetteers of Nizamabad, Karimnagar, Nalgonda, Warangal, for the Year 1931 & 1936, Published in 1940, p 34.

36 The Guntur District Gazetteer, p103.

37 The District Gazetteer for Mahbubnagar, (1976), p 48.

38 The District Gazetteer for Medak (1976), p 25.

39 The District Gazetteer for Warangal, p 96.

40 Mohammed Irfan, (2012), "Social Exclusion and Muslim Ethnography", Avishkar Publishers, Jaipur, p 8.

41 ایضاً،صفحہ 17

42 ایضاً،صفحات 18 تا 20

43 S.A.A. Saheb, (2003), "Muslimsa of Andhra Pradesh", People of India Series, Anthropoligical Survey of India. p 62

44 ایضاً

45 K.N. Annantaraman, (1970), The First Backward Classes Commission, Report, Hyderabad, Govt of Andhra Pradesh, p 201.

46 N.K. Murliddhar Rao, (1982), "The Second Backward Classes Commission, Report, Hyderabad, Govt of Andhra Pradesh, p 26 & 83-85

47 Dalva Subramaniyam, (2004), Backward Classes Commission Report, Hyderabad, Government of Andhra Pradesh. p 164

48 www.timesofindia.com. Accessed on 10 Jan 2017.

49 Sachar Sommittee Report, (2006), New Delhi, Government of India, p 51.

باب5

آندھراپردیش میں مسلمانوں کیلئے تحفظات

Reservation for Muslims in Andhra Pradesh

موجودہ ریاست آندھراپردیش آزادی کے بعد سے تین مرتبہ جغرافیائی تبدیلیوں سے گذرا ہے۔1947ء میں یہ ریاست صوبہ مدراس کا حصہ تھی۔ مدراس صوبہ میں تلگو بولنے والی آبادی نے علاحدہ ریاست کے لئے تحریک شروع کی تھی جسکے نتیجہ میں پہلی لسانی ریاست تشکیل پائی۔ چنانچہ یکم اکٹوبر 1953ء میں صوبہ مدراس کے تلگو بولنے والے اضلاع کو علاحدہ کرتے ہوئے آندھراریاست کی تشکیل عمل میں آئی جسکا صدر مقام کرنول تھا۔ وشال آندھراتحریک کے نتیجہ میں تین سال بعد ریاست حیدرآباد کے تلگو بولنے والے اضلاع کو ریاست آندھرا میں ضم کرتے ہوئے ایک نئی ریاست آندھراپردیش کا وجود یکم نمبر 1956ء میں عمل میں آیا۔ صدر مقام کرنول سے حیدرآباد منتقل ہوا۔

1969ء میں علاحدہ تلنگانہ اور 1971ء میں علاحدہ آندھرا کے لئے تحریکیں چلیں جو سیاسی مداخلت کے بعد ختم ہوگئیں۔ تاہم 2001ء میں علاحدہ تلنگانہ تحریک دوبارہ شروع ہوئی جسکے نتیجہ میں آندھراپردیش 2/جون 2014ء کو تلنگانہ اور آندھراپردیش دوریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔ چنانچہ قیام تلنگانہ کے بعد بچ جانے والی ریاست آندھراپردیش 9 ساحلی اضلاع اور چار رائلسیما کے اضلاع کو ملا کر 13 اضلاع پر مشتمل ہے۔

اس باب میں 1953 میں ریاست آندھرا کے قیام سے لیکر 2014 میں آندھراپردیش کی تقسیم تک کے دور میں مسلمانوں کی صورت حال اور مسلمانوں کے لئے تحفظات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

آندھراپردیش میں تحفظات ۔ تاریخی پس منظر

متحدہ ریاست مدراس میں نہ صرف درج فہرست ذاتوں اور قبائیل کے لئے دستور کے مطابق تحفظات حاصل تھے، بلکہ پسماندہ طبقات کے لئے تعلیمی اداروں، حکومتی ملازمتوں اور وظائف اور دوسرے مراعات حاصل

تھے۔ یکم نومبر 1953ء کو ریاست آندھرا کے قیام کے بعد ریاست مدراس میں جاری فہرست پر ہی چند ایک معمولی تبدیلیوں کے ساتھ تحفظات پر عمل کیا جاتا رہا۔ سابقہ ریاست حیدرآباد میں بھی پسماندہ طبقات کی ترقی کیلئے ایک فہرست تھی اور ریاست آندھراپردیش کے قیام کے بعد بھی وہ فہرست جاری رہی۔ اس طرح 1956ء میں ریاست آندھراپردیش میں دو فہرستیں تھیں اور ان دونوں فہرستوں کو ملا کر کل 146 برادریاں تھیں۔ ریاست آندھرا کی فہرست میں 86 اور تلنگانہ کی فہرست میں 60 برادریاں تھیں۔[1]

21/جون 1963ء میں طبی کالجوں میں نشستوں کو محفوظ کرنے کے حکمنامہ مجریہ 1886 کو ہائی کورٹ کی جانب سے مسترد کرنے کے بعد حکومت آندھراپردیش نے حکمنامہ مجریہ 301 (محکمہ تعلیم) مورخہ 3/فروری 1964 کو جاری کرتے ہوئے پسماندہ طبقات کی اس وقت کی فہرست کو ترک کر دیا۔ حکومت نے اپنے حکمنامہ مجریہ 301 کے ذریعہ آبادی کے معاشی طور پر غریب طبقات جنکی سالانہ آمدنی 1500 روپیوں سے نیچے تھی ان کے لئے معاشی امداد دینے کے احکامات جاری کئے۔ اسکے بعد ریاستی حکومت نے پسماندہ طبقات کی فہرست کی تیاری کے لئے کابینہ کی ذیلی کمیٹی کو قائم کی۔ کمیٹی نے پسماندگی کی کسوٹی کو طئے کرتے ہوئے حسب ذیل معیارات کو اسمیں شامل کیا 1) غربت، (2) پست معیار تعلیم، (3) پست معیار زندگی، (4) مقام رہائیش، (5) پیشہ اور ذات کا رتبہ یا اسکی نچلی سطح۔ اس کمیٹی کی سفارشات کے نتیجہ میں مجلس وزارت نے 112 برادریوں کی ایک فہرست تیار کی۔ چنانچہ حکمنامہ مجریہ 1880 (محکمہ تعلیم) مورخہ 29 جولائی 1966ء کی اجرائی عمل میں آئی جس میں 112 برادریوں کو پسماندہ قرار دیتے ہوئے انہیں وظائف، پیشہ ورانہ کالجس میں داخلے میں رعایتوں اور حکومتی خدمات میں عہدوں کے لئے تحفظات فراہم کئے۔ اس احکام کے مطابق درج فہرست ذاتوں کو 14% درج فہرست قبائل کو 4% پسماندہ طبقات کو 20% اور جسمانی طور پر معذورین کے لئے 4% تحفظات فراہم کئے گئے۔

ہائی کورٹ آندھراپردیش نے اس حکمنامہ (جی او) کو رد کر دیا اور کہا کہ حکومت درج فہرست ذاتوں یا قبائلی کے مقابلہ میں ان میں سے ہر طبقہ کی آبادی، معاشی حالت، تعلیم یا خواندگی کا فیصد، انکے پیشے کتنے نچلے درجہ پر ہیں، انکی بودوباش یا معاشی رتبہ یا موقف پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اسکے علاوہ پسماندہ طبقات کے متعلق معلومات اکٹھا کرنے کیلئے کسی فرد یا کمیشن کا تقرر نہیں کیا۔ سپریم کورٹ نے بھی 27 مارچ 1968 کے اپنے فیصلے میں آندھراپردیش ہائی کورٹ

کے فیصلے (C.A No 1336 of 1967) کو صحیح قرار دیا۔ اسی سال حکومت نے سابق چیف جسٹس آندھرا منوہر پرساد کی صدارت میں ریاست میں پسماندہ طبقات کی شناخت کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جسے پسماندہ طبقات کمیشن کہا جاتا ہے۔ منوہر پرشاد کے استعفیٰ دینے کے بعد کے این اننت رامن 1969ء میں اس کمیشن کے چیئرمین بنے۔[2] اس کمیشن نے ابتداء میں دس سال کے لئے پسماندہ طبقات کے لئے 30% تحفظات کی سفارش کی اور انہیں چار زمروں میں بانٹا۔[3]

آندھرا پردیش میں مسلمانوں کیلئے تحفظات کا مطالبہ

مسلمانوں کے لئے تحفظات کا مطالبہ پہلی بار 1970ء میں اننت رامن کمیشن کے سامنے کیا گیا۔ کئی ایک مسلم تنظیموں اور افراد نے کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے چند ذیلی فرقوں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے بحث کئے اور دلائل دیئے۔ کانگریس کے نندیال سے تعلق رکھنے والے ایم ایل اے، ایس بی بنی صاحب نے مطالبہ کیا کہ تمام مسلمانوں کو تحفظات کے زمرہ میں رکھا جانا چاہئے' کیونکہ 90% مسلمان غریب ہیں۔ ایک اور نمائندہ شیخ بیابانی، ایم ایل سی نے کہا کہ پورے ملک میں مسلمان تعلیمی اور سماجی طور پر پسماندہ ہیں۔ کمیشن نے کئی پیشہ وارانہ مسلم گروہوں میں پسماندگی کی خصوصیات کو ریکارڈ تو کیا لیکن اس دلیل کو رد کیا کہ تمام مسلمان پسماندہ ہیں۔ کمیشن نے مسلمانوں میں دودے کولا (لداف) کو 91 ہندو ذاتوں کے ساتھ پسماندہ طبقہ کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے انکے لئے تحفظات کی سفارش کی۔ 1970ء میں حکومت آندھرا پردیش نے نہ صرف دودے کولا بلکہ مسلمان مہتر کو بھی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے درج فہرست طبقات کی تعداد کو 94 تک کر دیا۔

1982ء میں ریاستی حکومت نے این کے مرلیدھر راؤ کی صدارت میں ایک رکنی کمیشن قائم کیا تا کہ سابقہ کمیشن کی سفارشات پر از سر نو غور کرتے ہوئے تحفظات کو جاری رکھا جاسکے اور خصوصاً مسلمانوں کو اس فہرست میں شامل کرنے کے لئے انکی سماجی اور تعلیمی پسماندگی کی جانچ کی جاسکے۔ لیکن اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں کو پسماندہ طبقات میں شامل کرنے کے دعویٰ کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ مسلمان سماج مساوات کی ایک مثال ہے چونکہ اس سماج میں ایک دوسرے کے خلاف امتیازات نہیں پائے جاتے۔ تاہم اس کمیشن نے مسلمانوں کی قریش برادری کو

پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا۔ سفارشات کو قبول کرتے ہوئے حکومت نے 1986ء میں احکام (متفرق) مجریہ 166 کے ذریعہ مسلمان قریش کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کر دیا۔[4]

1994ء میں اسمبلی انتخابات سے عین قبل وزیر اعلیٰ وجئے بھاسکر ریڈی کی قیادت میں کانگریس حکومت نے احکام مجریہ 30 مورخہ 25-8-94 کو جاری کرتے ہوئے مزید 14 ذاتوں اور گروہوں بشمول مسلمانوں اور کاپو طبقہ کو تحفظات کی فہرست میں شامل کیا۔ اس احکام (جی او) کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔ ہائی کورٹ نے اس درخواست کو قبل از وقت قرار دیتے ہوئے اسے رد کر دیا چونکہ معاملہ بی سی کمیشن کے سامنے تھا، لیکن اس حکمنامہ کی عمل آوری پر حکم التواء بھی صادر کیا۔ پٹوسوامی کمیشن تحفظات کو طئے کرنے کے لئے قائم کی گئی سات سال کی میعاد پوری کرنے کے باوجود اپنی رپورٹ پیش نہیں کی۔

کانگریس پارٹی نے اپنے سال 2004 کے انتخابی منشور میں مسلمانوں کو تعلیمی اداروں اور ملازمت میں 5% تحفظات فراہم کرنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر وائی ایس راج شیکھر ریڈی کی حکومت نے حکمنامہ (متفرق) مجریہ 33 مورخہ 12-7-2004 جاری کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے 5 فیصد تحفظات کمشنریٹ محکمہ اقلیتی بہبود کی رپورٹ کی بنیاد پر دیئے۔

مسلم تحفظات کے لئے بنائے گئے کمیٹیاں اور کمیشن

1۔ پہلا پسماندہ طبقات کمیشن (اننت رامن کمیشن 1970)

حکومت آندھرا پردیش نے حکمنامہ مجریہ 870 (تعلیمات) مورخہ 12/اپریل 1968 کے ذریعہ کمیشن آف انکوائری ایکٹ 1952 کے تحت ایک تحقیقاتی کمیشن کو قائم کیا۔ پہلے پسماندہ طبقات کمیشن کو ابتداء میں جسٹس منوہر پرساد سابق چیف جسٹس آندھرا پردیش ہائی کورٹ کی صدارت میں قائم کیا گیا تھا۔ لیکن ان کے استعفیٰ کے بعد شری کے این اننت رامن، آئی سی ایس کو منوہر پرساد کی جگہ پر مقرر کیا۔

مسلمانوں کے لئے تحفظات کا مطالبہ اننت رامن کمیشن 1970 کے سامنے پہلی مرتبہ کیا گیا۔ کئی مسلمان تنظیموں اور افراد نے کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے چند ذیلی فرقوں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے

بحث کیئے اور دلائیل دیئے۔کمیشن نے کئی پیشہ وارانہ گروہوں میں پسماندگی کی خصوصیات کو ریکارڈ تو کیا لیکن اس دلیل کو رد کیا کہ مسلمان پسماندہ ہیں، چونکہ مسلمانوں میں ذات پات کا نظام نہیں ہے۔

مسلم تحفظات پر اننت رامن کمیشن کا تبصرہ کچھ اس طرح تھا'' یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس ریاست میں ایک طبقہ کے طور پر مسلمان سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں۔کسی بھی برادری سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ذات کا روایتی امتیاز مسلمانوں میں کبھی بھی نہیں تھا۔تمام افراد میں سماجی مساوات ہے، ہندوسماج کے برعکس مسلمانوں میں پیشے کے انتخاب پر کوئی پابندی نہیں ہے۔چند خاندان اپنے آباء واجداد کے اپنائے گئے پیشے کو جاری رکھے ہیں اور عموماً انہیں انکے کاروبار رتجارتی نام جیسے دودے کولا، قصاب، درزی، مومن، موچھی وغیرہ سے پکارا جاتا ہے۔مسلمان سماجی امتیازات کو نہیں مانتے جیسا کہ ہندوسماج کے ذات پات کے گروہوں میں ہے۔مسلمانوں میں طبقات کے متعلق کوئی حقارت نہیں ہے۔تاہم، تاریخی ودیگر وجوہات کی بناء پر اعلیٰ وادنیٰ کا احساس مسلم سماج میں گھس آیا ہے۔اورآج حتیٰ کہ مسلمانوں میں بھی چند پیشوں کو کم تر سمجھا جاتا ہےاورآج مسلمانوں میں چند ایسے ممتاز طبقات ہیں جو پیشہ اور غربت کی وجہ سے سماجی کمتری سے گزر رہے ہیں۔چنانچہ مسلمانوں میں سماجی پسماندگی کا تعین انکے وراثتی پیشوں اور غربت کے حوالوں سے کیا جانا چاہئے ذات کے حوالہ سے نہیں''۔[5]

کمیشن نے مسلمانوں کے صرف دوطبقات مہتر اور دودے کولا کو سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ قرار دیا۔دودے کولا، لداف، پنجارے اور نور باش بھی کہا جاتا ہے۔ان دوطبقات کے متعلق کمیشن نے حسب ذیل باتیں کہی ہیں۔

مہتر: یہ ایک وراثتی پیشہ ہے۔یہ معاشی طور پر بہت پسماندہ ہیں۔دوسرے مسلمان انہیں کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں۔عملاً انکے دوسرے مسلمانوں سے کوئی تعلقات نہیں ہوتے۔یہ بہت کم ہی دوسروں سے ملتے ہیں۔پیشے کی وجہ سے سماج میں انکا رتبہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔چونکہ اس برادری کو پہلے ہی درج فہرست ذاتوں میں شامل کرلیا گیا ہے' اس لئے انہیں پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دودے کولا (لداف، پنجارے یا نورباش): اس طبقہ کے مسلمان وہ ہیں جو نچلے درجوں سے اسلام قبول کئے تھے۔انہیں لداف، پنجارے، اورنور باش بھی کہا جاتا ہے۔روئی دھونکنا اور بستر بنانا ان کا پیشہ ہے۔کاٹن ملوں کی وجہ سے انکا پیشہ بری طرح متاثر ہوا اور وہ معاشی طور پر غریب ہوگئے۔خاندان (گھر) کے تمام اراکین عورتوں بچوں

اور سب کو دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کیلئے سارا دن کام کرنا پڑتا ہے۔ جسکی وجہ سے وہ تعلیم کے لئے کچھ بھی وقت نہیں نکال سکتے۔ اگر چیکہ وہ عموماً مسلمانوں کی روایتوں پر عمل کرتے ہیں، لیکن چند معاملات میں وہ ہندو روایتوں پر بھی عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمان بھی ان کے ساتھ الگ سلوک کرتے ہیں اور دوسرے مسلمان ان کے ساتھ شادیاں نہیں کرتے۔ سماج میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی انہیں کمتر نظروں سے دیکھتے ہیں۔ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق اس برادری کی آبادی 1,33,196 ہے۔ دسویں اور گیارھویں جماعتوں میں پڑھنے والی آبادی اگر چیکہ غیر اطمینان بخش نہیں ہے، لیکن ہمارے دوروں کے دوران ملنے والے تاثرات اور ہمارے اراکین کو ملنے والی شخصی معلومات کے مطابق یہ برادری تعلیمی طور پر بہت ہی پسماندہ ہے۔ دستیاب اعداد و شمار صحیح تصویر کو پیش نہیں کرتے چونکہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر یہ تسلیم کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں کہ انکا تعلق اس طبقہ سے ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے دوسرے گروہ اس برادری کو کم تر نظروں سے دیکھتے ہیں اور یہ تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں، اسلئے انہیں پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنا بہت ہی موزوں ومناسب ہوگا۔[6]

اس کمیشن کی رپورٹ کے مطابق، درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں مسلمان مہتر کو شامل نہیں کیا گیا ہے، چونکہ صدارتی حکمنامہ کے فقرہ 3 میں اسکی گنجائش نہیں ہے۔ جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور مہتر کو اننت رامن کمیشن نے اپنی 1970 کی رپورٹ کی فہرست میں شامل نہیں کیا۔ چنانچہ 1970ء میں اننت رامن کمیشن کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے حکومت کی جانب سے جاری کردہ پسماندہ طبقات کی فہرست میں مہتر شامل نہیں ہے بلکہ صرف دودے کولا یا اسکے ہم معنی گروہ ہی شامل ہیں۔ اس غلطی کو محسوس کرتے ہوئے بعد میں حکومت نے مسلمان مہتر کو بھی آندھرا پردیش کی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا۔[7] اس کمیشن نے ابتداء میں دس سال کے لئے پسماندہ طبقات کے لئے 30% تحفظات کی سفارش کی اور انہیں چار زمروں، (الف) ریاست کے اصل قبائل، ومکتا جاتی، خانہ بدوشوں اور نیم خانہ بدوش قبائیلیوں کے لئے 7%، (ب) پیشہ وارانہ گروہوں کے لئے 13%، (ج) تبدیلی مذہب کرنے والے ہریجنوں کے لئے ایک فیصد اور (د) دیگر طبقات کے لئے 9% تحفظات فراہم کئے۔

حکومت آندھرا پردیش نے اننت رامن کمیشن برائے پسماندہ طبقات کی سفارشات کو قبول کیا، لیکن تحفظات کو 30% سے گھٹا کر 25% کر دیا اور پسماندہ کی ترمیم شدہ فہرست میں 93 طبقات کو جگہ دی (درج فہرست ذاتوں اور

قبائل کو چھوڑ کر) جو سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں اور پیشہ وارانہ کالجوں میں تحفظات اور خدمات کے لئے دستور ہند کی دفعات 15(4) اور 16(4) کے تحت انہیں چار زمروں میں تقسیم کیا۔

گروپ (A) 7%

گروپ (B) 10%

گروپ (C) 1%

گروپ (D) 7% [8]

مندرجہ بالا کے علاوہ کمیشن نے پسماندہ طبقات کے حکومتی خدمات میں داخلہ کے لئے عمر کی حد میں بھی پانچ سال کی چھوٹ دی۔ اسکے دیگر سفارشات اس طرح تھیں (1) پسماندہ طبقات کے ایسے امیدوار جو روزگار کے لئے اپنی اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر منتخب ہوتے ہیں ان کو محفوظ کوٹہ میں شمار نہیں کیا جائے (2) خدمات میں تحفظات کے ضابطہ رقاعدہ کا اطلاق صرف راست بھرتی کے لئے ہوگا۔ حکومت نے ان سفارشات کو بھی قبول کرلیا۔

2۔ دوسرا پسماندہ طبقات کمیشن (این۔ کے۔ مرلیدھر راؤ کمیشن 1982)

این کے مرلیدھر راؤ کی صدارت میں دوسرا پسماندہ طبقات کمیشن 27 جنوری 1982 سے کام کرنا شروع کیا۔ کمیشن کو سابقہ کمیشن کی سفارشات پر نظر ثانی کا بھی اختیار دیا گیا اور ایسے تمام معاملات جن پر 1970 کے پسماندہ طبقات کمیشن نے غور کیا تھا خود بہ خود اس نئے کمیشن کی عملداری میں آتے ہیں۔ اس لئے یہ کمیشن سابقہ کمیشن کی سفارشات کی تفصیلات میں بھی گیا۔ سابقہ کمیشن کی سفارشات پر عمل آوری کا بھی جائزہ لیا۔[9]

رائے عامہ کو حاصل کرنے کی غرض سے کمیشن کی جانب سے ایک سوالنامہ جاری کیا گیا۔ سوالنامہ میں پانچ پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا تھا جیسے (1) سماجی، (2) تعلیمی، (3) روزگار، (4) معاشی اور (5) سیاسی۔[10]

اس کمیشن کو پسماندہ طبقات کی موجودہ فہرست پر متعلقہ طبقات کی سماجی و تعلیمی ترقی کی روشنی میں نظر ثانی کا اختیار بھی تھا۔ اس کمیشن کو قریش (مسلمان قصاب) کے بشمول کاپو، ونتاری، بلیجا، تیلگا، تلوا، ویلالا، کالنگا، ویشیا، گڑیا، ایاراکا اور کئی طبقات سے نمائندگیاں وصول ہوئیں۔ کمیشن تمام ذاتوں اور طبقات کے دعوؤں کی جانچ کرتے ہوئے

قریش اور مہتروں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی سفارش کی۔ 11 اور مہتر طبقہ کو یہ تصور کرتے ہوئے کہ وہ پہلے ہی سے درج فہرست ذاتوں میں شامل ہے۔ پسماندہ طبقات کی فہرست سے خارج کرنے کی سفارش کی اور حسب ذیل دلائل پیش کیے۔

قریش (مسلمان قصاب):

قریشی طبقہ نے پسماندہ طبقات فہرست میں شمولیت کے لئے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ کمیشن نے یہ نوٹ کیا کہ ہندو قصاب، جنہیں کاٹیکا اور ارکاٹیکا کہا جاتا ہے پیشہ کی بنیاد پر سماج میں نچلی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور وہ تعلیمی طور پر بھی پسماندہ ہیں۔ اس بنیاد پر انہیں پہلے ہی سے پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے قصاب طبقہ کو بھی اپنی نااہلیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انکے پیشہ کو بھی گندہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلم سماج میں انہیں نیچی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ سماجی رتبہ کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو وہ ارکاٹیکا اور کاٹیکا کے ہم پلہ ہیں اور سماجی رتبہ کے اعتبار سے یا تعلیمی پسماندگی کے اعتبار سے ہندو قصابوں اور مسلمان قصابوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ کمیشن اس طبقہ کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ کمیشن کے مطابق 1971 کی مردم شماری کے مطابق ریاست میں مسلمان قصابوں کی آبادی پانچ لاکھ بتائی گئی ہے، جبکہ مسلمانوں کی کل آبادی 35 لاکھ ہے۔ [12]

مہتر (مسلمان)

مسلم مہتر کو پہلے ہی درج فہرست ذاتوں یا قبائیل میں شامل کرلیا گیا ہے۔ یہ طبقہ مسلمان مہتر گروپ A میں بھی ہے۔ غلاظت کی صفائی انکا وراثتی پیشہ ہے۔ اس طبقہ کو درج فہرست طبقات میں مد 48 کے تحت پہلے ہی شامل کرلیا گیا ہے۔ اس لئے انہیں پسماندہ طبقات کی فہرست کی گروپ A کے مد 39 سے خارج کیا جاتا ہے۔ [13]

کمیشن کو پہلے سے ہی فہرست میں شامل دودے کولا طبقہ سے بھی انہیں پسماندہ طبقہ کی فہرست میں جاری رکھنے کے لئے نمائندگیاں وصول ہوئیں۔ کمیشن نے دودے کولا یا انکے ہم معنی ذیلی گروپ کو فہرست میں جاری رکھنے کی سفارش کی۔ تاہم مسلمان مہتر کو فہرست سے حذف کرنے کی سفارش اسی بنیاد پر کی جس بنیاد پر کہ اننت رامن کمیشن

نے کیا تھا۔

تمام مسلمانوں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کے سوال پر کمیشن کا مشاہدہ اس طرح ہے ''مسلمانوں کے مذہب میں کوئی ذات پات کا نظام نہیں ہے۔ مسلم بھائی چارگی مذہب اسلام میں اراکین کی مساوات کی علامت ہے۔ مسلمان گروپ میں کسی کو سماجی طور پر الگ تھلگ نہیں کیا جاتا۔ مساجد میں تمام مسلمان کسی امتیاز، کسی احساس کمتری یا برتری کے بغیر اپنی عبادت کر سکتے ہیں۔ ہر مسلمان کسی رکاوٹ کے بغیر کسی بھی پیشے کو اپنانے کے لئے آزاد ہے۔ پہلے ہی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل دودے کولا اور مسلمان قصابوں کے سوا مسلمانوں کے دیگر فرقے سماجی مساوات سے استفادہ کرتے ہیں اس لئے انمیں کوئی سماجی پسماندگی نہیں ہے۔ دستور کی دفعہ 340 کے تحت صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے تقرر کردہ کالیکر کمیشن میں ایک مسلمان رکن عبدالقیوم انصاری بھی تھے۔ اس کمیشن نے فیصلہ کیا کہ روایتی معنوں میں ہندو سماج کی طرح مسلمان سماج ''سماجی طور پر پسماندہ'' نہیں ہے۔ یہ کمیشن پوری طرح اس نکتہ نظر سے متفق تھا۔ کسی بھی شہری کے ساتھ پسماندہ سلوک کے لئے ضروری ہیکہ دستور کی دفعہ 15(4) میں بتائی گئی دو کسوٹیوں سماجی اور تعلیمی پسماندگی پر پورا اترنا ضروری ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں خود ان کے سماج کے مختلف فرقوں کے درمیان سماجی فرق نہیں ہے، یا دوسرے مذہبی گروہوں، ہندو، عیسائی اور پارسیوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ کوئی چھوت چھات کا سلوک نہیں ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے''۔[14]

کمیشن نے یہ ضروری سمجھا کہ یکساں نوعیت کے طبقات کو ایک گروہ میں رکھا جائے۔ اس لئے کمیشن کا یہ خیال تھا کہ وہ تمام طبقات جو اصلی قبائیل سے آتے ہیں ان کو گروپ 'A' میں رکھا جائے، روایتی پیشوں سے منسلکہ تمام طبقات کو 'B' گروپ میں بتایا گیا۔ اسلئے رنگریز جو کہ ایک پیشہ ہے اس کو گروپ 'B' میں رکھا گیا گروپ 'D' کے بجائے۔ دیگر متفرق طبقات کو گروپ 'C' میں رکھا گیا۔ گروپ 'E' میں مذہب تبدیل کرنے والے درج فہرست ذاتوں کو رکھا گیا۔ باقی تمام پسماندہ طبقات کو گروپ 'D' میں رکھا گیا۔ گروپ 'A' میں 37 طبقات، گروپ 'B' میں 22 گروپ 'C' میں 26 گروپ D میں 15 طبقات ہیں اور ایک طبقہ گروپ 'E' میں ہے۔ فہرست میں دئے گئے تمام طبقات کی تعداد 101 ہے جنہیں حکومت پسماندہ طبقات کے طور پر تسلیم کیا ہے۔[15]

3۔ آندھراپردیش کے مسلمانوں کے متعلق قومی کمیشن برائے پسماندہ طبقات کی رپورٹ

مسلمانوں کے دوطبقات، ڈوڈ کولا یا پنجارے یا نور باش اور مہتر کوریاست کی پسماندہ طبقات فہرست میں رکھا گیا ہے اوران دوطبقات کومنڈل کی فہرست میں بھی رکھا گیا ہے۔اس لئے 1993ء میں تیار کردہ آندھراپردیش کے لئے پسماندہ طبقات کی مرکزی فہرست کی بنیاد پر یہ دونوں طبقات کو دونوں فہرستوں میں جگہ حاصل ہے۔

قومی پسماندہ طبقات کمیشن (NCBC) کو مسلمانوں کو مرکزی فہرست میں شامل کرنے کے لئے درخواستیں کئی تنظیموں سے وصول ہوئیں۔ان درخواستوں میں یہ کہا گیا کہ ''پوری مسلمان برادری تعلیمی ومعاشی طور پر پسماندہ ہے اسلئے وہ سماجی طور پر بھی پسماندہ ہے۔ چنانچہ پوری مسلمان برادری کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا جانا چاہئے۔کمیشن کا مکمل بنچ جس نے 7 دسمبر 1988 کو اس مسئلہ کی سماعت کے دوران حاضر نمائندوں کو مشورہ دیا کہ مسلمان برادری سماجی طور پر یکساں طبقہ نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے صرف سماجی طور پر پسماندہ برادریوں کو ہی اس فہرست میں شمولیت کے متعلق غور کیا جاسکتا ہے اور مسلمان آگے آکر ایسے گروہوں ر برادریوں کے نام پیش کرسکتے ہیں۔تاہم ،مسلمان نمائندے اس بات پر مصر تھے کہ پوری مسلمان برادری کو اس فہرست میں شامل کیا جانا چاہئے۔

ایک یادداشت مندرجہ بالا درخواست سے مختلف تھی جسمیں یہ کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کے پیشہ وارانہ گروہوں کو جو ہندوؤں کی طرح ہی پیشہ وارانہ گروہ ہیں اور جنکا نام فہرست میں پہلے سے شامل ہے،اس فہرست میں شامل کیا جانا چاہئے۔کمیشن کو بتایا گیا کہ آندھراپردیش کے زیادہ تر پسماندہ طبقات پیشہ وارانہ گروہ ہیں جیسے بڑھئی، حجام، دھوبی، سنگ تراش، جولاہے وغیرہ۔جس طرح اکثریتی ہندو طبقے سے متعلق رکھنے والے ان طبقات کو تحفظات دیئے جارہے ہیں تو مساوات کا تقاضہ ہے کہ مسلمان پیشہ وارانہ گروہوں کو بھی سماجی، تعلیمی اور معاشی پسماندگی کی کسوٹی پر تحفظات کی فہرست میں شامل کرلیا جائے۔لیکن اس درخواست کو پیش کرنے والوں نے مسلمانوں کے ایسے پیشہ وارانہ گروہوں اور دیگر سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ مسلمانوں کی فہرست نہیں دے پائے۔عوامی سماعت کے دوران کمیشن کو یہ درخواست بھی وصول ہوئی کہ قریش مسلمان، میوہ فروش اور کاٹیکاؤں کو اس فہرست میں شامل کیا جائے۔[16]

کمیشن نے یہ محسوس کیا کہ مسلمان قصابوں کی برادری (جنہیں قریش کے نام سے جانا جاتا ہے) سماجی طور پر

ایک پسماندہ طبقہ ہے اسلئے 2002ء میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ آندھراپردیش کی دوسری پسماندہ برادریوں کے ساتھ مسلمان قصابوں (قریش) کوبھی پسماندہ طبقات کی آندھراپردیش کے لئے مرکزی فہرست میں شامل کرلینا چاہئے۔ کمیشن نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ''مسلمان کاٹیکا'' کوتحفظات کی فہرست میں شامل کرلینے کی درخواست کو رد کردیا جانا چاہئے، چونکہ قریش کواس فہرست میں شامل کرلینے کے بعداس برادری کے ہندواور مسلمان دونوں ہی پسماندہ طبقات (BC) کی سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے اہل ہوں گے جس وجہ سے وہ پسماندہ طبقات کے لئے رکھے گئے تحفظات ودیگرفوائید سے وہ استفادہ حاصل کرسکیں گے۔

کمیشن نے اس بات کا بھی مشورہ دیا کہ تحفظات کیلئے میوہ فروش کی درخواست کو رد کیا جائے، چونکہ آندھراپردیش میں یہ محض ایک پیشہ وارانہ گروہ ہے اورایک برادری نہیں۔ بلکہ یہ صرف بین نسلی برادری ہے۔ایک سماجی طبقہ نہیں اور سماجی طور پر پسماندہ برادری بھی نہیں ہے۔

آخر کار کمیشن تحفظات کیلئے مسلمانوں کی درخواست کو رد کرنے کا مشورہ دیا چونکہ مسلمان سماجی طور پر کوئی یکساں طبقہ یابرادری نہیں ہے۔2002 کی اپنی رپورٹ میں تحفظات کے متعلق اپنی رائے کااس طرح اظہار کیا۔

''کئی سماجی گروہ یا مسلمانوں کے کئی گروہ اعلیٰ سماجی رتبہ کے حامل ہیں۔انتھراپالجیکل سروے آف انڈیا کی ''ہندوستان کی برادریاں'' میں دیئے گئے پیشہ وارانہ تفصیلات سے یہ معلوم ہوتاہیکہ مسلمانوں کی کئی برادریاں اعلیٰ سماجی رتبہ کے حامل ہیں۔ وہ دستور کی دفعات 15(4) یا16(4) کے تحت پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کئے جانے کے اہل نہیں ہیں۔مسلمانوں کی وہ برادریاں جن سے (تحفظات کے لئے) درخواستیں وصول ہوئے ہیں اور جوحقیقی معنی میں سماجی طور پر پسماندہ ہیں' انکو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے غور کیا جاسکتا ہے''۔[17]

4۔ پٹوسوامی کمیشن Puttu Swamy Commission

1994ء میں اسمبلی انتخابات سے کچھ ہی قبل وزیراعلیٰ وجئے بھاسکر ریڈی کی کانگریس حکومت نے 14 ذاتوں بشمول کاپوؤں اور مسلمانوں کوتحفظات کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے حکومتی احکام (جی او) مجریہ 30 مورخہ 25-8-94 کو جاری کیا۔اس حکمنامہ کوآندھراپردیش ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔لیکن ہائی کورٹ نے اس درخواست کو

یہ کہتے ہوئے رد کیا کہ یہ قبل از وقت ہے چونکہ سارا معاملہ ابھی کمیشن کے پاس زیر التواء ہے، لیکن اس حکمنامہ کی عمل آوری پر التواء جاری کیا۔ بی سی کمیشن جو پٹوسوامی کمیشن کے نام سے جانا جاتا ہے سات سال تک برقرار رہنے کے باوجود اپنی رپورٹ پیش نہیں کرسکا۔

کانگریس پارٹی نے اپنے 2004ء کے انتخابی منشور میں مسلمانوں کے لئے تعلیمی اداروں اور سرکاری روزگار میں 5 فیصد تحفظات کا وعدہ کیا۔ چنانچہ وائی ایس راج شیکھر ریڈی کی کانگریس حکومت نے حکومتی احکام متفرق مجریہ 33 مورخہ 2004-7-12 کو جاری کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے کمشنر یٹ محکمہ اقلیتی بہبود کی رپورٹ کی بنیاد پر 5 فیصد تحفظات کا اعلان کیا۔

اس حکمنامہ کو آندھراپردیش ہائی کورٹ میں W.P 12239/2004 مرلیدھر راؤ بنام ریاست آندھراپردیش کے ذریعہ چیلنج کیا گیا۔ ریاستی ہائی کورٹ کی مکمل بنچ نے اس حکومتی حکمنامہ کو رد کردیا۔ چونکہ حکومت نے اس حکمنامہ کی اجرائی کے لئے بی سی کمیشن سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ یہ کمیشن کسی بھی گروہ کو فہرست پسماندہ طبقات میں شامل کرنے، اس میں سے نکال دینے اور اس میں ترمیم کرنے کی مجاز ہے اور اسکے مشورہ کے بغیر حکومت کو یہ اختیار نہیں ہے۔ عدالت نے حکومت کو یہ ہدایت دی کہ ایک بی سی کمیشن کو قائم کیا جائے اور کمیشن سے اس معاملے میں رائے لی جائے اور پسماندہ طبقات کی نشاندہی کے دوران بالائی طبقہ کو تحفظات کی فہرست سے خارج کیا جائے۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ جب تک کہ غیر معمولی صورتحال نہ ہو کسی بھی صورت میں تحفظات کو 50% سے زائد نہیں ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو 5% تحفظات سے تحفظات کی حد میں ایک فیصد کا اضافہ ہوتا ہے۔

تاہم، مکمل بنچ نے یہ کہا کہ مسلمان بحیثیت ایک گروہ مثبت اقدام کے حقدار ہیں اور انہیں دستور کے دائرہ میں سماجی تحفظات ہونے چاہئے بشرطیکہ دفعہ 15(4) کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے انکی سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ کی حیثیت سے اور دفعہ 16(4) کے تحت پسماندہ طبقہ کی شہری کی حیثیت سے شناخت کی جائے۔ مکمل بنچ نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی کہا کہ ''اگر غیر ہندو کی سماجی پسماندگی کی شناخت سماجی طور پر پسماندہ طبقہ کی حیثیت سے ہندو سماج کے روایتی معنوں میں ذات کی بنیاد پر نہیں کی جاسکتی ہو تو ایسے تمام معاملات میں پیشہ اہم رول ادا کرتا ہے۔ روایتی عقیدہ اور سکونت کی جگہ غربت کے ساتھ سماجی پسماندگی کے تعین میں اہم و غالب رول ادا کرتے ہیں۔ پسماندہ طبقات کی

شناخت کے کسی خاص طریقے وعمل کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ پسماندہ طبقات کی نشاندہی کے لئے مقررہ اختیار کو آزادی ہے کہ جس طریقہ کو وہ مناسب وموزوں اور جب تک صحیح سمجھیں اسے اختیار کرے۔اس طرح سے پسماندہ طبقات کی نشاندہی کے لئے اختیار کردہ طریقہ معقول، سائنٹفک اور مناسب ہوگا اور یہی دستوری ضرورت کو بھی پورا کرے گا۔[18]

5۔ دلواسبرامنیم کمیشن Dalva Subramaniam Commission

ریاستی حکومت نے 18-11-2004 کو جسٹس دلواسبرامنیم کمیشن کی صدارت میں ایک اور پسماندہ طبقات کمیشن کو قائم کیا اور مسلمانوں کے تحفظات کے دعویٰ کو اس سے رجوع کیا۔کمیشن نے مسلمانوں کی پسماندگی سے متعلق معلومات کے حصول کے لئے تمام اضلاع کا دورہ کیا اور 2005ء میں اپنی رپورٹ کو پیش کیا۔اس کمیشن نے مسلمانوں کو بی سی (ای) درجہ میں شامل کرکے پانچ فیصد تحفظات دینے کی سفارش کی۔کمیشن نے بتایا کہ مسلمانوں کی آبادی کا بڑا فیصد پسماندہ ہے۔ چنانچہ انہیں پانچ فیصد تحفظات دیئے جانے چاہئے جس سے سپریم کورٹ کی مقررہ 50% کی حد میں صرف معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حکومت نے آندھراپردیش ایکٹ نمبر 21 آف 2005 مورخہ 25-10-2005 جاری کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک علاحدہ گروہ 'E' کے طور پر پانچ فیصد تحفظات دیئے۔اس پانچ فیصد میں ڈوڈ کولا اور مہتر شامل نہیں ہیں جنہیں پہلے سے ہی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔

اس قانون کو آندھراپردیش کی ہائی کورٹ کی رٹ درخواست نمبر 2005/13832 کے ذریعہ بی ارچنا ریڈی اور دیگر بمقابلہ ریاست آندھراپردیش چیلنج کیا گیا۔ ہائی کورٹ کے مکمل بنچ نے اس قانون کو غیر دستوری قرار دیتے ہوئے رد کردیا اور اس قانون کی مطابقت میں دیئے گئے داخلوں کے معاملے میں جوں کی توں حالت کی برقراری کی ہدایت دی۔[19] اس قانون کو عدالت نے رد کرتے ہوئے بتایا کہ پسماندہ طبقہ کے طور پر مسلمانوں کی شناخت غیر سائنٹفک اور غلط طریقے سے کی گئی ہے۔[20] جسٹس گوڑے رگھورام نے اپنے علاحدہ فیصلہ میں مسلمانوں کے لئے تحفظات کو برہنہ اور خالصتاً مذہب پر مبنی پروگرام قرار دیا۔اس جج نے یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں کو تحفظات سے تبدیلی مذہب کی ہمت افزائی ہوگی چونکہ اعلیٰ طبقہ کا کوئی بھی رکن صرف یہ سمجھ کر اسلام قبول کرسکتا ہے کہ اس سے وہ پسماندہ بن

جائے گا۔جج نے اپنے فیصلہ میں یہ تبصرہ کیا کہ ''ہماری جمہوریہ کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی بھی پسماندہ طبقہ کی رکنیت اتنی آسان، اتنی لبھاونی اور اتنی ورغلانے والی نہیں تھی۔''[21]

ان تحفظات کو رد کرنے کے لئے عدالت العالیہ کے فیصلہ کے لئے جو باتیں وزن رکھتی تھیں انہیں جسٹس وی وی ایس راؤ کے مشترکہ فیصلہ میں بتایا گے۔ جو اس طرح تھیں: مسلمانوں کو دستوری تحفظات دینے کے لئے ریاست مسلم سماج کی موجودہ حالت کو ثابت کرنے میں ناکام ہوئی ہے۔مسلمانوں کے پسماندہ طبقہ کو پیشہ اور دیگر عوامل کی بنیاد پر تحفظات دینے پر غور کیا جاسکتا ہے لیکن پوری مسلم برادری کے لئے نہیں۔بی سی کمیشن مسلمانوں کی سماجی پسماندگی کی شناخت کے لئے کوئی کسوٹی کو وضع نہیں کیا ہے۔اس کمیشن نے اپنی جانچ کو سائنٹفک، معروضی یا شفاف اور منصفانہ طریقے سے نہیں کیا ہے۔کمیشن کی جانب سے جمع کئے گئے نمونے نہ تو عام آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں اور نہ ہی مسلمان آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں۔صرف غربت، معاشی پسماندگی اور تعلیمی پسماندگی سماجی پسماندگی کا پیمانہ نہیں ہے بلکہ شہریوں کے ایک طبقہ کو سماجی طور پر پسماندہ قرار دینے کیلئے کچھ اور چاہئے، چنانچہ اس قانون مذہبی تخصص رکھتا ہے۔[22]

کمیشن کی شنوائی کے دوران اکثر مرتبہ نظریاتی مخالفین کے مظاہروں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ایسے مخصوص مخالف گروہ سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ آندھراپردیش کے مسلمان گروہوں کے لئے تحفظات کی مخالفت کئے۔ایسے ہی ایک گروہ نے سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے لئے ''تحفظات'' کی مخالفت یہ کہتے ہوئے کیا کہ مسلمانوں میں کوئی سماجی درجہ بندی نہیں ہے اور یہ کہ آندھراپردیش میں مسلمان ایک یکساں گروہ ہیں۔ایک دوسرے گروہ کی یہ دلیل تھی، چونکہ مسلمانوں میں کوئی ''درجہ بندی'' نہیں ہے اور پسماندگی نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو کسی صورت تحفظات کے فوائد نہیں دیئے جانے چاہئے۔

6۔ پی ایس کرشنن رپورٹ

حکومت آندھراپردیش نے شری پی ایس کرشنن کو محکمہ بہبود و پسماندہ طبقات کا مشیر مقرر کیا۔خصوصاً انکا کام آندھراپردیش کے مسلمانوں میں سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی نشاندہی کرنا اور رپورٹ دینا اور اس سلسلے

ودیگر متعلقہ امور پر سفارشات دینا تھا۔حکومت آندھراپردیش کے مشیر پی ایس کرشنن کی رپورٹ بعنوان ’’رپورٹ وسفارشات برائے آندھراپردیش کے مسلمانوں میں سماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی نشاندہی‘‘ 11رجون 2007 کوحکومت کوپیش کی گئی۔

پی ایس کرشنن کے مشاہدات

پی۔ایس کرشنن کے مشاہدہ کے مطابق' آندھراپردیش ایک انوکھی ریاست ہے جسکی سماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی فہرست میں سماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ مسلمان طبقات کی موجودگی بہت ہی محدود رہی۔مجموعی طور پر ہندوستان کو اگر لیا جائے تو SC/ST اور BCsاور ہندو S.Ed /BC/OBC 1931ء کی مردم شماری کی بنیاد پر منڈل کمیشن کی رپورٹ کے مطابق جملہ ہندوآبادی کا80% ہیں۔SEd BC/OBC کے متعلق2004-05 کے NSSO کے سامپل سروے کے تخمینہ کے مطابق یہ مجموعی طور پر75% ہے۔آندھراپردیش میں بھی یہی تناسب ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ مسلمان آبادی کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشمل ہے جو بڑی تعداد میں ''اچھوت'' ذاتوں اور دیگر نچلی ذاتوں (موجودہSCاورBC) سے تبدیلی مذہب کرنے والوں پر مشتمل ہے۔اس لئے یہ ممکن نہیں کہ مسلمانوں کی آبادی مجموعی طور پر ہندوST/SCاورBC کے تناسب سے کم ہو۔یہ یادرکھنا چاہئے کہ آندھراپردیش کی ST آبادی میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔اگرچیکہ یہ معلوم ہیکہ اسلام قبول کرنے والوں میں سب سے زیادہ درج فہرست ذاتیں تھیں،لیکن آج انکی علاحدہ شناخت ممکن نہیں اورحتی کہ ہندو درج فہرست ذاتوں کے ہمعصر مسلمان طبقات جیسے مسلمان مہتر جنکی علاحدہ شناخت ہے کو درج فہرست ذات (SC) تسلیم نہیں کیا جاتا چونکہ درج فہرست کا تعین کرنے والا صدارتی حکمنامہ کا فقرہ3 اسکی اجازت نہیں دیتا۔ تمام عوامل کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلمانوں میں پسماندہ طبقات کا تناسب معروضی طور پر ہندوؤں میں ہندو جملہ SC،ST،BC سے زیادہ ہیں۔

اس معروضی موقف کی روشنی میں یہ واضح ہیکہ ریاست کے مسلمان پسماندہ محروم طبقات ہیں۔ریاست آندھراپردیش کے لئے صدارتی حکمنامہ اور ریاستی ومرکزی فہرستیں برائے SEd/ BC/ OBC نے صحیح طور پر ہندو مذہبی آبادی کی اکثریت کا احاطہ کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف کچھ ہی زمرہ باقی رہ گئے ہیں اور وہ بھی اس

فہرست میں اپنی شمولیت کیلئے درخواست کررہے ہیں اورانکی درخواست پرغور کرنا باقی ہے۔عیسائیت قبول کرنے والے تمام درج فہرست آبادی کو بجاطور پر ریاستی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔لیکن مسلمان مذہبی طبقہ کی آبادی کے صرف ایک چھوٹے حصے کو ریاستی فہرست برائے پسماندہ طبقات اور مرکزی فہرست برائے آندھراپردیش میں شامل کیا گیا ہے۔سچر کمیٹی کی رپورٹ میں دئے گئے NSSO کے آندھراپردیش اور جنوب کی دیگر ریاستوں اور شمال کی بڑی ریاستوں میں متعلقہ ریاستوں کی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل مسلمانوں کے اعدادوشمار کے تناسب میں پائے جانے والے فرق کو دیکھا جاسکتا ہے۔

فہرست پسماندہ طبقات میں مسلمان آبادی کے اس معمولی تناسب کی وجہ مسلمان سماج کے متعلق پائے جانے والے خیال اور سمجھ کی خامی کی وجہ سے ہے۔ یہ موجودہ صورتحال کئی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ایک طرف مسلمان شہری سماج کی قیادت اپنا سارا وزن اس بات پر صرف کرتی ہیکہ تمام مسلمانوں کو سماجی ومعاشی طور پر پسماندہ طبقہ سمجھا جائے تو دوسری طرف آندھرا کے مسلمانوں کو زیادہ تر حکمران طبقہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سماجیاتی یا تاریخی طور پر کوئی صحیح تصور نہیں ہے۔اچھوت اور دیگر نچلے ہندو ذاتوں کی حالت ابتداء میں بھی وہی تھی جبکہ حکمران بھی ہندو تھے اور آزادی تک بھی دیسی ریاستوں میں جہاں کے حکمران ہندو تھے،اچھوتوں کی حالت ویسی ہی خراب تھی جیسی کہ ابتداء میں تھی۔سچائی یہ ہیکہ پورے ہندوستان پر اور ہندوستان کے کئی حصوں پر آزادی سے پہلے اور بعد میں ہندو ہی حکمران تھے اسکے باوجود ہندو اچھوت ذاتیں اور دوسری نچلی ذاتیں کسمپرسی کی حالت میں تھے۔اس طرح جہاں پر مسلمان حکمران تھے وہاں پر بھی مسلمانوں کے کمزور و نچلے طبقات کی حالت میں کوئی سدھار نہیں آیا۔ اسکی بہترین مثال لکشادیپ کی ہے جو کہ کئی صدیوں تک کیرالا کے مسلمان حکمرانوں کی حکمرانی میں تھا۔ جہاں تمام لوگ اسلام قبول کئے اور مسلمان میلاچری کو کمتر ہندو ذات قرار دیکر انہیں کمتر درجہ دیا گیا۔اس لئے پوری مسلمان آبادی کو حکمران طبقہ سے جوڑنا غلط ہے۔

دوسرا غلط تصور اسلام کے تصور مساوات سے پید ہوا ہے۔ مسجد اور مذہبی امور اور زندگی کے روزمرہ کے امور کو مساوات کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ درحقیقت نظریاتی مساوات اور سماجی درجہ بندی کی عدم مساوات مسلمانوں کے مختلف میدانوں میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔اور ان دونوں کو ایک نہیں سمجھنا چاہئے۔[23]

کرشنن اپنے تجزیہ میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ دیگر ریاستیں جیسے کرناٹک،ٹمل ناڈو اور کیرالا کے مقابلے

میں ریاست آندھراپردیش کے بہت ہی کم مسلم طبقات تحفظات سے مستفید ہورہے ہیں۔صرف دوطبقات کو چھوڑ کر دیگر مسلم پسماندہ طبقات تحفظات سےمحروم ہیں۔

اس کی اہم وجہ ریاست آندھراپردیش کی مسلم قیادت اورشہری سماج مسلمانوں میں پائے جانے والی درجہ بندی کونظرانداز کرتے ہوئے گذشتہ چالیس برسوں کے دوران تمام مسلمانوں کےتحفظات کے لئے آوازیں اٹھاتے رہے۔ تاہم کرشنن رپورٹ یہ بتاتی ہیکہ عملاً ملک کے تمام حصوں میں مختلف ریاستوں کی مسلمان آبادی میں سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات واضح طور پر ہیں' جوتحفظات سے استفادہ کرر ہے ہیں۔کئی ایک وجوہات کی بناء پر اس معاملہ میں ریاست آندھراپردیش پیچھے رہی ہے۔ یقیناً یہ ایک بڑی خامی تھی اور آندھراپردیش پسماندہ طبقات کمیشن (A.P.B.C) نےاس خامی وکمی کودورکرنے کی کوشش کی ہے۔کرشنن رپورٹ نے اس بڑی ناانصافی کودورکرنے کی کوشش کرتے ہوئےحسب ذیل سفارشات پیش کئے ہیں۔

پی ایس کرشنن رپورٹ کی سفارشات

آندھراپردیش کےمسلمانوں کے سماجی گروہوں اور برادریوں جنکی موجودگی کوانتھراپولیجکل سروے آف انڈیا نے اپنے پراجیکٹ ''ہندوستان کےعوام'' میں تسلیم کیا ہے،اوران میں سے دودودے کولا یا نور باش اورمہترکو پہلے ہی ریاستی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔پی ایس کرشنن نے اپنی رپورٹ میں ان دونوں کوچھوڑکرحسب ذیل سماجی گروہوں اورمسلمان برادریوں کوسماجی وتعلیمی طور پرپسماندہ تسلیم کرے کی سفارش کی ہے۔

1۔ عطارسائیبلو یااتارولو

یہ مسلمان برادری کا پیشہ وارانہ گروہ ہے جنکا روایتی پیشہ عطر تیار کرنا اور بیچنا ہے۔اسکے ساتھ ساتھ اگربتی بنانا انکا ثانوی پیشہ ہےاور یہ نچلے درجہ کا گروہ کہلاتا ہے۔یہ ایک واضح طور پرسماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ ہے۔

2۔ بورے والے

یہ مسلمانوں کی روایتی گداگر(بھیک مانگنا)برادری ہے' جواب بوریا بننے کا کام کرر ہے ہیں۔اس طرح یہ بھی

ایک ''پیشہ ورانہ'' برادری ہے۔ یہ بھی واضح طور پر ایک سماجی و تعلیمی پسماندہ طبقہ ہے۔

3۔ چکی ٹاکنے والے

یہ مسلمانوں کا ایک روایتی پیشہ ورانہ گروہ ہے' جو روایتی طور پر چکی ٹاکنے کا کام کرتا آیا ہے۔ اب یہ پتھر پھوڑنے/کاٹنے کا کام کررہے ہیں۔ اور ہندو پسماندہ طبقہ ''وڈے''، ''وڈے لو'' کی طرح ضرورت کے مطابق جسامت کے پتھر کاٹنے کا کام کررہے ہیں، ''وڈے لو'' آندھراپردیش میں پسماندہ طبقہ ہے اور اس پیشہ سے وابستہ مسلمان بھی واضح طور پر سماجی و تعلیمی پسماندگی کا شکار ہیں۔

4۔ مسلم دھوبی، دھوبی مسلمان

یہ ایک پیشہ ورانہ گروہ ہے جسکا روایتی پیشہ کپڑے دھونا ہے۔ یہ اس ہندو طبقہ کا ہمعصر ہے جس کو ''راجکا'' (چاکلی، ونار) کے نام سے ریاستی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طبقہ کو تمام ریاستوں کی پسماندہ طبقات کی فہرست یا درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں مختلف ناموں سے شامل کیا گیا ہے۔ خصوصاً یوپی، بہار، دہلی وغیرہ میں یہ درج فہرست ذات ہیں۔ اس طبقہ کے مساوی غیر ہندو مذہبی برادریوں کو SEd BC/OBC کے طور پر منڈل کمیشن نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ طبقہ واضح طور پر سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ ہے۔

5۔ فقیر/بڈبڈکی

یہ بھیک مانگنے والی خانہ بدوش یا نیم خانہ بدوش مسلمانوں کی ایک برادری ہے۔ جنکا روایتی پیشہ بھیک مانگنا ہے۔ ایسی تمام برادریوں کو مختلف ریاستی فہرستوں میں SE d BC/OBC اور مرکزی فہرست برائے پسماندہ طبقات میں شامل کرلیا گیا ہے۔ کرناٹک کی ریاستی فہرست میں انہیں درویش کہا گیا ہے، جبکہ کرناٹک کے لئے مرکزی فہرست میں اسی برادری کے لئے کچھ اور نام دیا گیا ہے۔ اسی برادری کو ہندوؤں میں ''بڈابکولا'' کہا جاتا ہے جنہیں پہلے سے ہی آندھراپردیش کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔ یہ واضح طور پر سماجی و تعلیمی پسماندہ طبقہ ہے۔

6۔ گارڈی مسلمان

یہ تفریح فراہم کرنے والے فقیروں کی ایک برادری ہے۔تفریح کے ذریعہ بھیک مانگنے والی برادریوکو S.Ed. BC/OBC کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔اس برادری کوآندھراپردیش کی درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں بھی شامل کرلیا گیا ہے۔گراڈی مسلمان ہندو برادری جنہیں ''داسری'' کہا جاتا ہے کہ ہمعصر ہیں ان میں گنگی ریڈلاوار' ڈومارا، سانپ پکڑنے والے/بہروپیے وغیرہ آندھراپردیش میں پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل ہیں۔ یہ ایک سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ ہے جو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کئے جانے کا مستحق ہے۔

7۔ گوسانگی مسلمان

یہ ایک سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ ہے۔اس برادری کے لوگ ہندو، سکھ، بدھ مت، اور مسلمان میں پائے جاتے ہیں۔ آندھراپردیش کی درج فہرست ذاتوں کی فہرست میں اس برادری کو شامل کیا گیا ہے۔ تاہم' گوسانگی مسلمانوں کو صدارتی حکمنامہ کے فقرہ3 کے متابصت میں اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔گوسانگی مسلمان SEd. BC/OBC سے تعلق رکھنے والے غیر ہندو مذہبی برادریوں کے لئے منڈل کمیشن کی جانب سے شناخت دو کسوٹیوں میں سے ایک کسوٹی کو پورا کرتی ہے۔یعنی یا تو یہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کو تبدیل کرنے والے پسماندہ طبقہ ہوں یا تو درج فہرست ذاتوں کے ہمعصر ہوں۔اس لئے اسے ریاستی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنا چاہئے۔

8۔ گڈری ایلگو والو، ایلگو بنٹو والو

یہ روایتی تفریح طبع فراہم کرنے والی ایک خانہ بدوش برادری ہے جو ریچھ کا کھیل دکھا کر بھیک مانگتے ہیں۔ یہ چاقو، چھریاں اور ستور کو تیز کرنے کا کام بھی کرتے ہیں۔ یہ اب زراعتی مزدور کا کام بھی کررہے ہیں۔ یہ واضح طور پر سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقہ ہے۔

9۔ حجام،مسلمان نائی،نوید مسلمان

یہ ایک چھوٹا پیشہ ورانہ گروہ ہے جن کا روایتی پیشہ حجامت کرنا ہے۔نائی برہمن کے نام سے انکا ہم منصب ہندو طبقہ پہلے ہی سے آندھراپردیش کی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے اور یہ تعلیمی وسماجی طور پر پسماندہ ہیں۔ وہ تمام برداریاں جنکا روایتی پیشہ بال بنانا اور اس سے جڑا ہوتا ہے کو تمام ریاستوں میں مقامی ناموں سے پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔مسلمان حجام اور انکے ہمنام مسلمانوں کو اتر پردیش، بہار اور دہلی کی ریاستوں کی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلمان حجام کو بھی چاہے انکے نام کچھ کیوں نہ ہوں' آندھراپردیش کی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنا چاہیئے۔

10۔ لبئ ،لبی

یہ آندھراپردیش کی ایک چھوٹی برادری ہے' لیکن یہ ریاست ٹاملناڈو کی مرنا (Marna) برادری کی طرح روایتی پیشہ جیسے دباغت اور اس سے جڑے کام کرتی ہے۔آندھراپردیش میں اگرچیکہ یہ بہت ہی چھوٹی برادری ہے، لیکن ٹاملناڈو میں یہ ایک بڑا گروہ ہے جس میں کئی سماجی گروہ شامل ہیں جن کی قدیم ذاتوں کی شناخت ختم ہوگئی ہے۔لبئ مدراس پریسڈنسی میں ماقبل دستور کے دور سے ہی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل ہیں سوسان بائیلی کے مطابق لبی نچلا سماجی درجہ رکھنے والے لوگ ہیں اور تعلیمی وسماجی طور پر پسماندہ طبقہ ہیں۔

11۔ قریش رمسلمان قصاب

اس برادری کا پیشہ جانوروں کا گوشت فروخت کرنا ہے۔انکا سماجی رتبہ بہت ہی کم ہے اور انہیں نچلی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔انکے وہی مسائل ہیں جو انکے ہمعصر، کاٹیکا اور اریکاٹیکا کے مسائل ہیں اور دونوں کا سماجی رتبہ یکساں مساوی ہے۔ یہ دونوں تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں۔ واضح طور پر یہ سماجی و تعلیمی پسماندگی کا شکار ہیں۔درحقیقت،1986 کی ریاستی پسماندہ طبقات کی فہرست میں اس طبقہ کو شامل کرنے کی دوسرے پسماندہ طبقات کمیشن (این کے مرلیدھرر اوَ) کمیشن نے سفارش کی تھی۔سہواً اس فہرست سے یہ چھوٹ گیا تھا۔البتہ NCBC نے آندھراپردیش کے لئے

پسماندہ طبقات کی فہرست کے 13 ویں مد میں شامل کر لینے کا مشورہ دیا تھا جسکی وجہ سے مرکزی حکومت نے اس برادری کو اپنی فہرست میں شامل کرلیا۔ دوسری کئی ریاستیں جیسے کرناٹک، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور اترپردیش کی مرکزی فہرست میں بھی اب انہیں شامل کرلیا گیا ہے۔ اسلئے آندھرا پردیش میں بھی اس طبقہ کو ریاستی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنا چاہیئے۔

12۔ شیخ Shaik/Sheikh

اس گروہ کے درجہ، رتبہ وموقف کے متعلق کچھ الجھن ہے۔ یہ الجھن دو مخالف پہلوؤں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ایک طرف عمومی مسلمہ بات یہ ہیکہ شیخ درجہ اشراف کے گروہوں میں سے ایک گروہ ہے اور انکا مقام ''سید'' کے بعد ہے اور انکی ابتداء عرب سے بتائی جاتی ہے۔ اور یہ بات ہندوستان کے تمام علاقوں بشمول ٹاملناڈو کے متعلق صحیح ہے۔ دوسری طرف یہ وہ اہم درجہ ہے جسکی طرف کئی پسماندہ گروہ ہجرت کئے ہیں۔ ایسا کئی علاقوں میں ہوا ہے۔ لیکن زیادہ تر علاقوں میں ایسی نقل وحرکت تبدیلی مذہب سے قبل اعلیٰ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد تک ہی محدود تھی۔ اسکی ایک مثال یو پی کے شیخ رصدیقی کی ترسیم کے ذریعہ بیان کی ہے جو اصل میں ضلع الہ آباد کے کائستھ تھے اور برطانوی حکمرانی میں مواقعوں سے استفادہ کرنے کے لئے اپنے پچھلے پس منظر کو چھوڑ کر شیخ کے ایک نئے شجرہ کو تیار کئے۔ شیخ وہ درجہ ہے جس میں اوپر کی جانب رسائی ''سید'' اور ''مغل'' کے مقابلہ میں کم مشکل ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے چھتری برادری میں رسائی کم مشکل ہے۔ لیکن اترپردیش اور دیگر علاقوں میں حتی کہ اپنے الحاقات کے بعد بھی سماجی اصطلاحوں میں شیخ اشراف کے زعماء درجہ کے حامل ہیں جو مسلمانوں کی جملہ آبادی کا صرف ایک چھوٹا تناسب ہوتے ہیں۔ لیکن آندھرا پردیش کشمیر اور ممکنہ طور پر مغربی بنگال کے ان تین علاقوں میں صورتحال مختلف ہے اور ان علاقوں میں ''شیخ'' کے لئے الگ الگ نام ہیں۔ یہاں پر نچلی ذاتوں بشمول مختلف برادریوں سے تعلق رکھنے والے ''اچھوت'' ذاتوں کا کام اور انکی شناخت ''شیخ'' کے طور پر کی جاتی ہے۔ اسی وسیع گروہ میں داخل ہونے کے بعد یہ اپنی علاحدہ ذات کو ختم کرتے ہوئے ایک واحد اور بڑا گروہ بن گئے ہیں۔

کشمیر کے معاملے میں اس بات کو ٹی این مدن نے واضح طور پر بتایا ہے۔ رنجیت کے بھٹاچاریہ نے 13

دیہاتوں کا مطالعہ کیا ہے، جہاں کی مسلمان آبادی میں شیخ 85% ہیں۔ اوجیت گھوش کی ایک دلچسپ رپورٹ مشرقی دہلی کے غازی پورسلم کے ردی رکچرا چننے والے 120 خاندانوں کا تعلق خاطر بتایا گیا ہے۔ ان میں سے 80% مغربی بنگال کے مشرقی مدنا پور ضلع کے نندی گرام سے ہجرت کئے ہیں۔ اپنے وطن میں یہ معمولی کسان یا بے زمین زراعتی مزدور ہیں۔ اس رپورٹ میں ہمارے یہ ردی رکچرا چننے والوں میں جو چار کے نام مضمون میں لئے گئے ہیں ان میں تین شیخ ہیں، شیخ خورشید، شیخ ابوحسن اور شیخ عابد ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سماج کے نچلے طبقے کے لوگ اپنے نام کے ساتھ شیخ لکھتے ہیں۔

گزرتے وقت کے ساتھ آندھراپردیش میں یہ رجحان وسعت پاتا گیا۔ ماقبل آزادی اور مابعد آزادی 19 ویں اور 20 ویں صدیوں کے ضلعی گزٹ اس سچائی کی تصدیق کرتے ہیں کہ ''شیخ'' مسلمانوں کی جملہ آبادی کا سب سے بڑا گروہ ہے۔ Arthur Y.Cox کا تیار کردہ ضلع شمالی ارکاٹ کا مینول 1881 کے مطابق جس میں موجودہ ضلع چتور بھی شامل تھا، دودے کولا اور پنجارے اصل میں شیخ ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ بعض گزٹ میں آبادی کے تخمینے بھی ہیں۔ 1915ء میں C.F Brackenburry TCS کا تیار کردہ کڑپہ کے ضلعی گزٹ میں شیخوں کی آبادی کا تخمینہ ضلع کی جملہ مسلمان آبادی کا 5/8 بتایا گیا ہے جو 62.5% سے زیادہ ہوتے ہیں۔ تلنگانہ کے موجودہ سات اضلاع (جس میں حیدرآباد، رنگاریڈی اور میدک شامل نہیں ہیں) کے گزٹ جو 1940 میں شائع ہوئے تھے میں ہر ضلع کی شیخ، سید، پٹھان اور مغل آبادی کو 1931 کی آبادی کی بنیاد پر ''اہم ذاتوں کے اعداد وشمار'' کے عنوان سے جدول کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہیکہ سوائے عادل آباد ضلع کے تمام اضلاع میں مسلمانوں میں شیخ اکثریت میں ہیں، جبکہ ضلع عادل آباد میں اکثریت سے کچھ کم ہیں۔ باقی پانچ اضلاع میں شیخ 60% ہیں۔ ان پانچ اضلاع میں سے چار اضلاع میں انکی تعداد 70% ہے اور ایک ضلع میں وہ مسلمانوں کی آبادی کا 80% ہیں۔ یہ ایک عام بات ہیکہ زعماء اعلیٰ ذات کے گروہوں کی آبادی کم ہوتی ہے، لیکن تمام چھوٹے گروہوں کا زعماء ہونا ضروری نہیں۔ آندھراپردیش میں شیخوں کی آبادی کا تناسب اور جسامت زعماء گروہ کی عام خصوصیات کی نمائندنہیں کرتے۔ شیخوں کی بڑی آبادی اور تناسب اور بعض علاقوں خصوصاً کشمیر اور بنگال کی مثال یہ بتاتے ہیں کہ آندھراپردیش کے شیخ بیرونی نژاد کی اعلیٰ درجہ بندی کے حامل نہیں ہیں۔ کئی مقامی برادریاں اپنی انفرادی شناختوں کو چھوڑ کر اس میں ضم ہوگئی ہیں اور اپنے

آپ کو شیخ بتانے لگی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بتانا سودمند ہوگا کہ مادیگا، مالا، آدی آندھرا اور ارونہ ھتیار برادریوں کے 1,70,000 افراد میں سے 1921 میں نچلے طبقات کی آبادی 2.2% تھی جسے مدراس کی مردم شماری کی جلد میں M.W. Yeats نے اپنی رپورٹ میں پیش کیا ہے۔ اس رپورٹ میں ساحلی آندھرا کے اضلاع گنٹور اور نیلور میں مسلمانوں خصوصا شیخ آبادی میں بڑے اضافہ کو بھی بتایا گیا ہے۔ Yeats کی یہ تحریر یہ بتاتی ہے کہ درج فہرست کہلانے والی ذاتوں کی بڑے پیمانہ پر شیخ کے درجہ میں تبدیلی ہوئی ہے جو آندھرا پردیش کے تناظر میں شیخ کے صحیح معنوں کی وضاحت کرتی ہے۔

یہ تمام ''اچھوت'' اور نچلی رکم تر برادریاں دراصل شیخ گروہ میں ضم ہوگئی ہیں۔ یہ برادریاں سید، مغل، پٹھان، عرب، اایرانی، بوہرہ، کچی مین، خوجہ میں نہیں رسائی کرسکتی اس لئے یہ سب ایک بڑے شیخ گروہ کا ایک حصہ بن گئی۔ اسطرح ''شیخ'' اچھوت اور دیگر نچلی ذاتوں پر مشتمل طبقہ ہے جو کہ ابتداء میں کوئی پیشہ ور گروہ یا ذات نہیں تھے بلکہ یہ زراعتی مزدور تھے یا قولدار زرعی پیشہ تھے یا چھوٹے کاشتکار تھے۔ یہ سب پیشے تو تھے پیشہ ورانہ گروہ میں انکا شمار نہیں ہوتا تھا کیونکہ عام اصطلاح میں غیر زرعی دستکاری طبقہ سے تعلق رکھنے والے ماہر پیشہ ور تھے۔ یہ ایسے پیشہ ورانہ ذاتیں تھے جو مسلمان بننے سے قبل ہندو رہتے ہوئے یہی پیشے رکھتے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اسی پیشہ میں رہے جسکی وجہ سے انکی وہی شناخت اور نام ہوگئے۔ یہی وجہ ہیکہ شمالی ہندوستان کے مسلمان پسماندہ طبقات اپنی وہی مخصوص ذات اور نام اور ذات سے جانے جاتے ہیں۔ بیرون نسل سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ درجہ کی برادریاں، یا جو حقیقی اعلیٰ ہندو ذات سے تعلق رکھتے تھے اپنی علاحدہ شناخت بنائے رکھے۔

جنوبی ہند میں تبدیلی مذہب کے طرز کی وجہ سے ذات کی انفرادی پرانی شناختیں ختم ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی آبادی کی ایک چھوٹی تعداد اپنی پیشہ ورانہ شناخت کو باقی رکھی ان میں ڈوڈے کولا، مہتر، بھکاری رفقیر یا فقیر بڈبڈ گی، درویش، اور گوسنگی مسلمان، مسلمان دھوبی اور مسلمان نائی سب سے نچلی سطح پر ہیں، جبکہ سید، پٹھان، مغل، خوجہ وغیرہ اعلیٰ سطح پر ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں اسلامی سماج جس میں بڑی تعداد میں ''اچھوت'' اور نچلی ذاتیں ہیں اور انہیں ملابار میں میپلا (Mappila)، ٹاملناڈو میں لبی، آندھرا پردیش میں شیخ کی شناخت دی گئی اور ان تمام ریاستوں میں یہ تمام گروہ یکساں پیشوں کے حامل ہیں۔ کئی حقیقی نچلے سماجی گروہ کو شیخ میں ضم ہونے کے نتیجہ میں پسماندہ سمجھا جاتا ہے۔

مسلمانوں سے متعلق تعلیمی پسماندگی کے اعداد وشمار پر ''شیخ'' برادری کی پسماندگی تعلیمی وسماجی حالت کو پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سماجی وتعلیمی طور پر پسماندہ ہیں۔

13۔ سدی Siddi

یہ وہ برادری ہے جسے ہندوستان میں شخصی خدمات خصوصاً شخصی محافظ اور شاہی محلات کے تحفظ کے لئے باہر کے ممالک سے لایا گیا تھا اور آج یہ رکشا چلا رہے۔ اگرچیکہ یہ بیرونی ملک سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن یہ سید اور پٹھان کی طرح ''بہ وقار'' موقف کے حامل بیرونی نسل سے تعلق نہیں رکھتے۔ گجرات کے درج فہرست قبائلوں کے لئے جاری کردہ صدارتی اعلامیہ میں انہیں گجرات کے لئے درج فہرست قبائیلیوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ انہیں ریاست کرناٹک کے S.Ed. B.C کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ NCBC کے مشورہ پر حکومت ہند نے انہیں کرناٹک کے لئے مرکزی فہرست برائے پسماندہ طبقات میں شامل کرلیا گیا ہے۔ سدی سماجی وتعلیمی طور پر ایک پسماندہ طبقہ ہیں۔

14۔ **دیگر مسلمان گروہ**: (مذکورہ بالا گروہ سید، مشائخ، مغل، پٹھان، ایرانی، عرب، بوہرہ، شیعہ، اسماعیلی خوجہ، کچی میمن، جماعت اورنوایت کو چھوڑ کر)

''دیگر مسلمان گروہوں کی آخری درجہ بندی ان پسماندہ گروہوں کے لئے ضروری ہے جنکی پیپل آف انڈیا سیریز میں شناخت نہیں کی گئی، تاہم ضلع کے گزٹ اور دیگر ذرائعوں میں انکا تذکرہ چھوٹے گروہ کے طور پر کیا گیا ہو۔ یا انکا تذکرہ دور دراز کے گروہ کے طور پر کیا گیا ہو اور ان وجوہات کی بناء پر وہ نظر میں نہیں آتے ہیں لیکن ممکن ہیکہ وہ مستقبل میں منظر عام پر آئیں۔ ایسی کئی مثالیں ہیں جس میں حقیقی پسماندہ گروہ اندھیرے میں رہ گئے۔ جبکہ دوسری طرف اخراجی گروہ جیسے سید، پٹھان، مغل، مشائخ، ایرانی، عرب، بوہرہ، شیعہ، اسماعیلی خوجہ اور کچی میمن، جماعت اور نوایت جوکہ سماجی طور پر پسماندہ نہیں ہیں تحفظات کے زمرے میں شامل نہ کئے جائیں۔

سید، مشائخ، مغل، پٹھان، ایرانی، عرب، بوہرہ، شیعہ، اسماعیلی، خوجہ، کچی میمن، اور جماعت ونوایت مسلمانوں

کی اعلیٰ طبقات میں شامل ہیں۔ بوہرہ، کھوجہ اور کچی میمن اعلیٰ رتبہ کے خوش حال تجارتی گھرانے ہیں۔ دوسرے گروہ جو بیرونی نسل کے ہیں یا بیرونی نسل سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، انکو اعلیٰ گروہوں میں شامل کیا گیا ہے اور وہ لوگ جو اسلام قبول کرنے کے بعد اعلیٰ رتبہ کے حامل مسلم گروہ کے طور پر شناخت کو حاصل کئے انکو سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ نہیں کہا جاتا۔ ان میں سے کسی گروہ کو بھی دستوری طور پر سماجی پسماندہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان میں سے بعض تعلیمی طور پر پسماندہ اور غریب ہوسکتے ہیں لیکن دستوری دفعات خصوصاً دفعہ 340(1) دفعہ 15(4)، 16(4)، دفعہ 15(5) اپنی روح اور عدالتی توضیحات، خصوصاً سپریم کورٹ کے 1992 کے مقدمہ (اندرا ساہنی مقدمہ) کا فیصلہ اور آندھرا پردیش ہائی کورٹ کا مسلم تحفظات کے متعلق فیصلہ کے مطابق پسماندہ طبقات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ پسماندہ طبقات کی فہرست میں کسی گروہ کی شمولیت کے لئے سماجی پسماندگی کے ساتھ تعلیمی پسماندگی، غربت اور کم تر رتبہ کا پیشہ ضروری ہے۔

اس طرح پی ایس کرشنن نے اپنی رپورٹ میں آندھرا پردیش میں سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ چودہ برادریوں کی درجہ بندی کی ہے اور انکو ریاست کی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شمولیت کی سفارش کی ہے۔ کرشنن کمیشن کے یہ سفارش دستور کے علاوہ سپریم کورٹ، اے پی ہائی کورٹ کے فیصلوں اور NCBC کے اصولوں اور طریقہ کار اور روایت کے مطابق بھی ہے۔ [24]

5۔ ریاست آندھرا پردیش میں مسلمانوں کے لئے تحفظات کا قانونی موقف اور بحث

آندھرا پردیش میں مسلمان پسماندہ طبقات کے لئے تحفظات کا مسئلہ طویل قانونی مسائل سے دوچار ہے اور قطعی فیصلہ سپریم کورٹ میں زیرالتواء ہے۔ آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے مسلمانوں کیلئے دئے گئے تحفظات کو تین مرتبہ مختلف بنیادوں پر رد کر چکا ہے۔ اس پر ذیل میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر وائی ایس آر ریڈی کی کانگریس حکومت نے 12/ جولائی 2004ء کو G.O. Miscellenous No.33 کو جاری کرتے ہوئے محکمہ اقلیتی بہبود کے کمشنریٹ کی رپورٹ کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے 5 فیصد تحفظات کو فراہم کیا۔ اس حکمنامہ کو ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن نمبر 12239 آف 2004 کے ذریعہ چیلنج کیا گیا جو ٹی مرلیدھر

بمقابلہ ریاست آندھراپردیش کے نام سے مشہور ہوا۔ آندھراپردیش ہائی کورٹ کی مکمل بنچ نے حکومت کے اس حکمنامہ کو کالعدم قرار دیا یہ کہتے ہوئے کہ حکومت نے پسماندہ طبقات کمیشن سے رائے لئے بغیر ہی تحفظات فراہم کئے ہیں۔ کسی بھی طبقہ کو پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے یا نکالنے کے لئے بی سی کمیشن کی رائے لینا لازمی ہے۔ عدالت نے حکومت کو ہدایت دی کہ بی سی کمیشن کو قائم کرے اور پسماندہ طبقات کی شناخت کرنے سے قبل اس طبقہ کے بالائی طبقہ (امیروں) کو پسماندہ طبقات سے باہر رکھے۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی صورت میں تحفظات کو 50% سے زائد نہیں ہونا چاہئے تاوقتیکہ کوئی غیر معمولی صورتحال نہ ہو اور مسلمانوں کے لئے دئے جانے والے 50% تحفظات سے تحفظات کی حد 50% سے بڑھ جاتی ہے۔

تاہم مکمل بنچ نے کہا کہ ایک گروہ کی حیثیت سے مسلمان ''مثبت اقدام'' کے حقدار ہیں اور سماجی تحفظات دستور کے دائرہ میں ہونا چاہئے اور مسلمانوں کی دستور کی دفعات 15(4) اور 16(4) کے تحت سماجی طور پر پسماندہ طبقات کی حیثیت سے شناخت کی جائے۔ مکمل بنچ نے اپنے احکام میں مزید یہ بھی کہا کہ ''اگر غیر ہندوؤں کی سماجی پسماندگی کی سب شناخت روایتی معنوں میں ذات کی بنیاد پر نہ کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں پیشہ، روایتی عقیدہ، جائے سکونت، اور غربت کو سماجی پسماندگی کے لئے تسلیم کیا جانا چاہئے۔ پسماندہ طبقات کی نشاندہی کے لئے مقررہ کردہ ادارے کو آزادی ہوگی وہ معقولیت کی بنیاد پر پسماندہ طبقات کی نشاندہی کے مقصد کے لئے کوئی بھی طریقہ یا انداز کو جسے وہ موزوں ومناسب سمجھتا ہو اختیار کرسکتا ہے۔ لیکن یہ طریقہ سائنس پر مبنی معقول منصفانہ اور ہونا چاہئے جس سے دستوری ضرورت پوری ہوتی ہو۔''[25]

اس فیصلے کے نتیجہ میں ریاستی حکومت نے 18 رنومبر 2004ء کو جسٹس دلوا سبرامنیم کی صدارت میں پسماندہ طبقات کمیشن (B.C. Commission) کا قیام عمل میں لاتے ہوئے مسلمانوں کے تحفظات کے دعویٰ کو اس کمیشن سے رجوع کیا۔ کمیشن نے ریاست کے تمام اضلاع کا دورہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی پسماندگی کے متعلق معلومات اور مواد حاصل کیا اور اپنی رپورٹ 2005ء میں دی۔ اس کمیشن نے مسلمانوں کے لئے زمرہ BC-E کے تحت 5 فیصد تحفظات کی سفارش کی۔ کمیشن نے سفارش کی کہ مسلمانوں کی آبادی کے ایک بڑے حصہ کی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے 5% تحفظات صحیح ہیں جس سے سپریم کورٹ کی متعینہ حد میں صرف معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حکومت نے

25/اکتوبر 2005ء کو آندھراپردیش ایکٹ 21/2005 کو منظور کیا جس سے مسلمانوں کے لئے علاحدہ طور پر زمرہ E کے تحت 5% تحفظات کی گنجائش فراہم کی گئی۔ یہ تحفظات ڈوڈے کولا اور مہتر طبقہ کو پسماندہ طبقات کی فہرست کے تحت دئے گئے تحفظات کے علاوہ تھے۔

اس قانون کو آندھراپردیش ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن نمبر (W.P.No 13832/2005) کے ذریعہ چیلنج کیا گیا۔ یہ درخواست ارچنا ریڈی اور دیگر کی جانب سے ریاست آندھراپردیش کے خلاف جاری کی گئی تھی۔ ہائی کورٹ کے کل بنچ نے اس قانون کو غیر دستوری قرار دیتے ہوئے رد کردیا لیکن تعلیمی اداروں میں اس قانون کے تحت ہوئے داخلوں کو جوں کا توں برقرار رکھا۔[26] عدالت نے اس قانون کے متعلق محسوس کیا کہ پسماندہ طبقہ کے طور پر مسلمانوں کی شناخت غلط اور غیر سائنس کسوٹی کے ذریعہ کی ہے۔[27] جسٹس گوڈے رگھورام نے اپنے علاحدہ حکم میں مسلمانوں کے لئے تحفظات تک کو کھلے طور پر تبدیلی مذہب کے لئے ہمت افزائی کرنے والے اور مذہب پر مبنی پروگرام قرار دیا۔ انہوں نے یہ بھی پایا کہ مسلمانوں کے لئے تحفظ کے بدولت ہندوسماج کے اعلیٰ ذات کا کوئی بھی ہندو یا کوئی بھی نسل یا مذہب کا فرد محض عقیدہ اسلام کو اپناتے ہوئے پسماندہ بن جائے گا۔ جج نے اپنے حکم میں ریمارک کرتے ہوئے کہا کہ ''ہماری جمہوریہ کی تاریخ میں کبھی پسماندہ طبقہ کی رکنیت اتنی دلفریب، آسان یار جھانے والی نہیں رہی ہے''۔[28]

تحفظات کے قانون کو رد کرنے کی دیگر وجوہات کا ذکر وی وی ایس راؤ کے مشترکہ حکمنامہ میں اس طرح کیا گیا ہے کہ ''ریاست مسلمان برادری کے لئے دستوری تحفظات فراہم کرنے کے حالات کی موجودگی کو ثابت کرنے میں ناکام ہوئی ہے۔ مسلمانوں میں پیشوں یا دیگر عوامل کی بنیاد پر پسماندہ طبقات کے شہریوں کے تحفظات پر غور کیا جاسکتا ہے لیکن پوری مسلمان برادری کے لئے نہیں۔ بی سی کمیشن نے مسلمانوں میں سماجی پسماندگی کی شناخت کے لئے کسی کسوٹی کو وضع نہیں کیا۔ کمیشن نے اپنی تحقیق کے لئے سائنسی، معروضی، شفاف یا منصفانہ طریقہ کو نہیں اپنایا۔ کمیشن کی جانب سے جمع کیا گیا نمونہ نہ تو مسلمانوں کی آبادی کی نمائندگی کرتا ہے اور نہ ہی عام آبادی کی۔ محض غربت، معاشی پسماندگی اور تعلیمی پسماندگی سماجی پسماندگی کو نہیں بتاتے۔ بلکہ شہریوں کے کسی طبقہ کو سماجی طور پر پسماندہ قرار دینے کیلئے مزید کچھ اور خاص بات ہونی چاہئے۔[29]

عدالت نے اس قانون کو اس جواز کے تحت کالعدم قرار دیا کہ مسلمانوں کے پورے طبقہ کو مجموعی طور پر سماجی

تعلیمی طور پر پسماندہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تعلیمی طور پر پسماندہ ہوں لیکن یہ پسماندگی سماجی پسماندگی کا نتیجہ نہیں ہے اور تحفظات کے اہل ہونے کے لئے ایک برادری کے لئے ضروری ہے کہ وہ سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ ہو۔

دستور کی دفعات 340 اور 15(4) شہریوں کی سماجی و تعلیمی پسماندگیوں کی بات کرتے ہیں۔ اسی طرح 2005ء میں 93ویں دستوری ترمیم کے ذریعہ اضافہ شدہ 15(5) دفعہ 16 (4) بھی ''شہریوں کے کسی بھی پسماندہ طبقہ'' کی بات کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمان مذہبی برادری کو دفعہ 16(4) کے تحت پسماندہ طبقہ تسلیم کیا جائے تو اس دفعہ کے الفاظ ان کے حق میں ہیں، لیکن اس سے انہیں شاید ہی کوئی مدد ملے چونکہ دستور ساز اسمبلی کے مباحث اور سپریم کورٹ کا منڈل کمیشن کے مقدمہ میں 1992 کا فیصلہ دفعہ 16(4) کو درج فہرست ذاتیں، درج فہرست قبائل اور سماجی و تعلیمی پسماندہ طبقات کو تحفظات تک محدود کرتا ہے۔ منڈل مقدمہ میں سپریم کورٹ کا فیصلہ یہ واضح کرتا ہے کہ 16(4) کے مطابق پسماندہ طبقات سے مراد نہ صرف تعلیمی پسمانگی ہے بلکہ سماجی طور پر پسماندہ ہونا بھی ضروری ہے۔

سپریم کورٹ کے مطابق یہ مناسب نہیں کہ کوئی طبقہ صرف اپنی تعلیمی پسماندگی کے تناظر میں حکومتی خدمات میں تقررات میں تحفظات کا مطالبہ کرے۔ سپریم کورٹ نے زور دیا کہ ''اگر کوئی ذہن میں دفعہ 16(4) کو رکھتا ہے تو اسے یہ واضح ہونا چاہیئے کہ اس دفعہ کا جو لہجہ ہے وہ سماجی پسماندگی ہے۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے تناظر میں سماجی پسماندگی تعلیمی پسماندگی کی وجہ بنتی ہے اور یہ دونوں پسماندگیاں غربت کی وجہ بنتی ہیں، جو سماجی اور تعلیمی پسماندگی کو پیدا کرتی اور اسکو جلاء دیتی ہے۔ یہ دونوں پسماندگیاں ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں اور یہ ایک گردشی چکر کو بناتی ہیں۔ اس حقیقت سے سبھی واقف ہیں کہ آزادی تک اعلیٰ ذاتوں کے لوگ ہی نظم و نسق پر حاوی تھے اور وہی اسے چلاتے تھے۔ شودر یعنی درج فہرست ذاتیں اور درج فہرست قبائل اور اس طرح کے دیگر مسلمانوں اور عیسائیوں میں دیگر پسماندہ گروہوں کی نظم و نسق میں عملاً کوئی دخل نہیں ہے۔ یہی وہ عدم توازن ہے جسے اس طرح کے پسماندہ طبقات کو تحفظات دیتے ہوئے ختم کرنا چاہیئے۔ تا کہ وہ مملکت کے اختیار میں اپنی حصہ داری کو نبھا سکیں۔ چنانچہ یہ عمومی رائے ہے کہ دستور کی دفعہ 16(4) میں جس پسماندگی کا ذکر ہے وہ دراصل سماجی و تعلیمی پسماندگی ہی ہے۔ اس دفعہ 16(4) کا

جومقصد ہے اسے بلا شبہ درج فہرست ذاتیں اور درج فہرست قبائل پورا کرتے ہیں چونکہ وہ پسماندہ ہیں۔[30]

دستور ساز اسمبلی کے مباحث میں استعمال کئے گئے الفاظ ''شہریوں کے پسماندہ طبقات'' کے مقصد اور نیت کو جاننے اور مسودہ کمیٹی کے صدر نشین ڈاکٹر امبیڈکر اور کے ایم منشی رکن مسودہ کمیٹی کی تقاریر کا حوالہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ نے کہا کہ دستور میں محض شہریوں کا طبقہ نہیں بلکہ پسماندہ شہریوں کا طبقہ کہا گیا ہے۔اس کا مطلب ایسے شہریوں کا طبقہ ہے جسکی پسماندگی کی وجہ سے ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہیں ہے۔[31]

دستور کی دفعات 340، 338(10) اور 15(4) کے ساتھ 16(14) کا تجزیہ کرنے کے بعد جسٹس ساونت نے کہا ہیکہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل سے ہٹ کر دوسرے پسماندہ طبقات کی صراحت دفعہ 16(4) میں صرف سماجی، تعلیمی پسماندہ طبقات کے ذریعہ سے ہونی چاہئے جنکی معاشی پسماندگی انکی سماجی اور تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے ہو'۔اسکے بعد انہوں نے تجزیہ کیا ہے کہ سپریم کورٹ کے مختلف فیصلوں کا اثر دستور کی دفعہ 16(4) فقرہ شہریوں کے پسماندہ طبقات کی تشریح پر پڑا ہے۔جسکی وجہ ''اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ''شہریوں کے پسماندہ طبقات'' کی اصطلاح وسیع ہے اور اس میں شہریوں کے سماجی و تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات اور درج فہرست ذاتیں اور قبائل بھی شامل ہیں۔[32]

جسٹس ساونت نے واضح طور پر کہا کہ ''محض تعلیمی یا معاشی پسماندگی جو سماجی پسماندگی کی وجہ سے نہ ہو دفعہ 16(4) کے لئے پسماندگی کی کسوٹی نہیں ہوسکتی۔[33] جسٹس ساونت نے دفعہ 16(1) کے تحت اس طرح کے کسی بھی تحفظات کے امکانات سے انکار کیا۔انکے الفاظ میں ''چنانچہ مملکت کی خدمات میں خالص معاشی کسوٹی پر عہدوں کے لئے تحفظات 16(1) کے تحت جائز نہیں ہونگے''۔[34]

آندھراپردیش ہائی کورٹ نے 7 نومبر 2005 کے اپنے فیصلے میں مسلمانوں کے لئے آندھراپردیش میں تحفظات کو رد کرتے ہوئے بی ارچنا ریڈی اور دیگر کے مقدمہ میں اس نکتہ پر زیادہ زور دیا۔جسٹس وی وی ایس راؤ نے کہا کہ ''سماجی پسماندگی'' دستور ہند کی دفعہ 16(4) کے عملی اطلاق کے لئے نظرانداز نہ کرنے والی شرط ہے۔'' جسٹس گوڈا رگھورام نے کہا کہ سماجی پسماندگی ''دفعہ 15(4) اور 16(4) دونوں کے تناظر میں پسماندگی کی بنیادی جز ہے''۔[35]

عدالتی فیصلوں کے مدنظر ریاستی حکومت نے پی ایس کرشنن کو 2007ء میں مسلمانوں میں سماجی و تعلیمی طور پر

پسماندہ طبقات کی نشاندہی کرنے کے لئے مشیر مقرر کیا۔ کرشنن نے اپنی رپورٹ میں تفصیل سے تاریخی اور عدالتی فیصلوں کے نظائر سے اس نتیجہ پر پہنچنے کہ مسلمان ایک طبقہ کے طور پر دستور کی دفعہ 16(4) کے تحت تحفظات کے لئے اہل نہیں ہیں، تاہم مسلمانوں کی پسماندہ برادریاں مثبت اقدام کی مستحق ہیں۔ مسلمانوں میں سماجی پسماندگی کے مسئلہ پر انہوں نے دلیل دی کہ ہندوسماج میں بڑھتے ذات پات کے تناظر میں SEd BC تصورا بھرا ہے۔ اس تصور کا اطلاق غیر ہندوسماجی و تعلیمی پسماندہ طبقات پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ایک طبقہ سمجھتے ہوئے یا پسماندہ طبقات کا ایک حصہ سمجھتے ہوئے سابقہ دیسی ریاستیں جیسے کولھاپور کی ریاست نے 1902 میں، میسور اور مدراس کی ریاست نے 1921ء میں بمبئی 1925 میں اور ریاست ٹراونکور وکوچین نے 1935ء میں مسلمانوں کو تحفظات دیئے تھے۔ جسٹس جیون ریڈی نے ٹراونکور کے مہاراجہ کے آرڈر 25 جون 1935ء کے احکام کے اقتباسات کو پیش کئے جس میں ہندو برادریوں، عیسائی برادریوں اور مسلمان برادریوں کا ذکر کیا ہے۔[36]

کرشنن نے بتایا کہ مہاراجہ ٹراونکور کے احکام میں، جو کہ ٹراونکور کے ہائی کورٹ کے جج Dr. Nokas کی رپورٹ 14 مئی 1935 پر مبنی ہے، فہرست میں بتائی گئی برادریوں میں تین ہندو برادریوں اور تین عیسائی برادریوں کو چھوڑ کر باقی تمام برادریوں کی نمائندگی ملازمتوں میں ناکافی ہے۔ ان برادریوں میں مسلمان برادری بھی شامل ہے۔[37]

کرشنن رپورٹ میں جیون ریڈی کے اقوال کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے کہا کہ 'تحفظات کے لئے اہل برادریوں میں مسلم اور عیسائی برادریاں بھی شامل ہیں نہ کہ صرف ہندو'۔[38] دستور ساز اسمبلی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے دفعہ 16(4) (مسودہ دستور کی دفعہ 16(3)) کے متعلق جو تقریر کی ہے جسٹس جیون ریڈی نے اسکے حوالہ سے ہندو مذہب سے ہٹ کر دوسرے مذاہب میں بھی ذات پات کے نظام کے سرایت کر جانے کی بات کو ان الفاظ میں کہا ہے ''ذات پات کا نظام کسی نہ کسی سطح پر غیر ہندو مذاہب میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ خاص کر جنوبی ہند کے عیسائیوں میں جو ہندو مذہب سے عیسائیت میں داخل ہوئے تھے، اور ذات پات کے نظام پر اسی تیزی سے عمل کیا گیا جیسا کہ ہندو مذہب میں کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں اشراف اور غیر اشراف کا امتیاز کیا جاتا ہے یہ دونوں ہی برادریاں ذیلی گروہوں میں منقسم ہیں۔ خاص طور پر غیر اشراف جو ہندو مذہب سے اسلام کو قبول کئے ہیں بالکل ہندوؤں کی ہی طرح ذات پات کے نظام پر عمل کرتے ہیں''۔ امبیڈکر اس بات کو جانتے تھے۔ چنانچہ دستور ساز اسمبلی میں اپنی پوری تقریر کے دوران

امبیڈکر نے برادریوں کا ذکر کیا ذاتوں کا نہیں اوراس سے مراد نہ صرف ہندوؤں کی ذاتیں ہیں بلکہ دیگر کئی گروہ بھی ہیں۔مثال کے طور پر ٹراونکور کی دیسی ریاست میں مسلمان مجموعی طور پر پسماندہ برادری سمجھی جاتی تھی اس طرح عیسائیوں کے برادریاں بھی لفظ ''برادری'' لفظ ''ذات'' سے زیادہ وسیع ہیں اور پسماندہ برادریوں سے مراد صرف ذاتیں ہی نہیں ہیں بلکہ آبادی کے وہ تمام لوگ ہیں جو پسماندہ ہیں''۔[39]

درحقیقت غیر ہندوؤں کے موقف کے متعلق دستور کی دفعات 15(4) اور 16(4) میں لفظ ذات کا استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس میں ''طبقہ'' (Class) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں ذاتوں کے علاوہ ہندوؤں اور غیر ہندوؤں کے پیشہ ورانہ گروہ بھی آتے ہیں۔[40]

منڈل مقدمہ میں سپریم کورٹ کی جانب سے دیئے گئے خطوط پر آگے بڑھتے ہوئے آندھراپردیش ہائی کورٹ نے آندھراپردیش کے خصوصی تناظر میں رہنمائی فراہم کی ہے اوراس بات پر زور دیا کہ تحفظات کے لئے گروہوں کی شناخت کے عمل میں سماجی پسماندگی اہم ہے۔جسٹس گوڈارگھورام کے مطابق سرکاری روزگار میں تحفظات کے تناظر میں مملکت اس بات کا اطمینان کرے کہ کسی طبقہ میں سرکاری خدمات میں ناکافی نمائندگی ہوئی ہے اوراسکی وجہ سماجی پسماندگی کا عدم توازن ہے۔[41]

جسٹس وی وی ایس راؤ نے کہا کہ تحفظات کی کسوٹی میں سماجیاتی، سماجی اور معاشی سوچ کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ محض معاشی ،سیاسی یا آبادی کی کسوٹی تحفظات کے لئے موزوں نہیں ہوگی اگرچیکہ یہ کسوٹی پوری ذات کی سماجی پسماندگی کو طئے کرنے کیلئے مددگار رہوتی اورانکاوہ سماجی یا معاشی رتبہ سماجی ومعاشی ترقی میں ایک رکاوٹ بنتا ہو''[42]

اس طرح آندھراپردیش ہائی کورٹ نے مسلمانوں کیلئے تحفظات فراہم کرنے کی خامیوں میں سماجی پسماندگی کی عدم موجودگی کو اہم وجہ بتایا۔اے پی ہائی کورٹ نے جو دوسری رہنمائی کی ہے وہ یہ کہ جہاں کوئی مذہبی برادری متجانس نہ ہواور کئی ذاتوں یا ذات کی طرح کے گروہوں یا برادریوں پر مشتمل ہو تو انہیں دستوری دفعات 15(4) اور 16(4) کے مقصد کے لئے واحد اکائی تصور کرنا غیر دستوری ہوگا۔صرف مذہب کی بنیاد پر زمرہ بندی کرنا غیر دستوری ہے۔جسٹس وی وی ایس راؤ نے سپریم کورٹ کے تین فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ''مذہب پر مبنی کوئی بھی زمرہ بندی امتیازی اور دستور ہند کی دفعات 15(2) اور 16(1) کی خلاف ورزی ہے۔[43]

جسٹس گوڈا رگھورام نے اس طرح کی زمرہ بندی کو ''خالصتاً مذہبی درجہ بندی'' قرار دیا ہے جو دفعہ 14 اور دفعہ 15(1) اور 16(2) کے واضح امتناع میں مداخلت ہے۔[44] جسٹس این وی رمنا کے مطابق ''جہاں پوری مسلمان برادری کو آندھرا پردیش میں دستور کی دفعات 15(4)، 16(4) کے تحت ضروری جانچ کے لئے کوئی دستوری امتناع نہیں ہے۔ وہیں تبھی مسلمانوں کو شہریوں کا پسماندہ طبقہ سمجھا جا سکتا ہے اگر پوری مسلمان برادری میں سماجی پسماندگی یکساں ہو اور یہ کسی خاص گروہ یا مسلک تک محدود نہ ہو''۔ اس بات سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کسی ریاست میں مجموعی طور پر شہریوں کا سماجی طور پر پسماندہ طبقہ ممکن ہے کہ لیکن کسی اور زائد بات کے بغیر صرف مذہب کی بنیاد پر نہیں سماجی طور پر شہریوں کا ایک پسماندہ طبقہ قرار نہیں دیا جا سکتا، چونکہ مذہبی بنیاد پر اس طرح کی زمرہ بندی دستور کی دفعات 15(2) اور 16(2) کے خلاف ہوگی''۔[45]

آندھرا پردیش کے مسلمان برادری کے متعلق جسٹس وی وی ایس راؤ نے کہا کہ مسلمان برادری کو ایک متجانس طبقہ سمجھنا ایک غلط تصور ہے۔ سوائے مذہبی رسومات کے مسلمان برادری میں بھی بڑی حد تک ہندوستان ذات پات جیسا نظام ہے۔ انہوں نے World Muslims Tribles, Castes and Communities N.K. Singh and A.M Khan vol.1 کا حوالہ دیا ہے جس میں آندھرا پردیش کے مسلمانوں میں 84 طبقات/ذاتوں کا ذکر ہے جس میں ہر گروہ اور انکے پیشہ کی علاقائی تفصیل کو ایک صدی کا احاطہ کرتے ہوئے بتائی ہے۔ قومی کمیشن برائے پسماندہ طبقات کے مرکزی حکومت کو دئے گئے مشورہ مورخہ 4-7-2002 میں مسلمانوں کی موجودہ 24 ذاتوں اور برادریوں کا حوالہ دیا ہے۔ وی وی ایس راؤ نے بتایا کہ ''تمام مسلمان برادریوں کو ایک متجانس گروہ سمجھنا ایک بنیادی غلطی ہوگی''۔[46]

اس طرح مندرجہ بالا بحث سے ہم تحفظات سے متعلق حسب ذیل وسیع عام اصولوں پر پہنچ سکتے ہیں جنکی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے نشاندہی کی ہے۔

1۔ پسماندگی سماجی اور تعلیمی دونوں ہو۔ نہ کہ صرف سماجی یا تعلیمی۔

2۔ شہریوں کے طبقات کو شہریوں کی ذاتوں کے برابر نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

3۔ یہ جاننے کیلئے کہ کوئی مخصوص شہری یا شہریوں کا گروہ کا تعلق پسماندہ طبقات سے ہے ذات کی کچھ موزونیت تو

ہےلیکن یہ واحد غالب کسوٹی نہیں ہے۔

4۔ یہ بحث کہ صرف وہی گروہ یا عوام کا حصہ جو سابقہ امتیاز کی وجہ سے متاثر ہوئے ہیں تو ہی پسماندہ طبقات کہا جاسکتا ہے دوسروں کونہیں کئی وجوہات کی بناء پر قابل قبول نہیں ہے۔

5۔ مسلمانوں کو بحیثیت ایک گروہ دستور کے دائرہ میں دفعہ 15(4) اور 16(4) کے مقصد کے لئے تعلیمی اور سماجی طور پر شہریوں کا پسماندہ طبقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔مسلمانوں کے لئے تحفظات فراہم کرنا سیکولرازم کی خلاف ورزی نہیں ہے جو کہ دستور کی بنیادی ساخت کا ایک حصہ ہے۔

6۔ سماجی پسماندگی دراصل غربت کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ شہریوں کی پسماندگی کے تیقن کے لئے ذات اور غربت دونوں کو قبول کرنا مناسب ہوگا۔

7۔ روایتی طور پر جن پیشوں کو کم تر سمجھا جاتا ہے، ایسے پیشوں پر عمل کرنے والے شہریوں کے طبقات خود بخود سماجی طور پر پسماندہ ہوتے ہیں۔

8۔ سماجی و تعلیمی پسماندگی کی شناخت کے لئے کوئی ایک معیار یا نمونہ یا طریقہ کار طئے کرنے کا اختیار عہدیدار اعلیٰ کو حاصل ہے اور جب تک عہدیدار اعلیٰ منصفانہ طریقہ کار اپنائے گا عدالت اس معاملہ میں مداخلت نہیں کریگی۔ کیونکہ پسماندہ طبقات کی نشاندہی کے لئے کوئی ایک مصدقہ اصول نہیں ہے جسکا اطلاق کرتے ہوئے یکسانیت کے ساتھ شناخت کی جاسکے۔

9۔ غیر معمولی صورتحال سے نمٹنے کے لئے 50% سے زائد تحفظات بھی دئے جاسکتے ہیں۔

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے فیصلوں سے حاصل ہونے والے ان اصولوں کی بنیاد پر ہی ایس کرشنن نے اپنی رپورٹ میں 14 سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ مسلمان گروہوں کی شناخت کی ہے۔[47] اوران کو پسماندہ طبقات کے گروپ E میں شامل کرنے کی سفارش کی۔

کرشنن رپورٹ نے 5% تحفظات کے بجائے سپریم کورٹ کی 50% تحفظات کی حد کے مطابق مسلمانوں کو 4% تحفظات دینے کی بھی سفارش کی۔ چنانچہ حکومت نے ان 14 گروہوں کے لئے 2007ء میں 4% تحفظات کے احکامات جاری کئے۔[48] اس حکم نامہ کو بھی آندھراپردیش ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔ سات رکنی بنچ نے ایک سال تک

اس مقدمہ کی شنوائی کی۔ بنچ نے 5:2 اکثریتی فیصلے میں کہا کہ ریاست میں مسلمانوں کے پسماندہ طبقہ کو 4% تحفظات دینا قابل قبول نہیں ہے۔ اور یہ دستور کی دفعہ 14، 15(1) اور 16(2) کے خلاف ہے۔ ہائی کورٹ نے یہ بھی کہا کہ APBC کی سفارشات کو منظور نہیں کیا جاسکتا چونکہ مسلمانوں کی تعلیمی وسماجی پسماندگی کی شناخت کے لئے کمیشن نے کوئی موزوں طریقہ کار کو نہیں اپنایا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی سرکاری ملازمتوں میں ناکافی نمائندگی اور انکی سماجی پسماندگی بتانے کے لئے کوئی موزوں ومناسب کسوٹی کو نہیں اپنایا۔ عدالت نے کہا کہ APBC نے مواد کو بھی موزوں طور پر جمع نہیں کیا ہے جسکی بنیاد پر ریاست میں مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی پسماندگی کا تعین کیا جاسکے۔

تاہم، سپریم کورٹ نے آندھراپردیش ہائی کورٹ کے احکامات پر روک لگائی اور صرف 14 ویں کھلے زمرہ کو دئے گئے تحفظات کو ختم کردیا جسکے تحت کچھ خاص مسالک کو چھوڑ کر دیگر مسلمانوں کو تحفظات کے لئے اہل قرار دیا گیا تھا۔ تاہم سپریم کورٹ نے تحفظات پر قطعی فیصلہ نہیں سنایا ہے۔ اس طرح آندھراپردیش میں مسلمانوں کے لئے تحفظات کو جاری رکھنے کی بار بار کوششوں کو کامیابی نہیں ملی، اگرچیکہ عدالت کے قطعی فیصلہ ہونے تک تحفظات پر عمل آوری جاری ہے۔

☆☆☆

Refrences حوالہ جات

1 K.N Anantaraman, (1970), "Report of the Backward Classes Commisson",Hyderabad,Governemt of Andhra Pradesh, p 4.

2 ایضاً،صفحات 7 تا 9

3 ایضاً،صفحات 103 تا 104

4 ایضاً،صفحہ 201

5 ایضاًٹ صفحہ 202

6 N.K. Muralidhar Rao,(1982), "Report of the Backward Classes Commission", Hyderabad, Government of Andhra Pradesh, p1.

7 محولہ 1،صفحہ 103

8 http://www.list of 112 Telangana State Backward Classes Committes and Percentage of Reservation Telangana Nava Niramala Sena. html.

9 محولہ 6،صفحات 2 تا 3

10 ایضاً،صفحہ 4

11 ایضاً،صفحات 15 تا 16

12 ایضاً،صفحہ 26

13 محولہ 6،صفحہ 31

14 ایضاً،صفحات 84 تا 85

15 ایضاً،صفحات 32 تا 33

16 P.S.Krishnan, (2007), "Sociallly and Educationally Backward Classes or Other Backward Classes", Government of Andhra Pradesh Backward Classes Welfare, Pp 157-158.

17 NCBC Advice No. A.P. 64-67/2002 dated 4-7-02.

18 Order of the A.P High Court on W.P .No. 12239 and batch of 2004, p 3-4.

19 Justice Dalva Subramanyam, (2004), B.C. Commission Report, Government of Andhra Pradesh, Pp 3-4.

20 Order of the A.P. High Court, on W.P. No 13832 and batch of 2005, p-26

21 ایضاً،صفحہ 72 تا 73

22 ایضاً،صفحہ 137 تا 141

23 محولہ 16،صفحات 162 تا 164

24 ایضاً،صفحات 173 تا 179

25 Order of the A.P High Court on W.P No 12239 and batch of 2004, pp 3-4.

26 محولہ4،صفحہ 120

27 Order of the A.P. High Court on W.P. No. 13832 and batch of 2005, p 26.

28 ایضاً،صفحات72 تا73

29 ایضاً،صفحات137 تا141

30 Order of the Supreme Court (1992), Indira Sawhney and Ors, Judgement of D.P. Jeevan Reddy, Para 804.

31 ایضاً، پیرا788

32 Order of the Supreme Court (1992), Indira Sawhney and Ors, Judgement of P.B. Sawant, Para 442.

33 ایضاً، پی بی ساونت، جے، پیرا484

34 ایضاً، پیرا495

35 محولہ16،صفحہ 165

36 Order of the Supreme Court (1992), Indira Sawhney and Ors, Judgement of P.B. Sawant, Para 777.

37 Government of His Highness the Maharaja of Travancore, order R.D is No. 893 Gen, dated Trivandrum, 25th June 1935.

38 محولہ36،صفحہ 777

39 ایضاً، پیرا790

40 محولہ32، پیرا479

41 Order of High Court, B. Archana Reddy and ORS Vs State of AP and Ors, Per Goda Reghuram, J. Para 38.

42 2005(6) ALD 582 (LB), B. Archana Reddy and ORS Vs State of AP and Ors, V.V.S Rao, J. Para 325.

43 ایضاً، پیرا351

44 محولہ42، پیرا127

45 محولہ43، پیرا398 تا399

46 محولہ42، پیرا250

47 P.S.Krishnan, (2007), "Sociallly and Educationally Backward Classes or Other Backward Classes", Government of Andhra Pradesh Backward Classes Welfare, Pp 157-158.

48 ایضاً،صفحات190 تا189

باب6

مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کی عمل آوری کا جائزہ

Implementation of Reservation for Muslim Backward Classes: An Assessment

اس باب میں آندھراپردیش میں مسلمانوں کیلئے تعلیم اور روزگار میں BC-E زمرے کے تحت چار فیصد تحفظات کی عمل آوری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تحفظات سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں کے تعلیمی موقف کے تجزیہ کے لئے مواد کو جامعات ڈگری کالجس، پیشہ ورانہ اور ٹکنیکی تعلیمی اداروں سے برائے سال 2007 سے 2014 تک لیا گیا ہے۔

اسی طرح روزگار میں مسلمانوں کے نمائندگی کے مطالعہ کیلئے مواد کو حکومت کے مختلف محکمہ جات سے 2002 تا 2014 تک جمع کیا گیا ہے۔ اس مواد کو مختلف محکموں اور زمروں کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا۔ یہ مواد زیادہ تر قانون حق معلومات کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہے۔

تعلیمی شعبہ میں مسلمانوں کیلئے تحفظات

محقق نے ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کو تحفظات سے ہونے والے فائدہ کا جائزہ لینے کیلئے مسلم جنرل اور BC-E کے علاوہ دیگر زمرے جیسے BCD، BCB، BCA، ST، SC، OC کے تحت عام کورسوں کے علاوہ پیشہ وارانہ، ٹکنیکل اور دیگر کورسوں میں 2004-2014 کے دس سال کیلئے دئے گئے داخلوں کا تجزیہ کیا ہے۔

پیشہ ورانہ کورسس میں مسلم طلبہ کا موقف

ریاست آندھراپردیش میں کثیر تعداد میں طلباء، انجینئر نگ، فارمیسی، ایم بی اے، ایم سی اے اور دیگر پیشہ ورانہ کورسوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ 2007 میں مسلم پسماندہ طبقات کو BC-E کے تحت تحفظات فراہم کئے

جانے کے بعد کثیر تعداد میں مسلم طلبہ بھی ان کورسوں سے استفادہ کرر ہے ہیں۔مندرجہ ذیل جدول میں ان پیشہ ورانہ کورسوں میں BC-E زمرے کے تحت پسماندہ مسلم طبقات کو مختص کیئے گئے نشستوں کی تفصیل دی گئی ہے۔

جدول 6.1:BC.E زمرے کے تحت مختلف کورسوں میں مسلمانوں کیلئے مختص نشستیں (2007 تا 2014)

LLB		M.pharm		M.E/M.Tech		MCA		MBA		Phatmacy		Engineering			
BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	YEAR	S. NO
-	-	13	323	234	5843	911	22774	707	17674	551	13787	5023	125587	2007-08	1
-	-	29	733	291	7268	1864	46618	1388	34701	613	15320	7031	175767	2008-09	2
-	-	54	1350	388	9696	1902	47553	2446	61150	662	16550	9036	225905	2009-10	3
396	9904	170	4245	665	16639	1606	40148	3133	78340	1024	25605	10767	269175	2010-11	4
286	7150	368	9207	956	23898	1781	44530	3729	93231	1089	27240	12252	306309	2011-12	5
270	6740	661	16537	1517	37922	1402	35058	4027	100680	969	24240	13564	339106	2012-13	6
270	6740	840	21002	2131	53274	958	23946	3842	96060	1006	25150	13604	340099	2013-14	7
1222	30534	2135	53397	6182	154540	10424	260627	19272	481836	5914	147892	61586	1781949	جملہ	

Source: : Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, P.20.

گراف 6.1

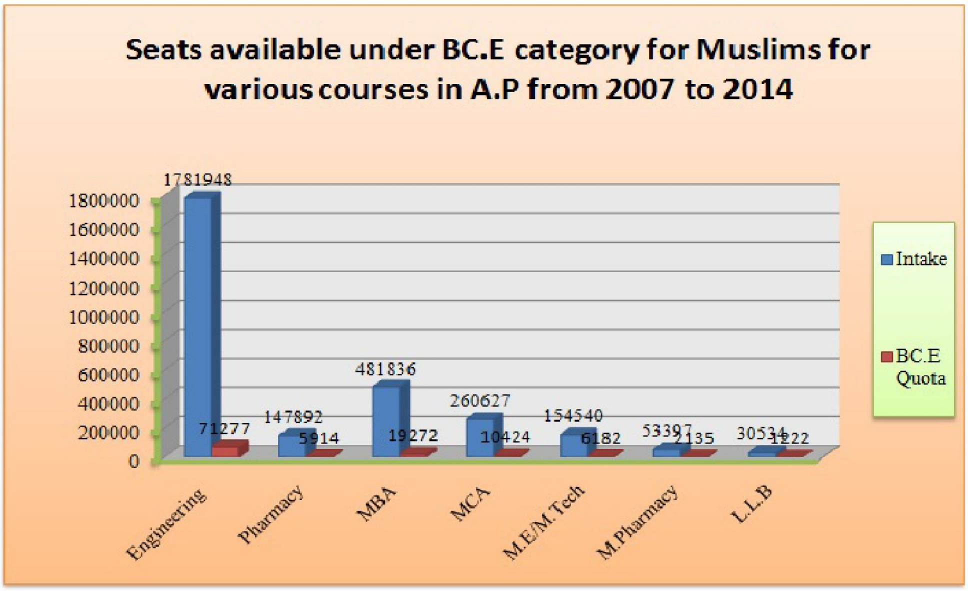

مسلم پسماندہ طبقات کو BC-E زمرے کے تحت چار فیصد تحفظات کے نتیجہ میں انجینئرنگ میں 2007 سے 2014 تک کل نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو 61586 نشستیں حاصل ہوئیں 2007 میں صرف 5023 مسلم طلبہ انجینئرنگ کرنے کے اہل قرار دئے گئے جبکہ سال 14-2013 تک یہ تعداد بڑھ کر 13604 ہوگئی۔ اسی طرح فارمیسی میں تحفظات کے بعد سے سال 15-2014 تک 5914 نشستیں مسلم طلبہ کیلئے مختص کی گئی تحفظات کے پہلے سال میں یعنی سال 2007 میں 551 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی جبکہ ان نشستوں کی تعداد بڑھ کر سال 2010 میں 1024 اور سال 12-2011 میں 1089 یعنی نشستوں کی تعداد دوگنی ہوگئی مگر سال 14-2013 کی تعداد میں سال 12-2011 کے مقابلے میں 83 مسلم طلبہ کی کمی دیکھی گئی۔ جبکہ MBA میں سال 2007 تا 2014 تک کل 481836 نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو 19272 نشستیں حاصل ہوئیں۔ کثیر تعداد میں نشستیں سال 2012 میں 4027 مسلم طلبہ کو حاصل ہوئیں۔ MCA میں سال 2007 تحفظات کے پہلے سال میں 911 نشستیں BC-E زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی جو بڑھ کر سال 2008 میں 1864 ہوگئی۔ سال 2009 میں بھی نشستوں کی تعداد میں پچھلے سال کے مقابلہ میں 34 نشستوں کا اضافہ دیکھا گیا، جو سال 2007 تا 2014 کے درمیان کی سب سے زیادہ تعداد ہے۔ مگر سال 2014 تک آتے آتے اس تعداد میں کمی ہوگئی یعنی سال 2014 میں MCA میں مسلم طلبہ کو صرف 958 نشستیں ہی حاصل ہوئی تھی جبکہ ME/M.Tech میں مسلم طلبہ کی نشستوں میں مسلسل ہر سال اضافہ دیکھا گیا ہے۔ اس میں سال 2007 میں کل تعداد میں سے 234 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی جبکہ سال 2014 تک نشستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے ہوئے 2131 ہوگئی اس طرح سال 2007 تا 2014 تک ME/M.Tech کے مسلم طلبہ کی نشستوں کی کل تعداد 6182 ہوگئی۔

ایم فارمیسی میں سال 2007 میں صرف 13 نشستیں ہی مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی سال 2008 اور 2009 میں ان نشستوں میں پچھلے سال کے مقابلے میں دوگنا اضافہ دیکھا گیا۔ جبکہ سال 2007 تا 2014 کے درمیان سال 2014 میں کثیر تعداد میں 840 نشستیں مسلم طلباء کو حاصل ہوئی۔ LLB میں سال 2010 تا 2014 تک کل نشستوں میں 1222 نشستیں مسلم طلباء کو حاصل ہوئیں۔ جن میں سے سال 2010 میں 396 نشستیں مسلم طلباء کو حاصل ہوئی۔ اسکے بعد ان نشستوں کی تعداد میں مسلسل کمی آتی گئی اور سال 2014 میں ان نشستوں کی تعداد 270 ہوگئی۔ اسی طرح اس جدول کے

تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ پیشہ ارانہ کورسوں میں تحفظات کی وجہ سے بڑی تعداد میں مسلم طلبہ کورسوں میں داخلہ لینے کے اہل بن پائے ہیں۔سال 2007 اور 2014 کے دوران 60 ہزار سے زیادہ مسلم طلبہ کو انجینئر بننے کا موقع حاصل ہوا ہے۔ اس سے نہ صرف اعلیٰ تعلیم میں مسلم طلبہ کا موقف بہتر ہوا ہے بلکہ ان کے روزگار کے موقع بھی بڑھ گئے ہیں۔

طبی شعبہ میں مسلم طلبہ

(A) MBBS میں مسلم طلبہ: طبی شعبہ میں یونانی کے علاوہ MBBS جیسے کورسوں میں مسلمان بہت کم پائے جاتے تھے۔تحفظات فراہم کئے جانے کے بعد اس صورتحال میں بہتری آئی ہے۔ایم بی بی ایس میں مسلم پسماندہ طبقات کو سال 2011 تا 2014 تک حاصل ہونے والے نشستوں کی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول BC.E:6.2 اور عام زمروں کے تحت MBBS میں داخلہ لینے والے مسلم طلبہ (2011 تا 2014)

Total Muslim enrolled under OC category	Total Muslim enrolled under BC.E Quota	Intake in BC.E Quota	Total Seats	Year	S. No
23	178	178	4450	2011-12	1
15	201	220	5500	2012-13	2
07	117	276	6900	2013-14	3
45	499	674	16850	جملہ	4

Source: Compiled from the data Provieded by the Dr. NTR University of Health Science,A,P Vijaywada under RTI .

گراف:6.2

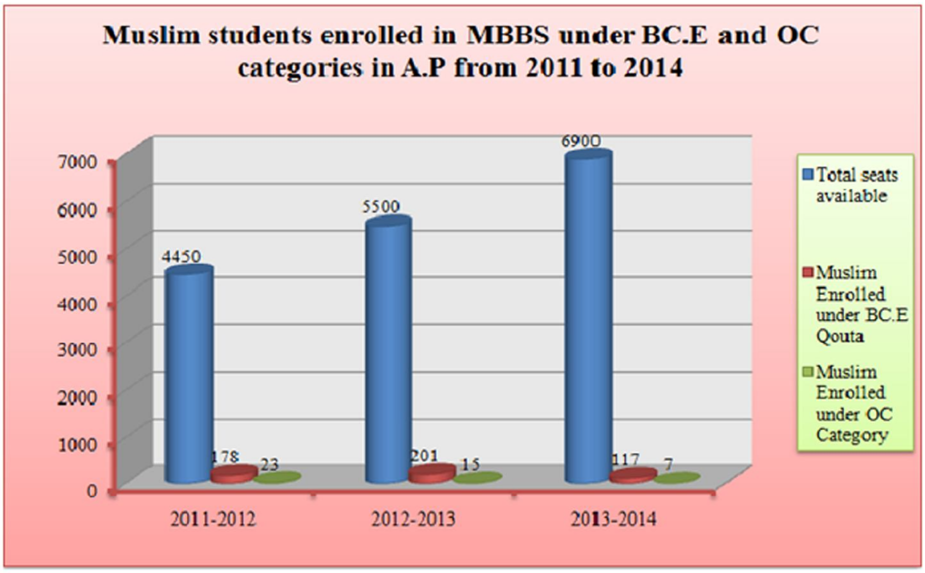

سال 12-2011 تا 14-2013 تک ایم بی بی ایس کیلئے کل 16850 نشستیں مختص کی گئی تھی جن میں سے BC-E زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو کل 674 نشستیں حاصل ہوئی جن میں سے 499 مسلم طلبہ نے BC-E زمرے کے تحت داخلہ حاصل کیا اور 45 مسلم طلبہ نے جنرل زمرہ کے تحت داخلہ حاصل کیا اس طرح ان تین سالوں میں جنرل زمرے اور BC-E زمرے کے تحت کل 544 مسلم طلبہ کیلئے ایم بی بی ایس میں داخلے حاصل ہوئے۔ سال 12-2011 میں کل 4450 نشستیں مختص کی گئی تھی جن میں سے اس سال 178 مسلم طلبہ نے BC-E زمرے میں چار فیصد تحفظات کے تحت داخلہ حاصل کئے جبکہ 23 مسلم طلبہ نے جنرل زمرہ کے تحت داخلہ لیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر مسلمانوں کو تحفظات نہ ہوتے تو 4450 نشستوں میں صرف 23 نشستیں ہی یعنی 0.5 فیصد نشستیں ہی حاصل ہوتے۔ اس طرح تحفظات کے نتیجہ میں مسلمانوں میں ڈاکٹروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ جس سے ان کی معاشی اور سماجی حیثیت بھی بہتر ہوئی ہے۔

(B) BDS میں مسلم طلبہ

سال 12-2011 میں BDS کے کل نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو BC-E زمرے کے تحت چار فیصد یعنی 74 نشستیں مختص کی گئی تھیں۔ جن میں 44 طلباء نے داخلہ لیا اور 22 مسلم طلباء کے داخلے عام زمرے کے تحت ہوئے۔ اس طرح اس سال کل 66 مسلم طلبہ کے داخلے BDS میں ہوئے۔ سال 13-2012 میں پچھلے سال کے مقابلے میں 5 نشستیں کم ہوگئی یعنی صرف 69 نشستیں BC-E زمرے کے تحت مسلم طلبہ کے لئے مختص کی گئی جن میں سے بھی صرف 43 مسلم طلبہ نے ہی داخلہ لیا۔ جبکہ سال 14-2013 میں 100 نشستیں مسلم طلبہ کیلئے BC-E زمرے کے تحت مختص کی گئی تھی مگر اس سال بھی نشستیں ہونے کے باوجود صرف 56 مسلم نے ہی BDS میں داخلہ حاصل کیا جبکہ 44 نشستیں خالی رہ گئی۔ اس طرح سال 12-2011 تا 14-2013 کے درمیان BDS میں کل 6060 داخلے عمل میں آئے جن میں سے BC-E زمرے کے تحت 243 نشستیں مسلم طلبہ کیلئے مختص کی گئی جس میں سے 143 مسلم طلبہ نے چار فیصد تحفظات کے تحت BC-E زمرے میں داخلہ حاصل کئے۔ جبکہ 100 نشستیں داخلہ نہ لینے کی وجہ سے ضائع ہوگئیں۔ دوسری جانب عام زمرے کے تحت صرف 26 مسلم طلبہ نے داخلے حاصل کئے۔ اس طرح ان تین سالوں میں BDS

میں کل 169 مسلم طلبہ نے داخلہ لیا۔اگر مسلمانوں کو BC-E زمرے کے تحت چار فیصد تحفظات حکومت کی جانب سے نہیں دیئے جاتے تو مسلم طلبہ کی تعداد ان تین سالوں میں صرف 26 ہوئی جو 0.26 فیصد ہوتا ہے جسکی تفصیل جدول نمبر 6.3 میں دی گئی ہے۔

جدول 6.3:BC.E اور عام زمروں کے تحت BDS میں داخلہ لینے والے مسلم طلبہ (2011 تا 2014)

Total Muslim enrolled under OC category	Total Muslim enrolled under BC.E Quota	Intake in BC.E Quota	Total Seats	Year	S. No
22	44	74	1840	2011-12	1
02	43	69	1730	2012-13	2
02	56	100	2490	2013-14	3
26	143	243	6060	جملہ	4

Source:Compiled from the data provided by the Dr. NTR University of Health Science A.P. Vijayawada under RTI .

گراف:6.3

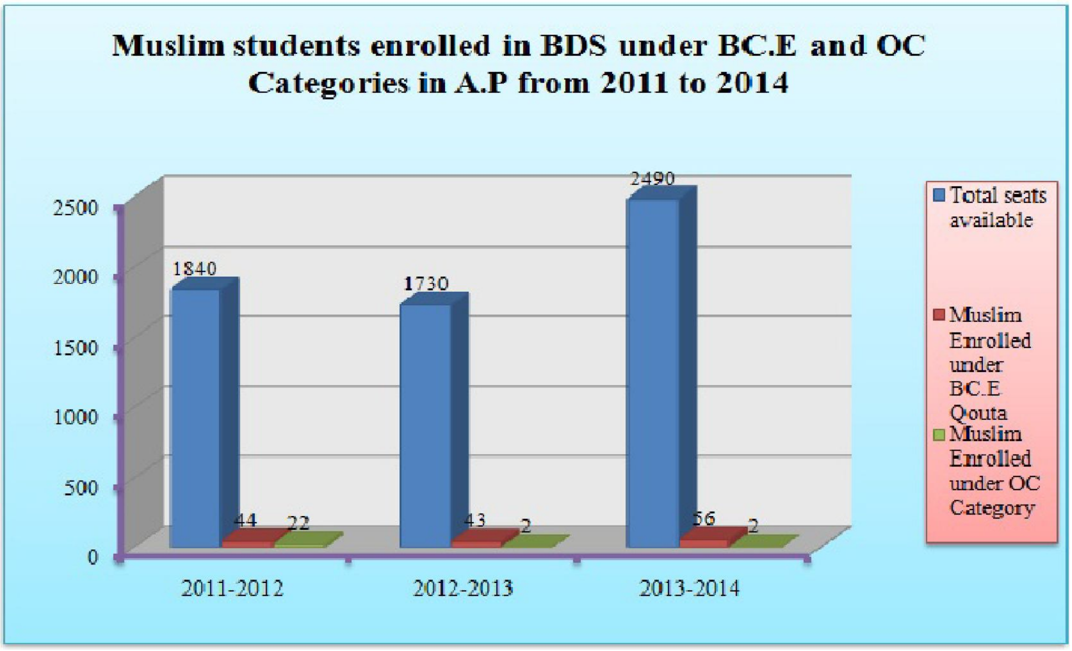

3۔ تعلیمی شعبہ کے مختلف کورسوں (UG سے Ph.D) میں مسلم طلبہ

حسب ذیل جدول نمبر 4 میں ریاست آندھراپردیش کے تعلیمی شعبہ کے مختلف کورسوں (گریجویٹ سے پی ایچ ڈی) میں دیگر سماجی گروہوں کے طلبہ اور مسلم طلبہ کا تقابل کرتے ہوئے سال 2010-11 تا 2012-13 کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

جدول 6.4: یو.جی تا پی ایچ ڈی کورسوں میں مسلم اور دیگر سماجی گروہ کی تفصیل (2011 تا 2013)

Other Minorities		Muslim		Other Backward Classes		Scheduled Tribes		Scheduled Caste		Total	Year	S.No
%	Total	%	Total	%	Total	%	Total	%	Total			
0.78	9336	3.21	38137	38.76	459963	3.88	46037	15.21	180527	1186442	2010-11	1
0.38	4648	2.24	27194	36.22	438756	4.15	52312	14.99	181581	1211055	2011-12	2
0.34	4022	2.21	25746	37.56	437521	4.06	47336	14.83	172835	1164793	2012-13	3
0.5	18006	2.5	91077	37.5	1336240	4.08	145685	15.01	534943	3562290	جملہ	4

source:Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, Pp.42-44

گراف 6.4

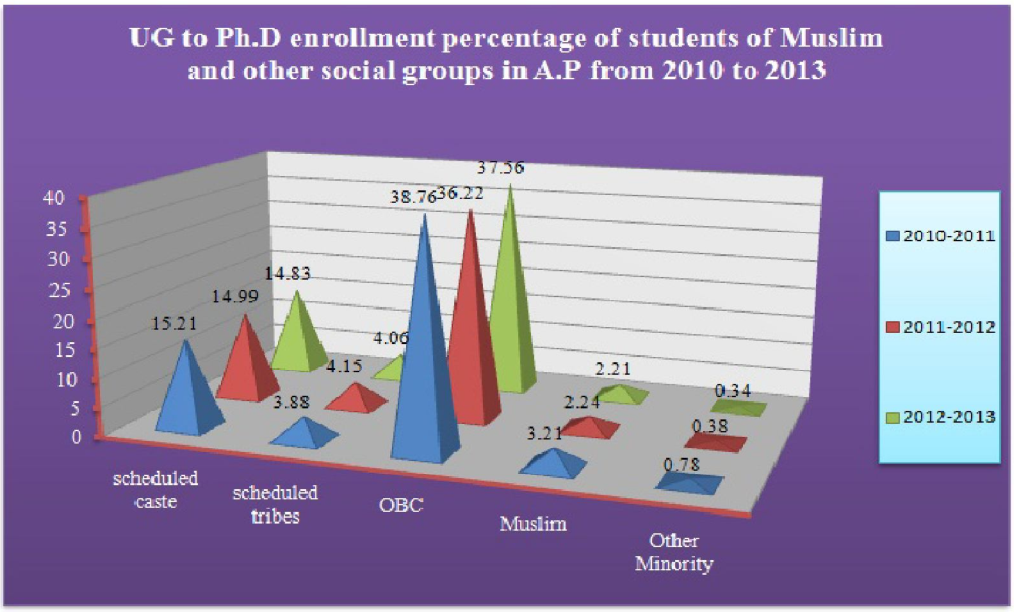

سال 2010-11 میں جملہ 1186442 طلبہ کا اندراج مختلف کورسوں یعنی گریجویٹ یا پی ایچ ڈی میں ہوا جس میں 15.21 فیصد SC، 3.88 فیصد ST، دیگر پسماندہ طبقات کے 38.76 فیصد طلبہ نے داخلہ حاصل کئے۔ جبکہ

مسلم طبقہ کے صرف 3.21 فیصد اور دیگر اقلیتوں کے صرف 0.78 فیصد طلبہ نے ہی داخلہ حاصل کئے۔ اسی طرح سال 2011-12 میں جملہ 1211055 طلبہ کا داخلہ ہوا جس میں سے ایس سی 14.99 فیصد، ایس ٹی 4.15 فیصد، دیگر پسماندہ طبقات 36.22 فیصد اور مسلم 2.24 فیصد اور دیگر اقلیتوں کے 0.38 فیصد طلبہ نے داخل لیا۔ سال 2012-13 میں پچھلے سال کے مقابلہ میں داخلوں میں 46262 کی کمی ہوئی یعنی اس سال گریجویٹ تا پی ایچ ڈی میں صرف 1164793 طلبہ کا ہی اندراج ہوا جن میں درج فہرست ذات کے 14.83 فیصد یعنی 172835 طلبہ نے داخلہ حاصل کئے۔ درج فہرست قبائل کے 4.06 فیصد طلبہ اور دیگر پسماندہ طبقات کے 37.56 فیصد طلبہ نے داخلہ حاصل کئے۔ اس طرح مسلم طبقے کے طلبہ کا صرف 2.21 فیصد اور دیگر اقلیتوں کے صرف 0.34 فیصد طلبہ کا داخلہ ہوا۔ اس طرح سال 2010-11 تا 2012-13 تک تعلیمی شعبہ کے مختلف کورسوں میں (گریجویٹ تا پی ایچ ڈی) میں جملہ 3562290 طلبہ نے داخلہ حاصل کئے۔ جس میں سے درج فہرست ذات 534943 طلبہ یعنی 15.01 فیصد نے داخلہ حاصل کئے۔ درج فہرست قبائل کے 4.08 فیصد طلبہ دیگر پسماندہ طبقات کے 1336240 یعنی 37.5 فیصد طلبہ اور مسلم طبقے کے 2.5 فیصد طلبہ نے داخلہ حاصل کئے اور دیگر اقلیتوں کے 0.5 فیصد طلبہ نے داخلہ حاصل کیں۔

اس تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ 4 فیصد تحفظات کے باوجود مسلم طلبہ کی فیصدان تین سالوں میں صرف 12.5 رہی۔ جبکہ ایس سی طلبہ تحفظات کا پورا فائدہ حاصل کرتے ہوئے 15 فیصد نشستیں حاصل کئے اور BC طبقات ان کے لئے مختص 25 فیصد سے بھی بڑھ کر 37.5 فیصد نشستیں حاصل کر پاتے ہیں۔ ایس ٹی طبقہ البتہ ان کے ل ئے مختص 6 فیصد کوٹے کے مقابلے میں صرف 4.08 فیصد ہی اعلیٰ تعلیم میں داخلہ لے پائے ہیں۔

4۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ کورسز میں داخلہ لینے والے مسلم اور دیگر سماجی گروہوں کے طلبہ

سال 2008-09 تا 2015-16 تک جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ کورسس میں مسلم اور دیگر سماجی زمروں کے 403761 طلبہ کا داخلہ ہوا جن میں اوسی کے 51887 طلبہ، درج فہرست ذاتوں کے 111500 درج فہرست قبائل کے 43502 طلبہ نے داخلہ حاصل کئے اس طرح BCA طبقہ کے 26377 طلبہ، BCB کے 82485، BCC کے

2447 اور BCD کے 71993 طلبہ نے پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں داخلہ حاصل کئے جبکہ BC-E زمرے میں چار فیصد تحفظات ہونے کے باوجود سال 2008-09 تا 2015-16 کے درمیان کل طلبہ میں صرف 2.9 فیصد یعنی 11770 ہی مسلم طلبہ نے پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں داخلہ حاصل کیا۔ اس طرح دیگر طبقوں کے مقابلہ میں مسلم طبقہ کے طلبہ کے داخلے اعلیٰ تعلیم میں بہت کم ہیں۔ اگر 2008 تا 2016 تک جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سال 2008-09 سے 2009-2010 میں داخلہ لینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا مگر سال 2010-11 تا 2014-15 تک مسلسل طلبہ کے داخلوں کی تعداد میں کمی آتی گئی۔ البتہ سال 2015-16 میں پچھلے سال کے مقابلہ میں دوگنا داخلے ہوئے یعنی کل 83098 طلبہ نے اس سال داخلہ حاصل کئے۔ جدول نمبر 5 سے پتہ چلتا ہے کہ سماج کے ہر زمرے مثلاً او سی، ایس سی، ایس ٹی، بی سی اے، بی سی بی، بی سی سی اور بی سی ڈی کے طلبہ کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا۔ مگر بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طبقے کو چار فیصد تحفظات ہونے کے باوجود سال 2008-09 میں صرف 1.6 فیصد مسلم طلبہ کو داخلے حاصل ہوئے جبکہ سال 2009-2010، 2012-13، 2013-14 اور 2015-16 میں مسلم طلبہ تقریباً چار فیصد یعنی 3.50 فیصد تک پوسٹ گریجویٹ میں نشستیں حاصل کئے۔ جبکہ سال 2010-11 اور 2014-15 میں یہ فیصد صرف 2.77 ہی رہا۔ اس تجزیہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تحفظات کے باوجود مسلم طلبہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد چار فیصد کے برابر بھی نہیں ہے۔ حسب ذیل جدول میں اس کی تفصیل دی گئی ہے۔

جدول 6.5: عثمانیہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے والے مختلف سماجی زمروں کے طلبہ۔ 2008 تا 2016

BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	ST	SC	OC	Total Students Enrolled	Year	S.No
839	7676	270	10225	2724	6474	15857	7101	51166	2008-09	1.
2139	8568	879	13262	5299	7768	18978	11811	68704	2009-10	2.
1676	10711	304	12924	3426	6107	16210	9041	60399	2010-11	3.
1284	7796	205	8367	2461	4360	11323	5132	40928	2012-13	4.
1571	9743	221	10493	3371	5069	14561	5884	50913	2013-14	5.
1346	8526	165	8853	2801	5748	14626	4688	48553	2014-15	6.
2915	18973	403	18361	6295	7976	19945	8230	83098	2015-16	7.
11770	71993	2447	82485	26377	43502	111500	51887	403761	جملہ	8.

Source:Compiled from the data provided by the Directorate of Admissions, Osmania University, Hyderabad.

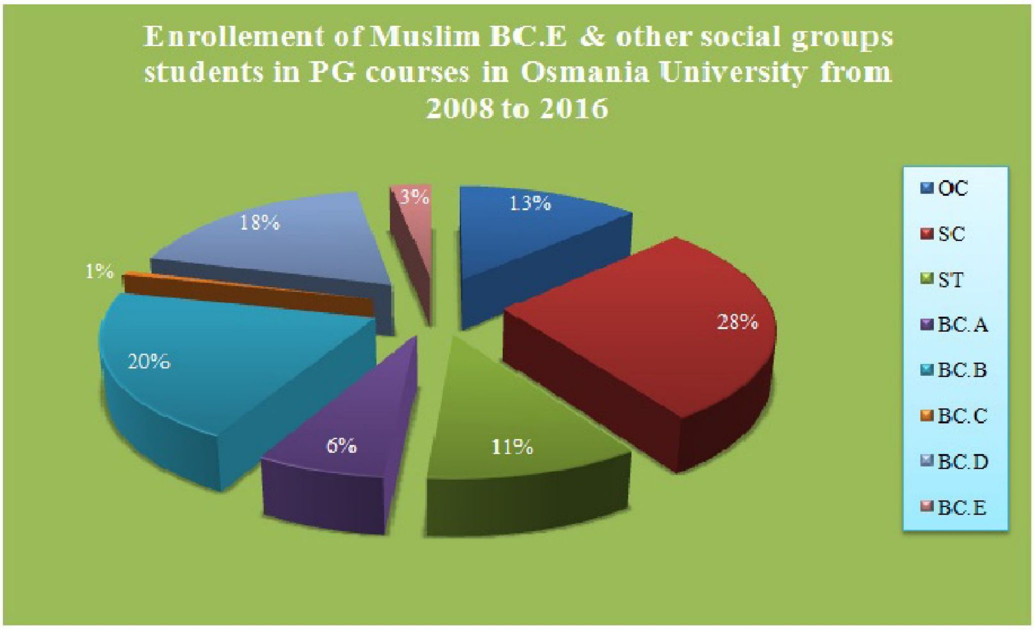

5۔ ریاست تلنگانہ کے تعلیمی شعبہ میں BC-E زمرے کے تحت مسلم طلبہ

نیچے دیۓ گئے جدول میں ریاست تلنگانہ کے مختلف کورسوں جیسے ڈگری، پوسٹ گریجویٹ اور پیشہ وارانہ کورسوں میں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل نشستیں کو بتلایا گیا ہے۔

جدول 6.6: ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کیلئے BC.E زمرے کے تحت مختلف کورسوں میں مختص نشستیں (2014 تا 2015)

BC.E Quota	Intake	Courses	S.No
9847	246176	Degree	1
1011	25285*	PG	2
4811	96228*	Engineering	3
125	3130	Medical	4
565	14140	B.Pharmacy	5
234	5846	MCA	6
2201	55034	MBA	7
1162	29044	B.Ed	8
107	2670	Law (3 ydc)	9

24	600	Agri./Horti	10
1250	31250	M.Tech	11
503	12568	M.Pharmcy	12
56	1410	D.Pharmacy	13
50	1260	B.P.Ed	14
21,946	524,641	Total	15

Source: Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, Pp.21.
(* Some of the colleges were not granted affiliation by the university)

ریاست تلنگانہ میں سال 2014-15 میں ڈگری کورسز میں کل 246176 نشستیں تھی جس میں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم کو 9847 نشستیں حاصل ہوئی جبکہ پوسٹ گریجویٹ میں کل 25285 نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو چار فیصد تحفظات کے تحت 1011 نشستیں حاصل ہوئی اور بی ایڈ میں 1162 نشستیں 29044 میں سے حاصل ہوئی اسی طرح دیگر پیشہ وارانہ کورسوں میں بھی اس سال مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت انجینئرنگ میں کل 96228 نشستوں میں سے 4811 نشستیں حاصل ہوئی جو چار فیصد سے بھی زیادہ یعنی اس سال انجینئرنگ میں 4.99 فیصد مسلم طلبہ نے انجینئرنگ میں نشستیں حاصل کئے۔ البتہ دیگر پیشہ وارانہ کورسوں میں جیسے ایم سی اے، ایم بی اے، فارمیسی اور دیگر کورسوں میں مسلم طلبہ کو چار فیصد تحفظات کے تحت 3.99 فیصد نشستیں حاصل ہوئی جسکی تفصیل جدول نمبر 6 میں دی گئی ہے۔ اس طرح سال 2014-15 میں ریاست تلنگانہ میں تعلیمی شعبہ میں کل 524,641 نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت 21,946 نشستیں ڈگری، پوسٹ گریجویٹ اور دیگر پیشہ وارانہ کورسوں میں حاصل ہوئے۔

گراف 6.6:

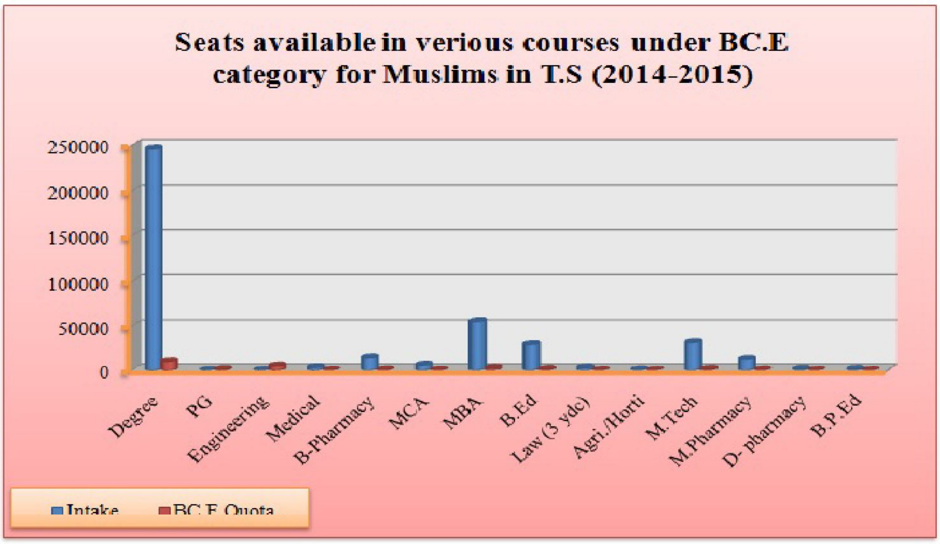

6۔ ریاست آندھراپردیش کے مختلف کورسوں میں مسلم طلبہ سال 2014-15

جدول 6.7: ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کے لئے BC.E زمرے کے تحت

مختلف کورسوں میں مختص نشستیں (2014 تا 2015)

BC.E Quota	Intake	Courses	S.No
11944	298592	Degree	1
1303	32568*	PG	2
6945	173634*	Engineering	3
148	3700	Medical	4
468	11710	B.Pharmacy	5
550	13750	MCA	6
1861	46530	MBA	7
1626	40664	B.Ed	8
205	5126	Law (3 ydc)	9
42	1050	Agri./ Horti	10
838	20940	M.Tech	11
322	8062	M.Pharmacy	12
52	1290	D.Pharmacy	13
97	2425	B.P.Ed	14
26401	660041	Total	15

Source: : Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, Pp.21.
(* Some of the colleges were not granted affiliation by the university)

ریاست آندھراپردیش کے تعلیمی شعبہ میں سال 2014-15 میں کل 660041 نشستیں ڈگری، پوسٹ گریجویٹ، بی ایڈ اور دیگر پیشہ وارانہ کورسوں کیلئے مختص کئے گئے جن میں سے 26401 یعنی 3.99 فیصد نشستیں مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت حاصل ہوئی۔ ڈگری میں کل 298592 نشستوں میں سے 11944 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی اسی طرح پوسٹ گریجویٹ اور طبی میں بھی چار فیصد نشستیں کل نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔

انجینئر نگ میں کل 173634 نشستوں میں سے 6945 نشستیں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ اس طرح دیگر پیشہ وارانہ کورسس میں بھی مسلم طلبہ کو چار فیصد نشستیں حاصل ہوئیں۔

اگر ہم ریاست تلنگانہ اور ریاست آندھراپردیش کے تعلیمی شعبوں کا تقابلی جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ریات تلنگانہ میں ریاست آندھراپردیش کے مقابلے میں 1165 نشستیں کم ہیں۔اس طرح ریاست تلنگانہ کے مسلم طلبہ کو بھی کل نشستوں کے چار فیصد کے تحفظات کے مقابلے میں 4455 نشستیں ریاست آندھراپردیش کے مسلم طلبہ کے مقابلے میں کم حاصل ہوئے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تقسیم کے بعد آندھراپردیش میں 7 فیصد مسلمان ہیں جبکہ تلنگانہ میں 12.69 فیصد مسلمان ہیں۔

گراف:6.7

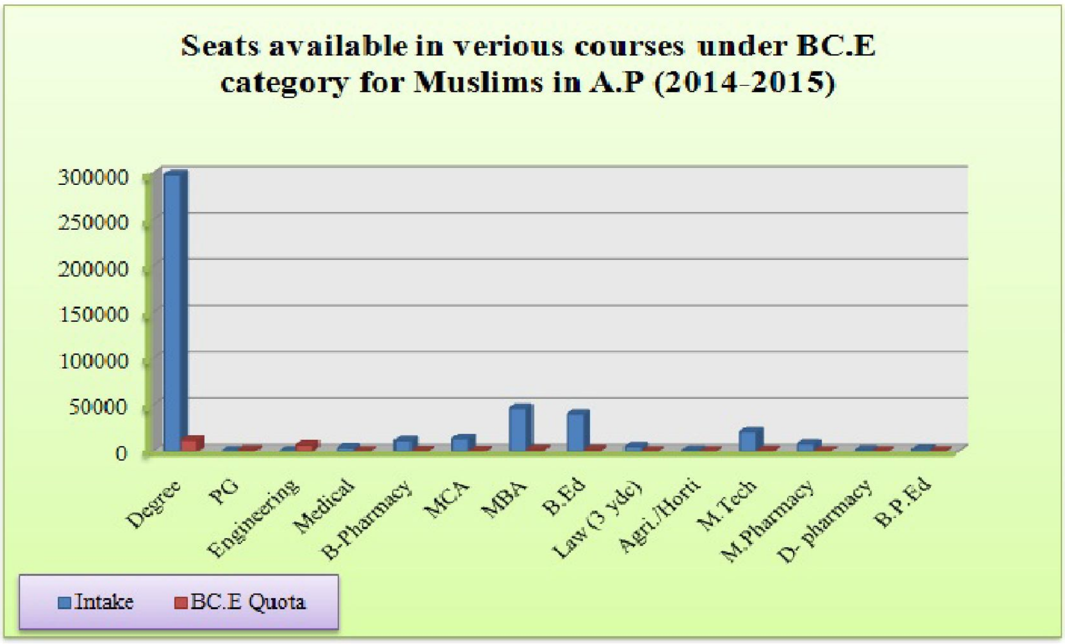

7۔ ریاست تلنگانہ کے پیشہ ورانہ کورسوں میں ضلع واری مسلم طلبہ

کثیر تعداد میں طلباء فارمیسی، انجینئر نگ، ایم سی اے، ایم بی اے اور دیگر پیشہ وارانہ کورسوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔سال 2014-15 میں ریاست تلنگانہ علیحدہ ہونے کے بعد پیشہ وارانہ کورسوں میں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی نشستوں کی تعداد کو حسب ذیل جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

جدول6.8: ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کیلئے BC.E زمرے کے تحت پیشہ ورانہ کورسز میں مختص نشستیں ضلع واری (2014 تا 2015)

ایم بی اے		ایم سی اے		انجینئرنگ		ایم ای/ایم ٹیک		ایم فارمیسی		ڈی فارمیسی		بی فارمیسی		District	S. No
BCE Quota	Intak	BCE Quota	Intak	BC.E Quota	Intak	BC.E Quota	Intak	BC.E Quota	Intak	BC.E Quota	Intak	BCE Quota	Intake		
5	120	0	0	0	0	1	18	0	0	0	0	0	0	Adilabad	1
220	5520	19	480	210	5250	52	1296	25	618	3	90	27	680	Karimnagar	2
37	930	4	100	58	1440	24	486	5	120	0	0	10	260	Nizamdba	3
77	1920	10	240	243	6076	87	2178	20	504	2	60	38	940	Medak	4
242	6060	28	696	440	11010	92	2293	114	2860	12	300	146	3660	Warangal	5
194	4860	12	300	183	4575	84	2112	27	678	3	90	46	1160	Khammam	6
187	4680	17	420	253	6330	135	3376	63	1580	5	120	99	2480	Nalgonda	7
803	20084	56	1410	2033	50847	601	15037	188	4708	24	600	230	5760	Ranga Reddy	8
400	10020	85	2140	389	9740	167	4166	47	1172	6	150	40	1000	Hyderabad	9
34	840	2	60	38	960	12	288	13	328	0	0	15	380	Mahboob Nagar	10
2199	55034	233	5846	3847	96228	1255	31250	502	12568	55	1410	651	16320	Total	11

Source:Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, Pp. 26 & 28

ریاست تلنگانہ میں سال 2014-15 میں بی فارمیسی کے کل 16320 نشتوں میں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو 651 نشتیں حاصل ہوئی سب سے زیادہ بی فارمیسی میں ضلع رنگا ریڈی میں 230 نشتیں حاصل ہوئی اوراسکے بعد 146 نشتیں ضلع ورنگل میں حاصل ہوئی جبکہ نظام آباد میں سب سے کم صرف 10 نشتیں مسلم طلبہ کو بی سی

ای زمرے کے تحت حاصل ہوئی۔ضلع عادل آباد میں بی فارمیسی میں کوئی نشستیں ہی مختص نہیں تھی۔

اسی طرح ڈی فارمیسی میں بھی سب سے زیادہ 1410 نشستیں ضلع رنگاریڈی میں مختص کی گئی تھی جس میں سے 55 نشستیں یعنی 3.90 فیصد بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ڈی فارمیسی میں سب سے کم نشستیں ضلع میدک میں 2، کھمم میں 3، نلگنڈہ میں 5 اور حیدرآباد میں 6 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی جبکہ ضلع نظام آباد اور عادل آباد میں کوئی نشست ہی مختص نہیں تھی۔اسی طرح ایم فارمیسی میں کل 12568 نشستیں مختص تھی جن میں سے 502 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ایم فارمیسی میں سب سے کم نظام آباد میں 5 نشستیں حاصل ہوئی اور ضلع عادل آباد میں اس سال فارمیسی میں کوئی نشست ہی مختص نہیں کی گئی۔اس طرح فارمیسی میں جملہ 30298 نشستیں حاصل ہوئی جس میں سے مسلم طلبہ کو تحفظات کے تحت 1208 نشستیں حاصل ہوئیں۔

ایم ٹیک میں جملہ 31250 نشستیں مقرر کی گئی تھی جس میں سے 1255 نشستیں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ریاست تلنگانہ کے تمام اضلاع میں ضلع رنگاریڈی میں کثیر تعداد میں مسلم طلبہ کو 601 نشستیں حاصل ہوئی۔اسکے بعد 167 نشستیں ضلع حیدرآباد میں حاصل ہوئی اور سب سے کم نشستیں ضلع عادل آباد میں کل 18 نشستوں میں سے چار فیصد کے تحت مسلم طلبہ کو صرف ایک نشست ہی حاصل ہوئی۔

انجینئرنگ میں بھی سب سے زیادہ نشستیں ضلع رنگاریڈی میں ہی حاصل ہوئی انجینئرنگ میں سال 2014-15 میں کل 2033 مسلم طلباء کو نشستیں حاصل ہوئی۔اس کے بعد ضلع ورنگل میں 440 نشستیں حاصل ہوئیں اور سب سے کم محبوب نگر میں صرف 38 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔اس طرح 2014-15 میں انجینئرنگ میں کل 96228 نشستوں میں سے 3847 بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل ہوئے۔

ایم سی اے میں سب سے زیادہ 2140 نشستیں ضلع حیدرآباد میں مختص ہوئے تھے جس میں سے 85 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔جبکہ سب سے کم محبوب نگر میں صرف 2 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔اس طرح ایم سی اے کے کل 5846 نشستوں میں سے 233 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی اور ایم بی اے کی ریاست تلنگانہ میں جملہ 55034 نشستیں تھی۔جن میں 2199 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی اس میں سب سے زیادہ نشستیں ضلع رنگاریڈی اور 10020 حیدرآباد کو حاصل ہوئی جس میں سے مسلم طلبہ کیلئے 803 ضلع رنگاریڈی میں اور 400 ضلع حیدرآباد میں

حاصل ہوئی۔ اسکے بعد ورنگل اور کریم نگر میں حاصل ہوئے اور سب سے کم ضلع عادل آباد میں صرف 5 نشستیں ہی حاصل ہوئی۔

8۔ ریاست تلنگانہ میں دیگر پیشہ ورانہ کورسوں میں بی سی ای زمرہ کے تحت حاصل نشستوں کی ضلع واری تفصیل

جدول6.9: ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کیلئے BC.E زمرے کے تحت دیگر پیشہ ورانہ کورسز میں مختص نشستیں ضلع واری (2014 تا 2015)

LLM		LLB		UGDPED		B.P.Ed		B.Ed			
BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	District	S .No
0	0	0	0	0	0	0	0	17	440	Adilabad	1
0	0	7	180	0	0	4	100	77	1940	Kareem Nagar	2
0	0	2	50	0	0	0	0	55	1380	Nizambad	3
0	0	0	0	2	50	12	300	85	2120	Medak	4
4	100	15	380	0	0	12	300	125	3120	Warangal	5
0	0	7	180	0	0	0	0	73	1820	Khammam	6
0	0	2	60	2	50	8	200	207	5172	Nalgonda	7
0	0	2	60	0	0	12	300	206	5152	Ranga Reddy	8
18	445	70	1760	8	200	2	60	136	3403	Hyderabad	9
0	0	0	0	0	0	0	0	180	4497	Mahboob Nagar	10
22	545	105	2670	12	300	50	1260	1161	29044	Total	11

Source:Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, P. 27

ریاست تلنگانہ کے دیگر کورسوں جیسے بی ایڈ، بی پی ایڈ، یو جی ڈی پی ای ڈی، ایل ایل بی اور ایل ایل ایم میں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل نشستوں کی تفصیل جدول نمبر 9 میں پیش کی گئی ہے۔ سال 15-2014 میں ریاست تلنگانہ میں بی ایڈ کورس میں جملہ 29044 نشستیں تھی۔ جن میں سے 1161 نشستوں پر مسلم طبقہ کے طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت اہل قرار دیا گیا۔ بی پی ایڈ کورس کی کل 1260 نشستوں میں مسلم طلبہ کو 50 نشستیں حاصل ہوئی۔ البتہ یو جی ڈی پی ای ڈی میں بی ایڈ، بی پی ایڈ کے مقابلے میں بہت کم نشستیں یعنی 300 نشستیں ہی مختص ہوئی۔ یو جی ڈی پی ای ڈی میں مسلم طلبہ کو اس سال بی سی ای زمرے کے تحت چار فیصد یعنی کل میں سے 12 نشستیں حاصل ہوئی۔ اگر ضلعی واری نشستوں کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ بی ایڈ میں سب سے زیادہ 5172 نشستیں ضلع نلگنڈہ میں مختص ہوئی تھی جس میں سے 207 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی اور بی پی ایڈ میں کثیر تعداد میں نشستیں ضلع رنگا ریڈی میں 300 اور ضلع نلگنڈہ میں 200 نشستیں حاصل تھی۔ جس میں سے چار فیصد نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ جبکہ یو جی ڈی پی ای ڈی میں سب سے زیادہ نشستیں ضلع حیدرآباد کو حاصل ہوئی اور سب سے کم نشستیں ضلع میدک اور نلگنڈہ میں صرف 50 نشستیں ہی حاصل ہوئی جن میں سے مسلم طلبہ کو چار فیصد تحفظات کے تحت 2 نشستیں حاصل ہوئی۔

جبکہ ایل ایل بی میں کل 2670 نشستیں مقرر کی گئی تھی جس میں سے 105 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی سب سے زیادہ ضلع حیدرآباد میں 1760 نشستیں حاصل ہوئی۔ چار فیصد تحفظات کے تحت مسلم طلبہ کو 70 نشستیں حاصل ہوئی۔ جبکہ دیگر اضلاع جیسے ضلع ورنگل میں 15، ضلع کریم نگر اور ضلع کھمم میں 7 نشستیں حاصل ہوئی اور ضلع نظام آباد، نلگنڈہ اور رنگا ریڈی میں صرف 2 نشستیں ہی مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ جبکہ ایل ایل ایم میں سال 15-2014 میں کل 545 نشستیں مختص تھی۔ جن میں سے 22 نشستیں مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت حاصل ہوئے۔ کیونکہ ریاست تلنگانہ کے صرف دو اضلاع حیدرآباد اور ضلع ورنگل میں ہی ایل ایل ایم کی نشستیں مختص تھی۔

9۔ ریاست آندھرا پردیش کے پیشہ وارانہ کورسوں میں ضلع واری مسلم طلبہ

ریاست آندھرا پردیش میں بھی کثیر تعداد پیشہ وارانہ کورسوں میں مسلم اور دیگر پسماندہ طبقات کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ حسب ذیل جدول میں مختلف پیشہ وارانہ کورسوں میں مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت حاصل

نشستوں کی ضلع واری تفصیل دی گئی ہے۔

جدول 6.10: ریاست آندھراپردیش میں بی سی ای زمرے کے تحت حاصل نشستوں کی ضلع واری تفصیل (2014-15)

MBA		MCA		Engin-eering		M.E/M Teach		M.Pha-rmacy		D.Pha-rmacy		B.Pha-rmacy			
BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	BC.E Quo	In-take	District	S. No
28	710	4	100	187	4680	22	552	5	132	0	0	11	280	Srikakulam	1
35	880	12	310	269	6720	31	774	19	489	1	30	26	660	Vizian -agaram	2
163	4080	41	1030	628	15704	79	1970	19	486	1	30	30	740	Visha -kapatnam	3
168	4210	53	1320	686	17150	89	2233	36	900	5	120	55	1390	East Godavari	4
131	3280	59	1480	620	15510	66	1644	22	556	4	90	34	860	West Godavari	5
199	4980	53	1300	824	20610	100	2508	32	794	0	0	50	1260	Krishna	6
168	4200	71	1770	1009	25224	107	2683	62	1558	14	360	94	2360	Guntur	7
110	2760	40	1010	439	10980	47	1180	15	366	1	30	35	880	Prakasam	8
158	3950	83	2080	474	11850	36	912	29	718	7	180	400	1000	Nellore	9
334	8370	82	2050	755	18870	105	2628	32	804	6	150	37	920	Chittor	10
117	2920	10	270	375	9369	53	1320	20	504	5	120	23	580	Kadapa	11
131	3270	18	450	316	7908	46	1138	14	353	2	60	10	260	Anantapur	12
117	2920	23	580	362	9059	56	1398	16	402	5	120	21	520	Kurnool	13
1859	46530	549	13750	6944	173634	837	20940	321	8062	51	1290	826	11710	Total	14

Source:Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, Pp.23 & 25.

ریاست آندھراپردیش میں سال 2014-15 میں بی فارمیسی کے کل 11710 نشستیں تھی جن میں بی سی زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو کل 826 نشستیں حاصل ہوئی۔ سب سے زیادہ ضلع گنٹور کے 2360 نشستوں میں 94

نشستیں مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت حاصل ہوئی۔ اسکے بعد ایسٹ گوداوری میں 55، ضلع کرشنا میں 50 اور ضلع نیلور میں 40 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی اور سب سے کم ضلع سریکاکولم میں صرف 11 نشستیں ہی مسلم طلبہ کو حاصل ہوئے۔

ڈی فارمیسی اور ایم فارمیسی میں بھی کثیر تعداد میں نشستیں ضلع گنٹور میں ہی مختص ہوئے۔ ڈی فارمیسی کے کل 360 نشستوں میں تحفظات کے تحت مسلم طلبہ کو 14 نشستیں حاصل ہوئی۔ ڈی فارمیسی میں مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت نیلور، چتور، کڑپہ اور کرنول میں 5 تا 7 نشستیں ہی حاصل ہوئی۔ جبکہ ضلع وجیانگرم، ویشاکھاپٹنم اور پرکاشم میں صرف ایک ایک نشستیں ہی حاصل ہوئیں اس طرح ڈی فارمیسی میں اس سال کل 1290 نشستوں میں سے صرف 51 نشستیں ہی مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ ایم فارمیسی کیلئے کل 8062 نشستیں حاصل تھی جس میں 321 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ اس میں سب سے زیادہ 62 ضلع گنٹور میں اور سب سے کم صرف 5 ضلع سریکاکولم میں حاصل ہوئی۔ اس طرح فارمیسی میں کل 21062 نشستوں میں سے مسلم طلبہ کو چار فیصد تحفظات کے تحت 1198 نشستیں حاصل ہوئی۔

ایم ٹیک میں سال 15-2014 میں کل 20940 نشستوں میں مسلم طلبہ کو بی سی ای زمرے کے تحت کل 837 نشستیں حاصل ہوئی۔ ایم ٹیک میں سب سے زیادہ نشستیں ضلع گنٹور میں 107 اور ضلع چتور میں 105 اور ضلع کرشنا میں 100 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی جبکہ سب سے کم نشستیں ضلع سریکاکولم میں صرف 22 مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔

انجینئرنگ میں سب سے زیادہ 1009 نشستیں مسلم طلبہ کو ضلع گنٹور میں حاصل ہوئے اور سب سے کم سریکاکولم میں 187 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئے ہیں۔ اس طرح انجینئرنگ میں کل 173634 نشستوں میں سے 6944 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔

ایم سی اے میں سب سے زیادہ نشستیں ضلع نیلور میں 2080 اور ضلع چتور میں 2050 نشستیں تھی جس میں سے ضلع نیلور میں 83 نشستیں اور ضلع چتور میں 82 نشستیں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی اور سب سے کم ضلع سریکاکولم میں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ ایم سی اے کے جملہ 13750 نشستوں میں سے 549 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئے۔

ایم بی اے میں کل 46530 نشستوں میں سے 1859 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ کثیر تعداد میں 334

نشستیں مسلم طلبہ کو ضلع چتور میں حاصل ہوئی۔ جبکہ کرشنا، مشرقی گوداوری، وشاکھا پٹنم، گنٹور اور نیلور اضلاع میں چتور کے مقابلے میں کم نشستیں حاصل ہوئی اور سب سے کم 28 نشستیں سریکاکولم میں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔

10 ۔ ریاست آندھرا پردیش میں دیگر پیشہ ورانہ کورسوں میں BC-E زمرہ کے تحت حاصل نشستوں کی ضلع واری تفصیل

اسکے علاوہ ریاست آندھرا پردیش میں سال 15-2014 میں بی ایڈ کیلئے کل 40664 نشستیں مقرر ہوئی تھی جس میں سے BC-E زمرے کے تحت 1625 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ سب سے زیادہ ضلع پرکاشم میں 2500 نشستیں، ضلع گنٹور میں 4782 اور مشرقی گوداوری میں 4490 نشستیں تھی جن میں سے تحفظات کے تحت 4 فیصد نشستیں مسلم طبقہ کے طلبہ کو حاصل ہوئے اور سب سے کم ضلع سریکاکولم میں 1730 نشستیں مختص ہوئی تھی جن میں سے 69 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئے۔ بی پی ایڈ کورس میں سب سے زیادہ نشستیں ضلع کڑپہ میں مختص کئے گئے جن میں سے مسلم طلبہ کو 24 نشستیں حاصل ہوئے اور سب سے کم مغربی گوداوری میں 6 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئے جبکہ ریاست آندھرا پردیش کے پانچ اضلاع میں تو کوئی نشست ہی مختص نہیں ہوئی اس طرح ریاست آندھرا پردیش میں کل 2425 نشستیں بی پی ایڈ کورس کیلئے مختص ہوئی جس میں سے مسلم طلبہ کو چار فیصد تحفظات کے تحت 97 نشستیں حاصل ہوئی۔ یو جی پی ای ڈی کورس میں بھی ریاست آندھرا پردیش کے اضلاع میں سے صرف پانچ اضلاع وجیانگرم، وشاکھا پٹنم، مغربی گوداوری، کڑپہ اور اننت پور میں نشستیں مقرر کی گئی جبکہ باقی اضلاع میں یہ کورس نہیں ہے۔ اس طرح سال 15-2014 میں یو جی ڈی پی ای ڈی میں کل 285 نشستیں حاصل ہوئی جن میں سے مسلم طلبہ کو 15 نشستیں حاصل ہوئی۔

ایل ایل بی میں کل 5126 نشستیں حاصل تھی جس میں سے 799 نشستیں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔ ایل ایل بی میں سب سے زیادہ 1740 نشستیں ضلع چتور میں تھی جن میں سے 69 نشستیں بی سی ای زمرے کے تحت مسلم طلبہ کو ملے۔ سب سے کم 5 نشستیں ضلع وجیانگر میں مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی کیونکہ اس ضلع میں کل 120 نشستیں ہی ایل ایل بی کیلئے مختص ہوئے تھے۔ ایل ایل ایم میں سب سے زیادہ 180 نشستیں وشاکھا پٹنم میں تھی جن میں سے 7 نشستیں مسلم طلبہ کو

حاصل ہوئی اور سب سے کم ضلع سریکاکولم، مشرقی گوداوری اور گنٹور میں صرف ایک ہی نشست مسلم طلبہ کو حاصل ہوئی۔
اس طرح ایل ایل ایم میں کل 466 نشستوں میں سے 17 نشستیں مسلم طلبہ کو چار فیصد تحفظات کے تحت حاصل ہوئے۔

اس طرح تعلیمی شعبہ میں تحفظات کے نتیجہ میں مسلم طلبہ کے لئے BC.E زمرے کے تحت بڑے پیمانے پر پیشہ ورانہ اور دیگر کورسوں میں موقع ملا ہے۔ انجینئرنگ، میڈیسن جیسے کورسوں مسلم طلبہ اچھی تعداد میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اسکی وجہ سے عام مسلمان تعلیم کی طرف راغب ہوئے ہیں اور انکی مجموعی خواندگی کی شرح بھی بڑی ہے۔

جدول 6.11: ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کے لئے BC.E زمرے کے تحت دیگر پیشہ ورانہ کورسز میں مختص نشستیں (2014 تا 2015)

LLM		LLB		UGDPED		B.P.Ed		B.Ed			
BC.E Quota	Intake	BC.E Quota	Intake	BC.E Quota	Intake	BC.E Quota	Intake	BC.E Quota	Intake	District	S.No
1	40	6	160	0	0	0	0	69	1730	Srikakulam	1
0	0	5	120	5	125	8	200	79	1965	Vizian -agaram	2
7	180	25	626	4	100	9	225	98	2460	Vishak -apatnam	3
1	40	18	440	0	0	16	400	180	4490	East Godavari	4
0	0	6	160	2	50	6	150	98	2445	West Godavari	5
0	0	10	240	0	0	0	0	97	2432	Krishna	6
1	20	13	320	0	0	12	300	191	4782	Guntur	7
0	0	6	160	0	0	8	200	208	5200	Prakasam	8
0	0	5	120	0	0	0	0	94	2360	Nellore	9
4	116	69	1740	0	0	14	350	113	2820	Chittoor	10
0	0	17	420	2	60	24	600	136	3400	Kadapa	11
3	70	13	320	2	50	0	0	105	2640	Anantapur	12
0	0	12	300	0	0	0	0	157	3940	Kurnool	13
17	466	799	5126	15	285	97	2425	1625	40664	Total	14

Source:Compiled from the data of Andhra Pradesh State Council of Higher Education Statistical Booklet, APSCHE, Hyderabad, 2015, P.24

روزگار میں مسلمانوں کیلئے تحفظات

محقق نے ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کو دئے گئے چار فیصد تحفظات کے تحت سرکاری ملازمتوں میں انکی نمائندگی کا جائزہ لینے کیلئے مسلم جنرل، بی سی بی اور بی سی ای زمروں کے تحت کئے گئے تقررات کا احاطہ کیا ہے۔اس کے ساتھ تقابلی مطالعہ کے لئے دیگر زمرے جیسے اوسی، ایس سی، ایس ٹی، بی سی اے، بی سی بی، بی سی سی اور بی سی ڈی کے تحت مختلف محکمہ جات جیسے اے پی پی ایس سی، اے پی پی اے اور ڈی ایس سی وغیرہ کا سال 2004 سے 2014 تک کا جائزہ لیا ہے۔

I۔ آندھراپردیش پبلک سرویس کمیشن کے ذریعہ بھرتی کئے گئے جائیدادوں میں مسلم طبقات کی نمائندگی

آندھراپردیش پبلک سرویس کمیشن (اے پی پی ایس سی) ریاست آندھراپردیش کے سب سے اعلیٰ سرکاری جائیدادوں میں تقررات کا ادارہ ہے۔جس کے تحت ریاست کے سب ہی محکموں واداروں میں تقررات کئے جاتے ہیں سوائے کچھ محکموں کو چھوڑ کر جیسے آندھراپردیش پولیس اکیڈیمی (اے پی پی اے)، ڈسٹرکٹ سلیکشن کمیٹی (ڈی ایس سی) اور ریاست آندھراپردیش روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن (اے پی ایس آر ٹی سی) وغیرہ۔

اے پی پی ایس سی تقررات کیلئے ریاست بھر میں مسابقتی امتحانات منعقد کرتا ہے۔اسکے ذریعہ گروپ I، گروپ II، گروپ IV اور دوسرے مسابقتی امتحانات کے تحت ریاست کے مختلف اداروں میں تقررات کئے جاتے ہیں۔حکومتی اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی کافی اہمیت کے حامل ہے۔اس لئے محقق نے اس ادارے کے ذریعہ مختلف محکموں میں مختلف زمرات کے تحت کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی کا مسلم تحفظات کے حوالے سے جائزہ لیا ہے۔

اے پی پی ایس سی کے ذریعہ 2004 سے 2014 تک کئے گئے تقررات کا جائزہ حسب ذیل ہے۔

1۔ گروپ I سرویس کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Group I Services

(APPSC) آندھراپردیش پبلک سرویس کمیشن کے گروپ I جائیدادوں کے لئے کئے گئے تقررات میں سال 2007 میں کل 141 افراد کا تقرر ہوا جن میں صرف 6 مسلمان جنکا فیصد 4.25 ہے۔ یعنی 5 مسلمان کا BC-E زمرے کے تحت اور ایک مسلم کا عام زمرے کے تحت تقرر ہوا۔ جبکہ سال 2009 میں ہوئے گروپ I کے امتحانات میں کل 205 افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ اس سال کوئی بھی مسلمان کا عام زمرے اور BC-B زمرے کے تحت تقرر نہیں ہوا۔ صرف تحفظات کی بدولت BC-E زمرے کے تحت 9 مسلمانوں کا تقرر ہوا جو 4.39 فیصد ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر تحفظات نہیں ہوتے تو اس سال کوئی بھی مسلم طبقے سے تعلق رکھنے والے فرد کا تقرر ہی نہیں ہو پاتا۔

ان دونوں سال 2007 اور 2009 کا جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ جملہ 346 افراد کا گروپ I کیڈر میں تقرر ہوا ہے جن میں سے 15 مسلم افراد کا BC-E زمرے کے تحت تقرر ہوا جبکہ صرف ایک مسلمان کا عام زمرے کے تحت تقرر ہوا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو آگے بڑھانے کے لئے تحفظات اتنے ہی ضروری ہیں جتنے ایس سیز اور ایس ٹیز کیلئے ضروری ہیں۔ اس تجزیہ کی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 6.12: ریاست آندھراپردیش میں گروپ I سرویس کیلئے منتخب مسلمان اور دیگر طبقات (2007 تا 2009)

%of Muslim	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC .E	BC. D	BC .C	BC .B	BC .A	ST	SC	OC	Total Recruited	Recruited Years	S.No
4.25	06	00	01	05	18	05	16	11	07	26	53	141	2007	1
4.39	09	00	00	09	21	02	36	21	13	30	73	205	2009	2
4.33	15	00	01	14	39	07	52	32	20	56	126	346	Total	3

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2007 & 2009, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.8

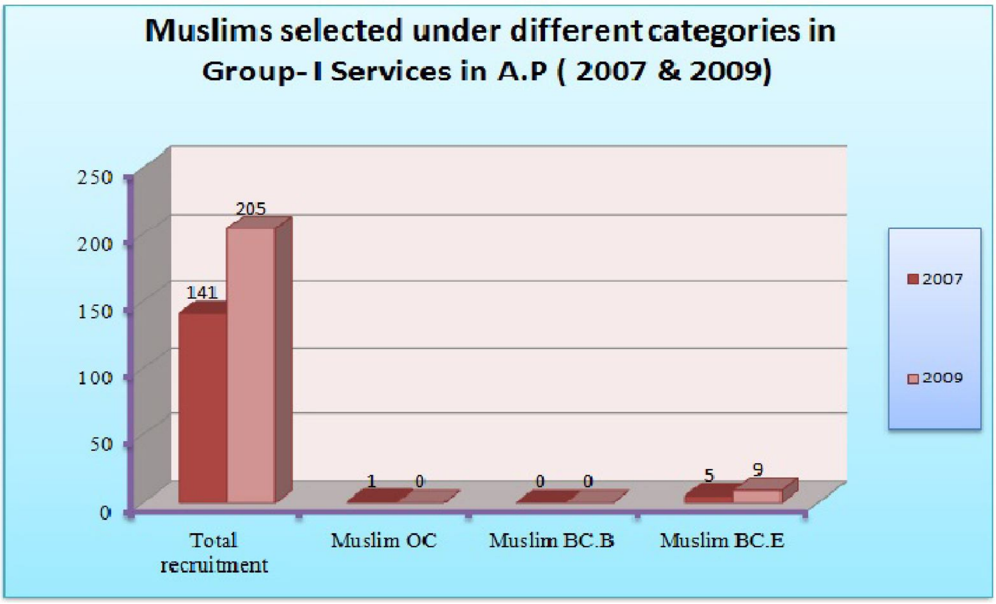

2۔ گروپ II سرویس کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Group II services

APPSC کے تحت تحفظات سے پہلے اور بعد کا یعنی سال 2004 تا 2011 کے گروپ II کے جائیدادوں میں تقررات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس دوران جملہ 3045 افراد کا تقرر کیا گیا۔ اس میں 106 یعنی 3.48 فیصد مسلمانوں کا تقرر ا ہوا ہے۔

سال 2004 کے گروپ II کے تحت کئے گئے تقررات کے جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے جملہ 1195 افراد کے تقررات عمل میں آئے جن میں سے عام زمرے کے تحت 18 اور بی سی بی زمرے کے تحت 9 مسلمانوں کا تقرر ہوا یعنی کل 2.25 فیصد ہی مسلم افراد کا تقرر ہوا ہے۔ جبکہ سال 2008 اور 2011 میں 2004 کے مقابلے میں 2 فیصد اضافی تقررات ہوئے ہیں یعنی سال 2008 میں 4.06 فیصد اور سال 2011 میں 4.49 فیصد مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔

سال 2006-07 سے مسلمانوں کو BC-E زمرے کے تحت ریاست آندھراپردیش میں 4 فیصد تحفظات عطا کئے گئے جس کی بدولت سال 2008 میں گروپ II سرویس میں BC-E زمرے کے تحت 33 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا جو 3.43 فیصد ہے۔ سال 2011 میں BC-E زمرے کے تحت 37 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ جبکہ اس سال عام زمرے کے تحت کسی بھی مسلمان کا گروپ II کیڈر میں انتخاب نہیں ہوا اور صرف تین BC-B زمرے کے تحت تقرر

ہوا۔اس طرح کل 40 مسلمانوں کا تقرر ہوا ہے جو کہ 4.49 فیصد ہے۔

تحفظات سے پہلے اور بعد کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی تحفظات سے پہلے 2004 میں صرف 2 فیصد تھی وہ بڑھ کر سال 2008 اور 2011 میں 4 فیصد سے زیادہ ہوگئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحفظات کی بدولت مسلمانوں کی نمائندگی حکومتی اداروں میں بڑھی ہے۔مگر یہ مسلمانوں کی آبادی کے فیصد سے پھر بھی بہت کم ہے۔جس کی تفصیل نیچے دیئے گئے جدول میں دیکھ سکتے ہیں۔

جدول 6.13: ریاست آندھراپردیش میں گروپ II سروس کیلئے منتخب مسلمان اور دیگر طبقات (2004 تا 2011)

% of Muslim	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim Oc	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	ST	SC	OC	Total Recruited	Recruited Years	S.No
2.25	27	09	18	--	142	20	196	97	100	191	449	1195	2004	1
4.06	39	03	03	33	126	14	167	84	52	154	330	960	2008 & 2009	2
4.49	40	03	00	37	130	35	134	88	73	158	235	890	2011	3
3.48	106	15	21	70	398	69	497	269	225	503	1014	3045	Total	4

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2004 to 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف 6.9

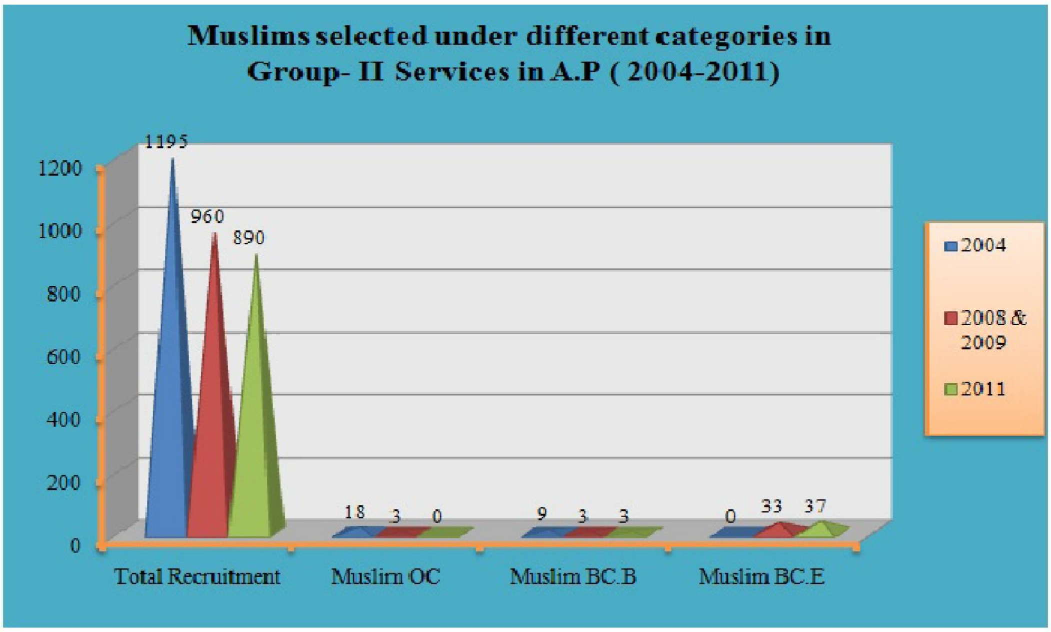

3۔ گورنمنٹ پولی ٹیکنیک کالج میں لکچرر کے تقررات میں مسلم نمائندگی

اے پی پی ایس سی کے ذریعہ کئے گئے گورنمنٹ پولی ٹیکنیک کالج میں لیکچررس کے تقررات کا سال 2006 تا 2012 تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سال 2006 میں کئے گئے جملہ لیکچررس کے تقرر میں مسلمانوں کی نمائندگی 6.17 فیصد ہے جن میں 4.93 فیصد کا تقرر بی سی ای زمرے کے تحت ہوا۔ 1.23 فیصد مسلم افراد کا تقرر بی سی بی زمرے کے تحت عمل میں آیا۔ جنرل زمرے میں کسی مسلم امیدوار کا تقرر نہیں ہوا۔ یعنی اس سال جتنے بھی مسلمانوں کا تقرر ہوا وہ تحفظات کی بناء پر ہوا اگر یہ تحفظات نہ ہوتے تو شاید اس سال کوئی مسلمان کا تقرر پولی ٹیکنیک کالجوں میں نہیں ہو پاتا۔ سال 2008 میں سال 2006 کے مقابلہ میں تین گنا اضافی لوگوں کا تقرر ہوا یعنی اس سال 283 افراد کا بہ حیثیت لیکچرر تقرر اس کے باوجود پچھلے سال کے مقابلے میں اس سال مسلمانوں کی نمائندگی 4.59 فیصد ہی رہی، یعنی 12 مسلم افراد کا تقرر بی سی ای زمرے کے تحت اور ایک مسلمان کا عام زمرے کے تحت تقرر عمل میں آیا۔

جبکہ سال 2011 میں 172 افراد کا لیکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اس سال مسلمانوں کی نمائندگی پولی ٹیکنیک کالجوں میں 6.97 رہی یعنی سال 2006 تا 2012 کے درمیان ہوئے تقررات میں سب سے زیادہ تقررات سال 2011 میں ہوئے۔ بی سی ای زمرے کے تحت 9' عام زمرے کے تحت 1 اور بی سی بی زمرے کے تحت 2 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ مطلب اس سال جملہ 12 مسلم افراد کے تقررات بہ حیثیت لیکچرر ہوئے اور سال 2012 میں 887 افراد کے تقررات عمل میں آئے جن میں سے صرف 5.97 فیصد مسلمانوں کا ہی تقرر ہوا۔ اگر ہم سال 2006 تا 2012 تک کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس دوران پولی ٹیکنیک کالجوں میں لیکچرر کیلئے جملہ 1408 افراد کے تقررات ہوئے جن میں سے 61 مسلم افراد کا تقرر ہوا۔ جس میں 4.33 فیصد کا تقرر بی سی ای زمرے کے تحت ہوا، عام زمرے کے تحت 9 مسلم افراد 0.63 فیصد اور 13 مسلم افراد 0.92 فیصد کا بی سی بی زمرے کے تحت تقرر عمل میں آیا۔ اس طرح پولی ٹیکنیک کالجوں میں جملہ 83 مسلمان یعنی 5.89 فیصد کا بہ حیثیت لیکچرر تقرر ہوا۔

اس تجزیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو بی سی ای زمرے کے 4 فیصد تحفظات نہیں دیئے جاتے تو مسلمانوں کا فیصد پولی ٹیکنیک کالجوں میں ایک فیصد بھی نہیں ہوتا۔ بی سی ای زمرے کی وجہ سے ہی مسلمانوں کا فیصد کم سے کم 5 فیصد ہے۔ جسکی تفصیل کو آپ حسب ذیل میں دیکھ سکتے ہیں۔

جدول 6.14: گورنمنٹ پولی ٹیکنیک لیکچرر کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2006 تا 2012)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.E	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment year	S.No
6.17	05	01	00	04	10	05	17	14	01	13	17	81	2006	1
4.59	13	00	01	12	38	05	47	31	13	61	76	283	2008	2
6.97	12	02	01	09	28	08	29	27	11	26	32	172	2011	3
5.97	53	10	07	36	107	13	171	94	60	152	241	887	2012	4
5.89	83	13	09	61	183	31	264	166	85	252	366	1408	جملہ	5

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2006 & 2012, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف 6.10

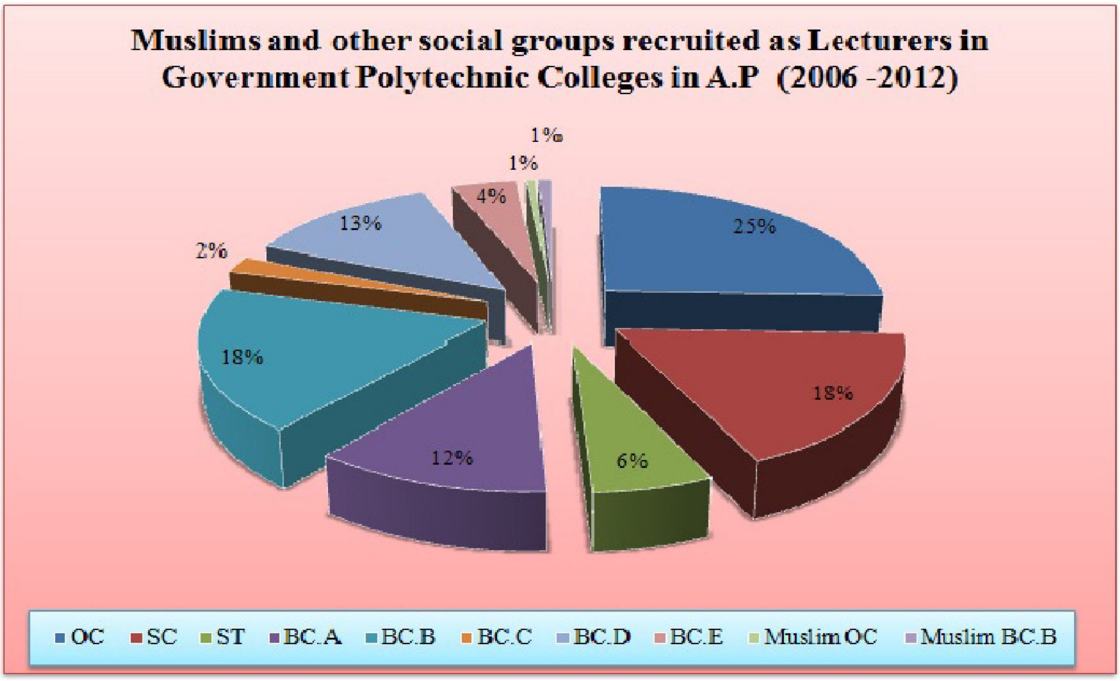

4۔ گورنمنٹ ڈگری کالجوں میں لیکچرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representtion in the Recruitment of Degree College Lectures

آندھرا پردیش پبلک سروس کمیشن کی طرف سے ریاست آندھرا پردیش میں گورنمنٹ ڈگری کالجوں میں لیکچرر کے تقررات میں مسلم نمائندگی برائے سال 2009 اور 2011 کا جائزہ لیا گیا ہے۔ 2009 میں 684 افراد کا بہ حیثیت

لیکچرر تقرر عمل میں آیا۔ ان 684 افراد میں سے اس سال کل 23 مسلمانوں کا تقرر ہوا جو 3.36 فیصد ہے جن میں سے 2.04 فیصد مسلمانوں کا BC-E کے تحت تقرر ہوا جبکہ 0.87 فیصد عام زمرے کے تحت اور 0.43 فیصد کا BC-B کے تحت تقرر رہوا ہے۔ جبکہ سال 2011 میں 2009 کے مقابلے میں بہت کم تقررات عمل میں آئے۔ اس سال صرف 264 افراد کا تقرر بہ حیثیت ڈگری لیکچرر رہا۔ مگر اس سال مسلمانوں کی نمائندگی 10.60 فیصد رہی۔ اس سال مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ اردو لیکچرار اور اردو میڈیم کے لیکچرر کے تقررات ہوسکتے ہیں، جن میں صرف مسلمان ہی اہل ہوتے ہیں۔
اس طرح سال 2009 اور 2011 میں ڈگری لیکچرر کیلئے کل 948 افراد کے تقررات ہوئے جن میں سے 51 مسلم کا تقرر رہوا جو 5.37 فیصد ہے۔ جسکی تفصیل حسب ذیل جدول 6.15 میں دی گئی۔

جدول 6.15: ڈگری کالجوں میں لیکچرر کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2009 اور 2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	SC	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment year	S.No
3.36	23	03	06	14	84	25	107	71	28	158	197	684	2009& 2010	1
10.60	28	02	03	23	40	09	36	33	22	47	54	264	2011	2
5.37	51	05	09	37	124	34	143	104	50	205	251	948	Total	3

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2009 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف: 6.11

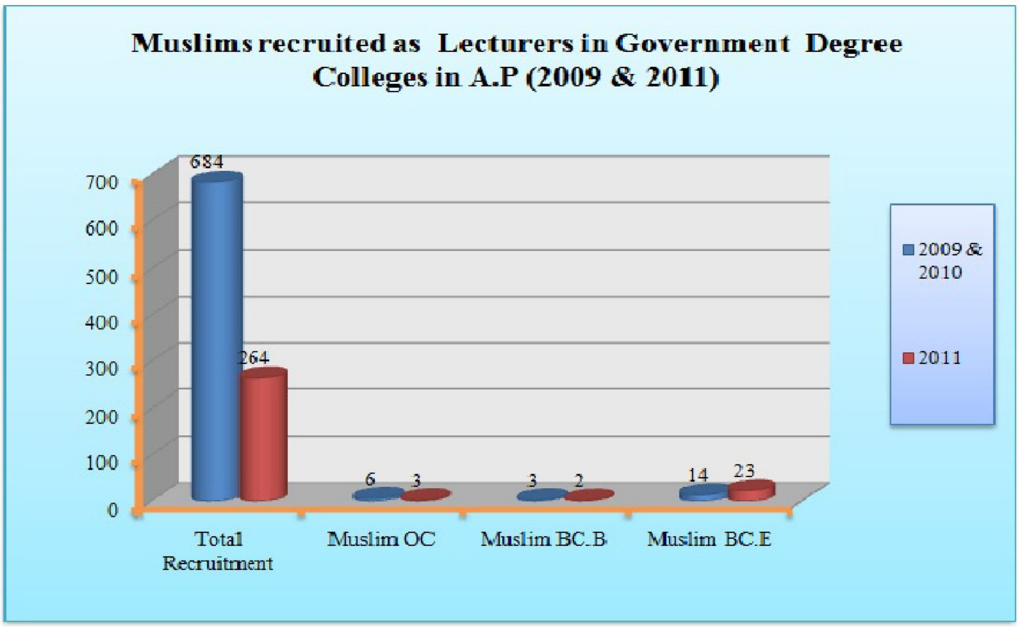

5۔ اے پی کالجیٹ ایجوکیشن میں لائبریرین کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Librarian in A.P Collegiate Education

اے پی کالجیٹ ایجوکیشن میں لائبریرین کے عہدے پر سال 2007 میں کل 11 افراد مختلف طبقات سے تقرر ہوئے لیکن اس سال مسلمانوں کی نمائندگی اس عہدے میں صفر رہی۔ جبکہ سال 2012ء میں کل 19 افراد کا تقرر رہا۔ جن میں ایک مسلمان کا عام زمرے کے تحت تقرر ہوا جبکہ BC-E زمرے اور BC-B زمرے کے تحت ان دو سال میں کوئی مسلمان کا تقرر نہیں ہوا۔ اس طرح سال 2007 اور 2012 میں جملہ 30 افراد کا بہ حیثیت لائبریرین تقرر ہوا جس میں مسلمان صرف 1 یعنی 3.3 فیصد تھے۔ جس کو حسب ذیل جدول میں بتلایا گیا ہے۔

جدول 6.16: اے پی کالجیٹ ایجوکیشن میں لائبریرین کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2007 اور 2012)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment year	S. No
00	00	00	00	00	00	00	03	01	00	02	05	11	2007	1
5.26	01	00	01	00	03	00	04	03	00	05	04	19	2012	2
3.3	01	00	01	00	03	00	07	04	00	07	09	30	جملہ	3

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2007 & 2012, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف 6.12

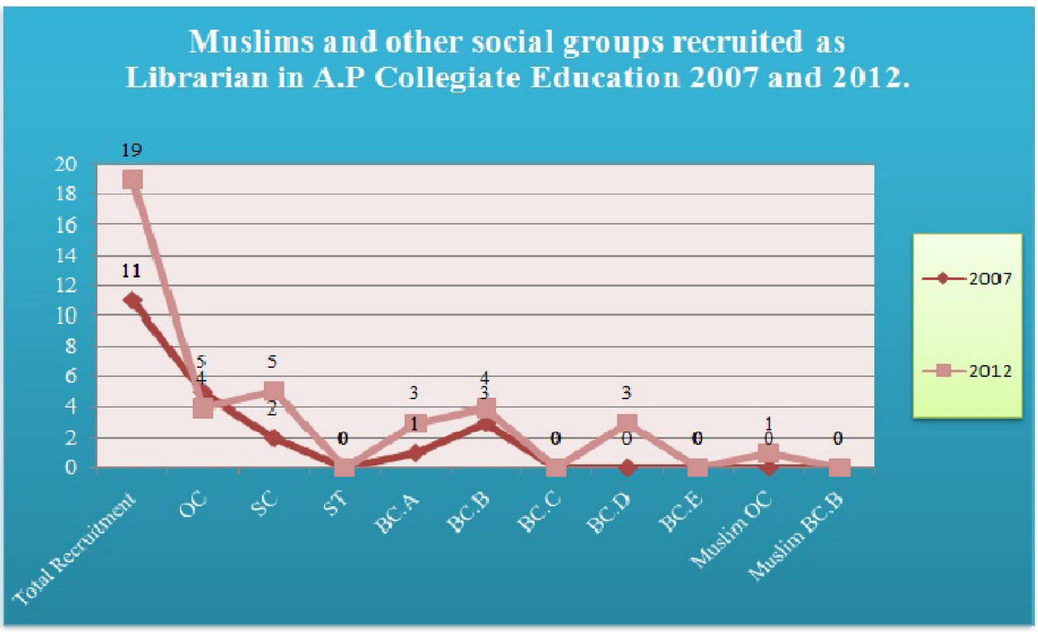

6۔ اسسٹنٹ ایگزیکیٹو انجینئرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Asst Executive Engineers

APPSC کے تحت کئے گئے مختلف محکموں وشعبوں میں اسسٹنٹ ایگزیکیٹو انجینئرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی کا تحفظات سے پہلے اور تحفظات کے بعد کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگر ہم تحفظات سے پہلے یعنی سال 2004 کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سال کل 585 مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر عمل میں آیا جن میں سے صرف 13 مسلمانوں کا تقرر ہوا جو 2.22 فیصد ہے۔ اس سال یعنی سال 2006 میں بھی مسلمانوں کا کل فیصد صرف 2.09 ہی رہا کیونکہ اس سال کسی بھی مسلمان کا BC-E زمرے کے تحت تقرر نہیں ہوا تھا۔ سال 2007 میں جملہ 1869 افراد کا تقرر ہوا اور اس سال BC-E زمرے کے تحت 34 یعنی 1.81 فیصد مسلمانوں کا تقرر اور عام زمرے کے تحت 0.80 فیصد اور BC-B زمرے کے تحت 0.85 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا ہے۔ اس طرح سال 2007 میں کل 3.47 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ BC-E زمرے کے تحت 4 فیصد تحفظات ملنے پر بھی اس سال مسلمانوں کا فیصد 4 سے بھی کم رہا۔

سال 2008 میں کل 1402 افراد کا تقرر ہوا۔ اس سال مسلم نمائندگی کا فیصد 5.27 رہا، مطلب BC-E زمرے کے تحت مسلم طبقہ کو پورے 4 فیصد تحفظات کا فائدہ ہوا اور 1.34 فیصد مسلمانوں کا عام اور BC-B زمرے کے تحت تقرر ہوا۔ سال 2011 میں کل 2373 افراد کا مختلف طبقات سے تقرر ہوا جن میں سے کل 124 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا جو 5.22 فیصد ہے۔ اس طرح اگر ہم سال 2004 سے 2011 تک کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ کل 6373 افراد کا حکومت کے مختلف محکمہ وشعبوں میں اسسٹنٹ ایگزیکیٹو انجینئرز کی حیثیت سے تقرر ہوا جن میں سے مسلمانوں کی نمائندگی 279 یعنی 4.37 فیصد رہی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تحفظات سے پہلے مسلم نمائندگی صرف 2 فیصد ہی تھی وہیں تحفظات ملنے کی وجہ سے انکی نمائندگی میں اضافہ ہوا ہے۔ جسکی تفصیل حسب ذیل جدول 6.17 میں دی گئی ہے۔

جدول6.17:اسسٹنٹ ایگزیکیٹیو انجینئرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی

(2004تا2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment year	S.No
2.22	13	07	06	--	85	05	123	57	30	97	188	585	2004	1
2.09	03	01	02	00	20	02	30	17	08	25	41	143	2006	2
3.47	65	16	15	34	271	31	397	226	114	412	384	1869	2007	3
5.27	74	07	12	55	203	22	248	139	82	248	405	1402	2008	4
5.22	124	11	20	93	318	25	407	227	120	375	808	2373	2011	5
4.37	279	42	55	182	897	85	1205	666	354	1157	1826	6372	Total	6

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2004 to 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف6.13

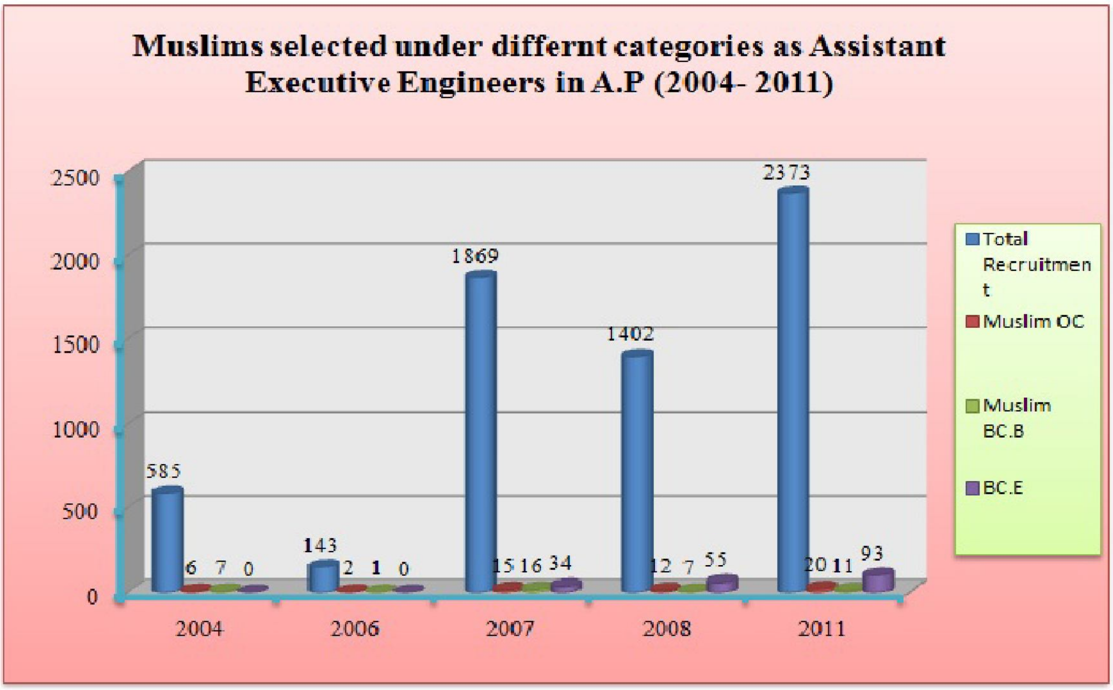

7۔ پبلک ہیلتھ اینڈ میونسپل انجینئرنگ سب سرویس کے اسسٹنٹ انجینئرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Assistant Engineers in A.P Public Health & Municipal Engineering sub services

جدول 6.18: پبلک ہیلتھ اینڈ میونسپل انجینئرنگ سب سرویس کے اسسٹنٹ انجینئرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2006 تا 2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S.No
00	00	00	00	00	02	00	02	02	01	06	06	19	2006	1
7.14	01	00	00	01	00	01	00	03	01	02	06	14	2007	2
4.81	12	00	01	11	36	00	44	36	20	51	51	249	2011	3
4.60	13	00	01	12	38	01	46	41	22	59	63	282	جملہ	4

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2006-07 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف: 6.14

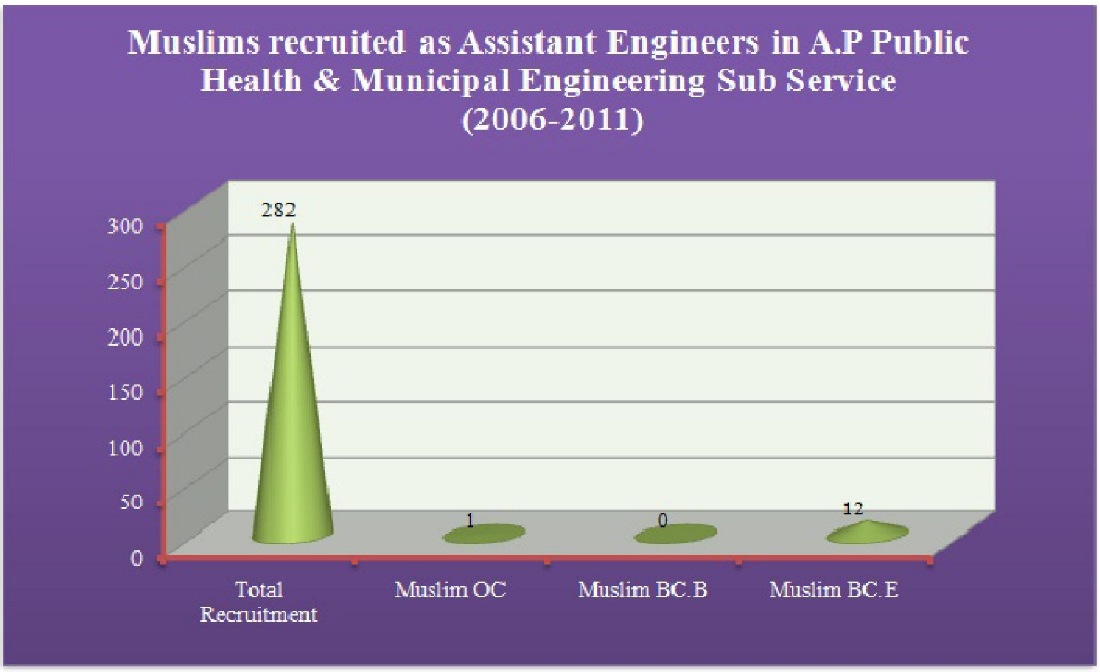

APPSC کی جانب سے آندھراپردیش پبلک ہیلتھ اور میونسپل انجینئرنگ سب سرویس میں اسسٹنٹ انجینئرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی کا سال 2006 تا 2011 تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سال 2006 اور 2007 میں اسسٹنٹ انجینئرز کیلئے 10 اور 14 مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقررات ہوا جن میں سے سال 2006 میں کوئی بھی مسلم کا تقرر نہیں ہوا۔ البتہ سال 2007 میں صرف ایک مسلم کا تقرر BC-E زمرے کے تحت عمل میں آیا۔ جبکہ سال 2011 میں جملہ 249 افراد کے تقررات عمل میں آیا۔ جن میں سے کل 12 مسلمانوں کا اسسٹنٹ انجینئرز کی حیثیت سے تقرر ہوا جو 4.81 فیصد تھا۔ اس طرح سال 2006 تا 2011 تک جملہ 286 افراد کے تقررات عمل میں آئے جس میں مسلمانوں کی نمائندگی 4.60 فیصد رہی جس میں 12 مسلمانوں کا BC-E زمرے کے تحت اور صرف ایک مسلم فرد کا عام زمرے کے تحت تقرر ہوا جبکہ کسی بھی مسلم کا BC-B زمرے کے تحت تقرر نہیں ہوا۔ اسکی تفصیل جدول 6.18 میں دی گئی ہے۔

8۔ حیدرآباد میٹرو واٹر (HMW) میں مینجرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Managers (Engineering) in HMW

APPSC کے ذریعہ HMW میں سال 2007 میں کل 100 افراد کا تقرر ہوا۔ جن میں BC-E زمرے کے تحت 5 مسلمانوں کا اور ایک کا عام زمرے کے تحت تقرر ہوا۔ یعنی کل 6 مسلمان مینجر کی حیثیت سے HMW میں تقرر ہوئے جو 6 فیصد ہے۔ جبکہ سال 2011 میں کل 85 افراد کے تقررات مختلف طبقات سے ہوئے ان میں سے 4.7 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ اس طرح سال 2007 اور 2011 میں کل 185 افراد کا تقرر ہوا جس میں کل 10 سلمانوں کا تقرر ہوا جو 5.40 فیصد ہے۔ عام زمرے کے تحت صرف ایک مسلمان کا تقرر ہوا جبکہ 9 کا تحفظات کی بدولت HMW میں مینجر کی حیثیت سے تقرر ہو پایا۔ اگر تحفظات نہ دیئے جاتے تو ان دو سالوں میں صرف 1 ہی مسلمانوں کا اس محکمہ میں تقرر ہو پاتا۔ اسکی تفصیل جدول 6.19 میں دی گئی ہے۔

جدول 6.19: حیدرآباد میٹرو واٹر (HMW) میں مینجرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2007 تا 2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S.No
6	06	00	01	05	11	02	22	10	08	18	24	100	2007 & 2008	1
4.7	04	00	00	04	15	01	12	09	07	10	27	85	2011	2
5.40	10	00	01	09	26	03	34	19	15	28	51	185	Total	3

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2007-08 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.15

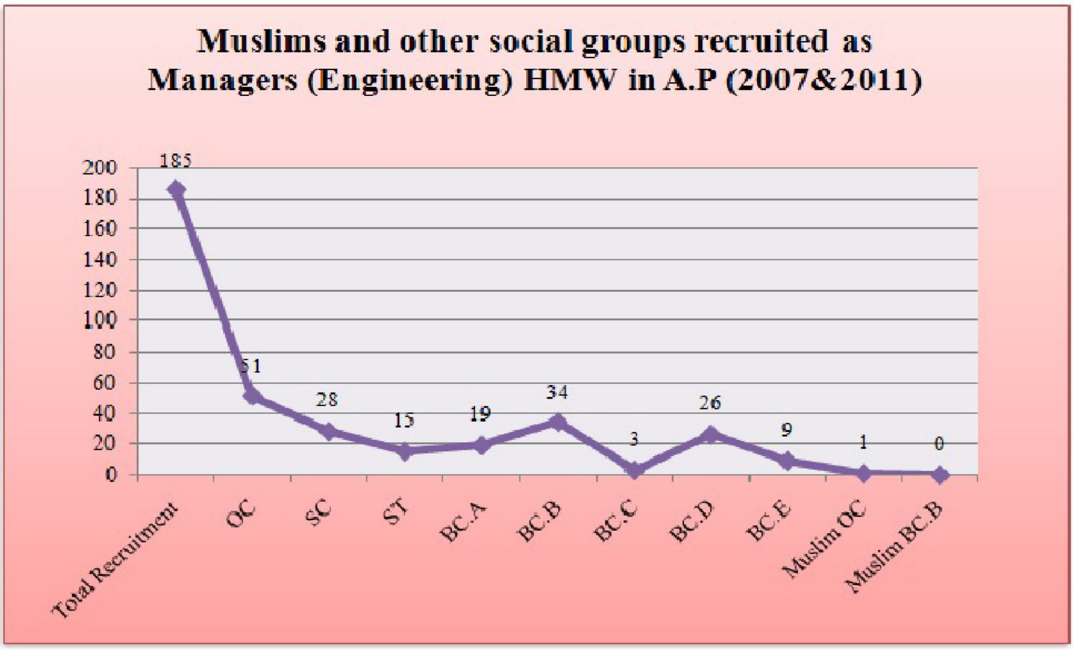

9۔ اے پی اکنامک اینڈ اسٹاٹیسٹکل سرویس اور سب سرویس کے اسسٹنٹ ڈائرکٹرز کے تقررات میں مسلم نمائندگی 2007 تا 2011

Muslim Representation in the Recruitment of Assistant Directors in A.P Economic and Statistical Services and Sub Services

اے پی اکنامک اینڈ اسٹاٹیسٹکل سرویس اور سب سرویس میں سال 2007 میں 99 افراد کا بہ حیثیت

اسسٹنٹ ڈائرکٹرز تقرر ہوا اور ان 99 افراد میں سے 4 مسلمانوں کا تقرر بی سی ای زمرے کے تحت ہوا جبکہ عام زمرے اور بی سی بی زمرے کے تحت کسی بھی مسلمان کا تقرر نہیں ہوا۔ اس سال مسلم طبقے کا فیصد اس محکمے میں 4.04 فیصد رہا۔ البتہ سال 2008 اور 2011 میں جملہ تقررات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے فیصد میں بھی اضافہ دیکھا گیا ہے جبکہ سال 2008 میں جملہ 118 افراد کے تقررات عمل میں آئے۔ جن میں سے 7 یعنی 5.93 فیصد مسلمانوں کا تقرر رہوا۔ جبکہ سال 2011 میں سال 2008 کے مقابلے میں تین گنا اضافی لوگوں کا تقرر عمل میں آیا۔ یعنی اس سال جملہ 399 افراد کا تقرر رہوا۔ جس میں 21 مسلمانوں کا بی سی ای زمرے کے تحت اور 5 کا بی سی بی زمرے کے تحت تقرر رہوا جسکی وجہ سے اس سال جملہ 26 مسلمانوں کا تقرر رہوا یعنی کل 6.51 فیصد مسلم نمائندگی اس محکمے میں رہی۔

اگر ہم اے پی اکنامک اینڈ اسٹاٹیسٹکل سرویس اینڈ سب سرویس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کا سال 2007 تا 2011 تک کا جائزہ لے تو معلوم ہوتا ہے کہ جملہ 616 افراد کا تقرر بحثیت اسسٹنٹ ڈائرکٹرز کے ہوا جس میں 37 یعنی 6 فیصد مسلمانوں کا تقررات ہوا جن میں سے بی سی ای زمرے کے تحت 31 اور بی سی بی زمرے کے تحت 6 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ جبکہ عام زمرے کے تحت کوئی بھی مسلمان کا اس عہدے پر تقرر نہیں ہو پایا۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس محکمے میں کل 6 فیصد مسلمان بحثیت اسسٹنٹ ڈائرکٹرز بنے ہیں۔ صرف تحفظات کی بناء پر ہی بن پائے ہیں۔ اگر حکومت کی طرف سے یہ تحفظات اگر نہیں ملتے تو کوئی بھی مسلم اس ادارے میں نظر نہیں آتا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل جدول نمبر 6.20 میں دی گئی ہے۔

جدول 6.20: اے پی اکنامک اینڈ اسٹاٹیسٹکل سرویس اور سب سرویس کے اسسٹنٹ ڈائرکٹرز کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی (2007 تا 2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim OBC	Muslim OC	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S.No
4.04	04	00	00	04	15	01	20	08	06	17	28	99	2007	1
5.93	07	01	00	06	22	01	28	10	06	20	25	118	2008	2

6.51	26	05	00	21	74	03	71	34	27	59	110	399	2011	3
6.00	37	06	00	31	111	05	119	52	39	96	163	616	جملہ	4

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2007, 08 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.16

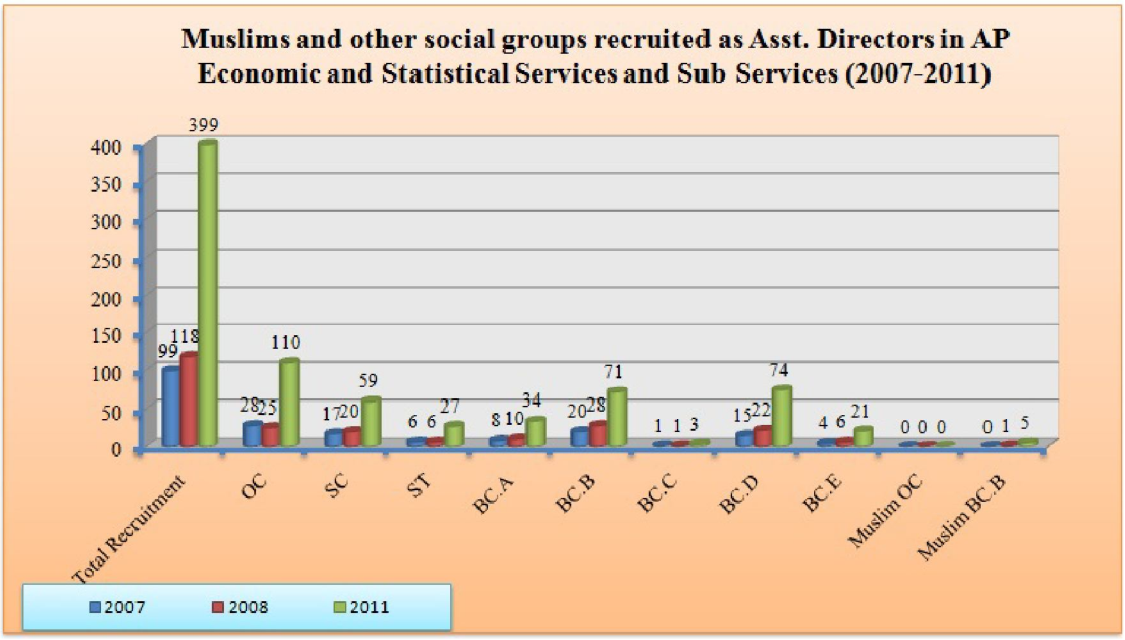

10۔ شہری اور دیہی منصوبہ بندی خدمات میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Asst Director in Town and Country Planning Service

محقق نے شہری اور دیہی منصوبہ بندی خدمات میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے تقررات میں مسلم نمائندگی کا سال 2004 تا 2012 تک کا جائزہ لیا۔ اس جائزے سے یہ معلوم ہوا کہ سال 2004 تا 2012 تک جملہ 91 افراد کا بہ حیثیت اسسٹنٹ ڈائرکٹر اس شعبہ میں تقرر ہوا۔ ان چار سال میں صرف ایک ہی مسلم کا تقرر تحفظات کی بدولت BC-E زمرے کے تحت عمل میں آیا۔ جبکہ سال 2004، 2008، 2011 اور 2012 میں کوئی مسلم نہ ہی عام زمرے کے تحت اور BC-B زمرے کے تحت اس عہدے پر فائز ہوا۔ جسکی تفصیل حسب ذیل جدول 6.21 میں دی گئی ہے۔

جدول 6.21:شہری اور دیہی منصوبہ بندی خدمات میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے تقررات میں مسلم اور دیگر طبقات کی نمائندگی 2004 تا 2012

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S. No
00	00	00	00	--	00	00	01	01	01	01	06	10	2004	1
00	00	00	00	00	01	00	01	01	02	09	08	22	2008	2
00	00	00	00	00	05	00	03	04	02	16	13	43	2011	3
6.25	01	00	00	01	05	00	02	02	00	02	04	16	2012	4
1.09	01	00	00	01	11	00	07	08	05	28	31	91	جملہ	5

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2004,08,11&12, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.17

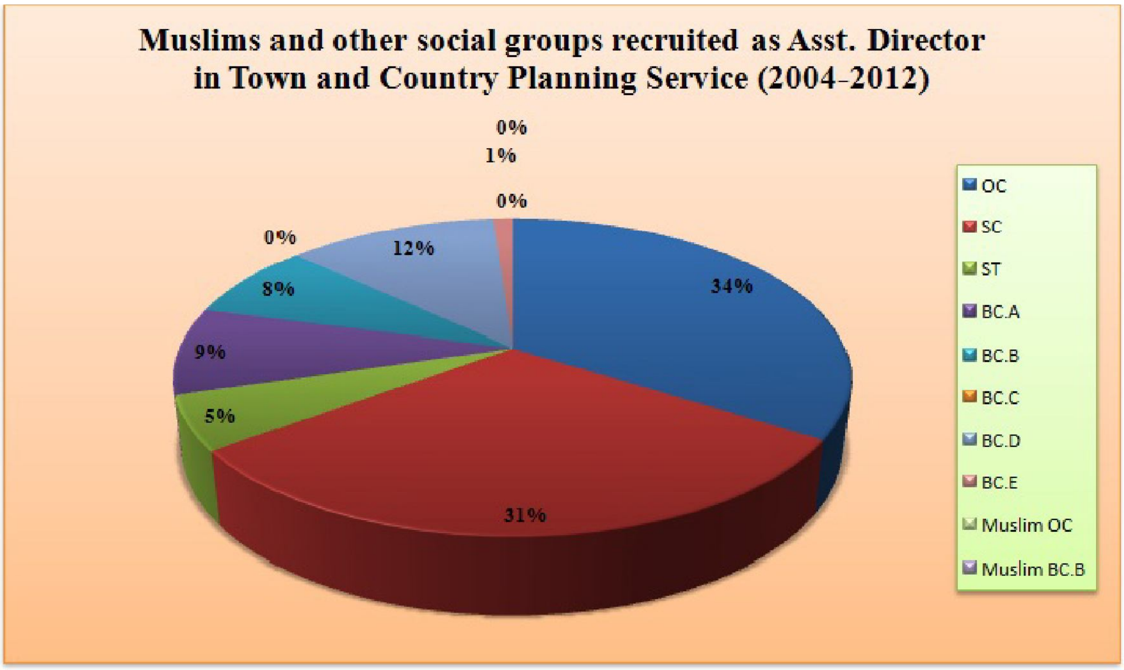

11۔ اسسٹنٹ آر کیٹکچر ل ڈرافٹسمین اور سرویئر (PH) ٹاؤن پلاننگ سب سرویس کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Assistant Architechtural Draughtsman and Surveyors (Ph) Town Planning Sub Services

اسسٹنٹ آر کیٹکچر ل ڈرافٹسمین اور سرویئر (PH) ٹاؤن پلاننگ سب سرویس میں سال 2008 اور 2011 میں جملہ 100 افراد کا تقرر ہوا ہے۔ جن میں سے صرف ایک مسلمان کا تقرر تحفظات کے تحت BC-E زمرے میں ہوا اور ایک مسلمان کا تقرر BC-B زمرے کے تحت ہوا۔ جبکہ کوئی بھی مسلم عام زمرے کے تحت ان عہدوں پر فائز نہیں ہوا۔ یعنی 100 افراد میں سے صرف 2 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔

سال 2008 کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال کل 25 افراد کا تقرر بہ حیثیت اسسٹنٹ ارکیٹکچر ل ڈرافٹسمین اور سرویئر ٹاؤن پلاننگ سب سرویس کے ہوا۔ جس میں صرف ایک ہی مسلمان کا تقرر BC-B زمرے میں ہوا۔ جبکہ 4 فیصد تحفظات کے باوجود کوئی بھی مسلمان BC-E زمرے کے تحت تقرر کا اہل نہیں ہوا اور نہ ہی عام زمرے کے تحت کوئی مسلمان کا تقرر ہوا۔ البتہ سال 2011 میں BC-E زمرے میں ایک مسلمان کا تقرر ہوا، جو 1.33 فیصد ہے۔ اس سال بھی عام زمرے کے تحت کوئی بھی مسلم فرد کا تقرر نہیں ہوا۔

حسب ذیل جدول 6.22 کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ تحفظات کے بغیر مسلمانوں کی رسائی ان محکموں تک نہیں ہو پاتی۔

جدول 6.22: اسسٹنٹ آر کیٹکچر ل ڈرافٹسمین اور سرویئر (PH) ٹاؤن پلاننگ سب سرویس کے تقررات میں مسلم نمائندگی 2008 اور 2011

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S. No
4	01	01	00	00	08	00	02	02	00	07	06	25	2008	1
1.33	01	00	00	01	00	00	06	11	08	15	34	75	2011	2
2	02	01	00	01	08	00	08	13	08	22	40	100	Total	3

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2008 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.18

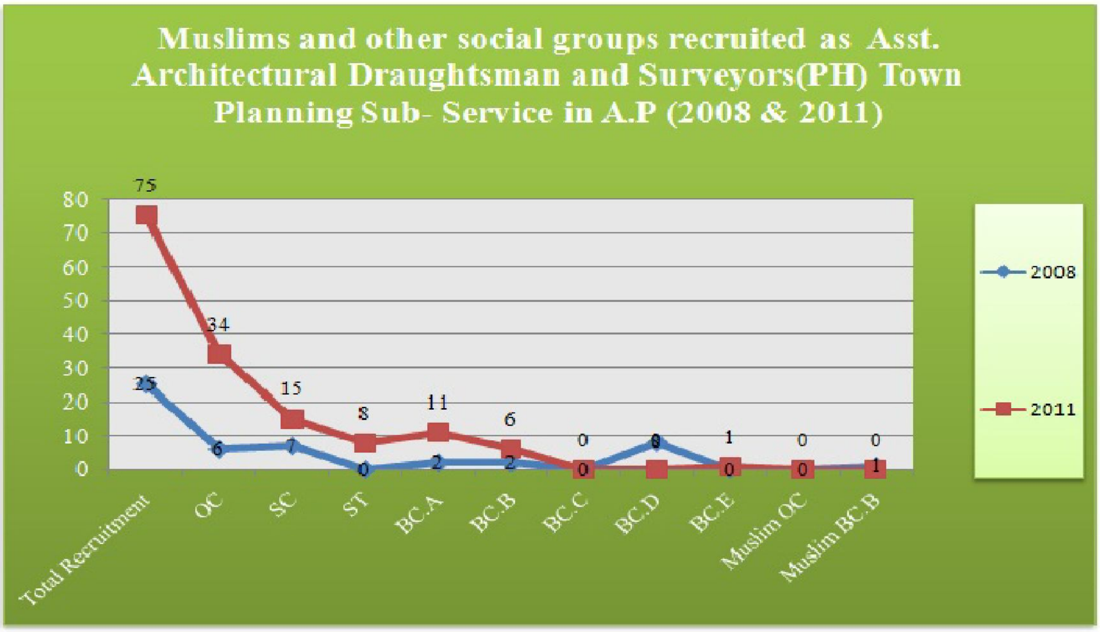

12۔ APIMS میں سیول اسسٹنٹ سرجن اور ڈینٹل اسسٹنٹ سرجن کے تقررات میں مسلم نمائندگی 2005 تا 2011

Muslim Representation in the Recruitment of Civil Asst Surgeons in A.P.I.M.S and Dental Asst Surgeons

A.P.I.M.S میں سیول اور ڈ ینٹل اسسٹنٹ سرجن کیلئے سال 2005 تا 2011 تک جملہ 587 کے تقررات الگ الگ طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا ہوا۔ان میں سے صرف 18 مسلمانوں کا تقرر ہوا جو 3.06 فیصد ہے۔سیول اور ڈینٹل اسسٹنٹ سرجن میں سال 2005 تا 2011 کے درمیان سب سے زیادہ تقررات سال 2011 میں ہوئے جن میں کل 13 مسلمان یعنی 4.59 فیصد کا تقرر ہوا۔اس سال BC-E زمرے کے تحت مسلمانوں کی نمائندگی 3.53 فیصد رہی جبکہ BC-B زمرے کے تحت 0.70 فیصد اور عام زمرے کے تحت 0.35 فیصد رہی۔جبکہ سال 2007 میں سب سے کم یعنی صرف 9 افراد کا مختلف طبقات سے تقرر ہوا اور اس سال مسلمانوں کی نمائندگی سیول اور ڈینٹل اسسٹنٹ سرجن کے عہدوں پر صفر رہی۔جیسا کہ ہم جانتے ہے کہ مسلمانوں کو BC-E زمرے کے تحت سال 2006-07 سے 4 فیصد تحفظات دیئے جارہے تھے۔اسکے باوجود سال 2006 تا 2008 تک ان عہدوں پر BC-E

زمرے میں مسلمانوں کی نمائندگی صفر رہی جسکی وجہ سے سال 2006 تا 2008 تک مسلمانوں کی نمائندگی 2.10 فیصد سے زائد نہیں ہے۔اور اگر تحفظات سے قبل یعنی سال 2005 کا جائزہ لیں تو اس سال کل 104 افراد مختلف طبقات سے تقرر ہوئے۔ جس میں صرف ایک ہی مسلمانو ں کا تقر ر ہوا جو صرف 0.96 فیصد ہے۔ جبکہ 2011 میں کل 13 مسلمانوں کا تقرر رہوا۔جسکے بدولت مسلمانوں کا فیصد بڑھ کر 4.55 ہو گیا۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو تحفظات سے پہلے 2005 میں جہاں صرف 0.96 فیصد نمائندگی مل پارہی تھی وہیں 2011 میں تحفظات کے بدولت یہ فیصد بڑھ کر 4.59 ہو گیا۔اس سے مسلمانوں کیلئے تحفظات کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جدول 6.23:APIMS میں سیول اسسٹنٹ سرجن اور ڈینٹل اسسٹنٹ سرجن کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2005 تا 2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S.No
0.96	01	00	01	--	08	05	18	13	09	24	27	104	2005	1
2.09	03	01	02	00	16	06	23	14	10	40	34	143	2006	2
00	00	00	00	00	02	01	01	01	01	02	01	09	2007	3
2.08	01	01	00	00	08	01	09	04	03	14	09	48	2008	4
4.59	13	02	01	10	36	03	62	36	19	40	77	283	2011	5
3.06	18	04	04	10	70	16	113	68	42	120	148	587	جملہ	6

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2005 to 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.19

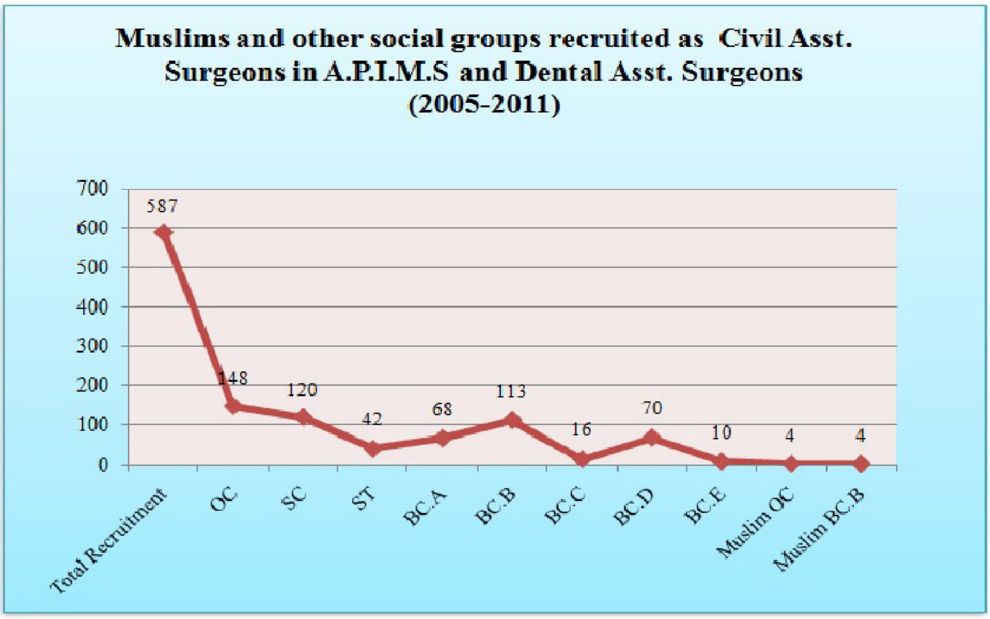

13۔ چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹرز اور چائلڈ ہومس میں سپرنٹنڈنٹس کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Asst Directors in Child Development Project Officer and Superintendents in Children Homes

چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹرز اور چائلڈ ہومس میں سپرنٹنڈنٹس میں سال 2004، 2011 اور 2012 میں ہوئے تقررات میں مسلم نمائندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان تینوں سال میں کل 194 افراد کا تقرر ہوا جن میں سے جملہ 4.12 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔BC-E زمرے کے تحت 3.09 فیصد اور عام زمرے کے تحت 1.09 فیصد مسلمانوں کا تقرر ان عہدوں پر ہوا جبکہ BC-B زمرے کے تحت کسی مسلم کا تقرر نہیں ہوا۔

اگر ہم تحفظات سے پہلے اور بعد کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ تحفظات سے قبل یعنی سال 2004 میں کسی بھی مسلمان کا چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفیسر اور چائلڈ ہومس میں سپرنٹنڈنٹس کی حیثیت سے تقرر نہیں ہوا جبکہ اس سال کل 33 افراد ان عہدوں پر مختلف طبقات سے تقرر ہوئے تھے۔تحفظات کے بدولت مسلمانوں کی نمائندگی سال 2011 اور 2012 میں 5 فیصد رہی۔ان عہدوں پر BC-E زمرے کے تحت قریب قریب 4 فیصد مسلمانوں کے تقررات عمل

میں آئے جبکہ ایک فیصد عام زمرے کے تحت مسلمانوں کا تقرر ہوا۔اس طرح مسلمانوں کی نمائندگی جہاں تحفظات سے قبل صفر تھی وہیں تحفظات کی وجہ سے 5 فیصد ہوگئی۔حسب ذیل جدول 6.24 میں اسکی تفصیل دی گئی ہے۔

جدول 6.24: چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹرز اور چائلڈ ہومس میں سپرنٹنڈنٹ کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2004، 2011 اور 2012)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S. No
00	00	00	00	--	04	00	05	05	02	07	10	33	2004	1
05	03	00	01	02	05	03	13	07	02	13	15	60	2011	2
4.95	05	00	01	04	19	01	18	12	10	16	21	101	2012	3
4.12	08	00	02	06	28	04	36	24	14	36	46	194	جملہ	4

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2004, 2011 & 2012 provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف: 6.20

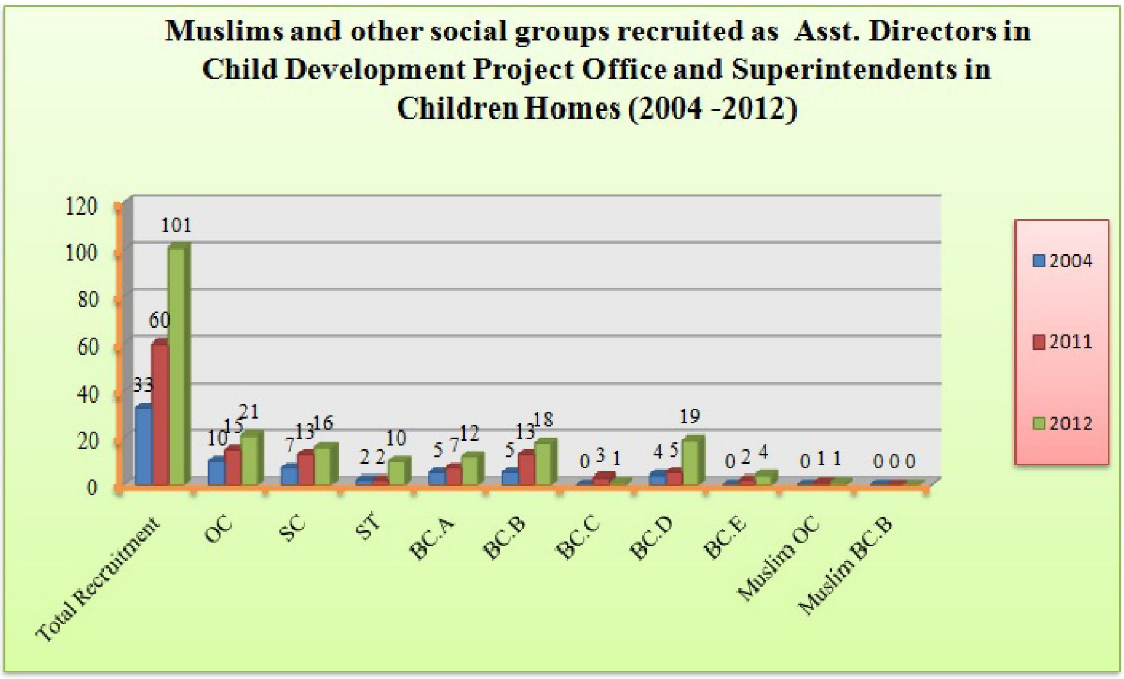

14۔ فاریسٹ رینج آفیسر اوراسسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹ کے تقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Forest Range Officer and Assistant Conservation of Forest

فاریسٹ رینج آفیسر اوراسسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹ میں کے تقررات میں سال 2004، 2007 اور 2011 میں جملہ 227 افراد کا تقرر رہا جن میں BC-E زمرے کے تحت 3 مسلمانوں کا تقرر رہا جو 1.08 فیصد ہے۔ عام زمرے کے تحت 0.72 فیصد اور BC-B کے تحت 0.44 فیصد افراد کا تقرر ہوا۔ اس طرح سال 2004، 2007 اور 2011 میں صرف 2.64 فیصد مسلمانوں کا تقرر رہا ہے۔

سال 2004 میں کوئی بھی مسلمان کا بہ حیثیت فاریسٹ آفیسر تقرر نہیں ہوا۔ سال 2007 میں جملہ 36 افراد کا تقرر مختلف طبقات سے ہوا، جن میں ایک مسلمان کا عام زمرے کے تحت تقرر رہا اور ایک کا تحفظات کے تحت BC-E زمرے میں تقرر رہا۔ اس طرح اس سال جملہ 5.55 فیصد مسلم افراد کا تقرر رہا۔ سال 2011 میں سال 2007 کے مقابلے میں 68 زائد افراد کا تقرر رہا جن میں کل 4 مسلمانوں کا تقرر بہ حیثیت فاریسٹ رینج آفیسر اوراسسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹ کے عہدوں پر ہوا جو 3.84 فیصد ہے۔ جس کو حسب ذیل جدول میں بتلایا گیا ہے۔

جدول 6.25: فاریسٹ رینج آفیسر اوراسسٹنٹ کنزرویٹر آف فاریسٹ کے تقررات میں مسلم نمائندگی (2004 تا 2011)

Muslim %	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S. No
00	00	00	00	00	10	01	14	08	05	22	27	87	2004	1
5.55	02	00	01	01	06	00	10	04	02	14	12	36	2007	2
3.84	04	01	01	02	16	01	13	10	06	17	39	104	2011	3
2.64	06	01	02	03	32	02	37	22	13	53	78	227	Total	4

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2004,07 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.21

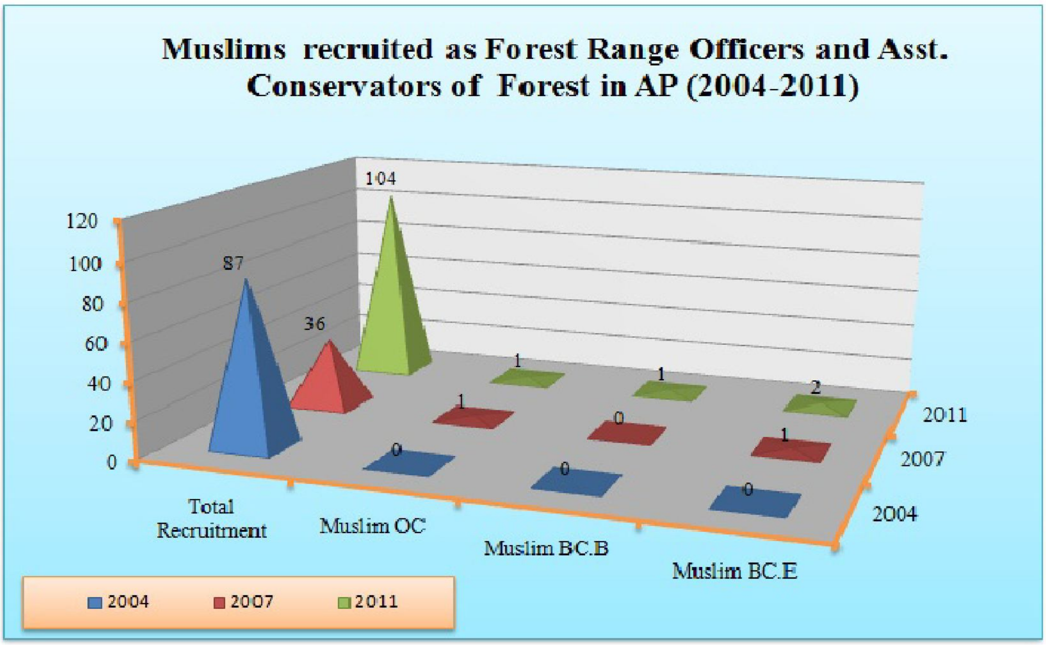

15۔ فشریزڈیولپمنٹ آفیسرزاوراسسٹنٹ انسپکٹرآف فشریزکےتقررات میں مسلم نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Fisheries Development Officers and Asst Inspector of Fisheries

محقق نے APPSC کی جانب سے کئے گئے فشریز ڈیولپمنٹ آفیسرزاوراسسٹنٹ انسپکٹرآف فشریز کے تقررات سال 2007اور 2011 کا جائزہ لیا۔اس کے مطابق سال 2007 میں کل 14افرادمختلف طبقات سے تقرر ہوئے جس میں 2 مسلمانوں کاتحفظات کےتحت BC-E زمرے میں تقرر ہوا جبکہ عام زمرے اور BC-B زمرے کےتحت کسی مسلمان کااس عہدے کیلئے تقرر نہیں ہوا۔اس سال مسلمانوں کومقررکردہ کوٹے سے زیادہ نمائندگی ملی ہے۔ سال 2011 میں بھی مسلمانوں کی تعداد 2 ہی تھی مگراس بارایک کا BC-E زمرے کےتحت اورایک کا عام زمرے کے تحت تقرر ہوا۔سال 2007 اور 2011 میں جملہ 66 افرادمختلف طبقات سے تقرر ہوئے۔جن میں مسلمانوں کی نمائندگی 6.06 فیصدرہی۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ 4 فیصد تحفظات کی وجہ سے مسلمانوں کی نمائندگی حکومت کے مختلف محکموں واداروں میں ہوپائی ہے۔جسکی تفصیل جدول 6.26 میں دی گئی ہے۔

جدول6.26:فشریز ڈیولپمنٹ آفیسرز اور اسسٹنٹ انسپکٹر آف فشریز کے تقررات میں مسلم نمائندگی۔ 2007اور2011

Muslim %	Total Muslim	Muslim BCE	Muslim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Recruitment Year	S. No
14.28	02	00	00	02	02	00	01	06	02	01	00	14	2007	1
3.84	02	00	01	01	09	03	09	05	03	09	13	52	2011	2
6.06	04	00	01	03	11	03	10	11	05	10	13	66	Total	3

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2007 & 2011, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.22

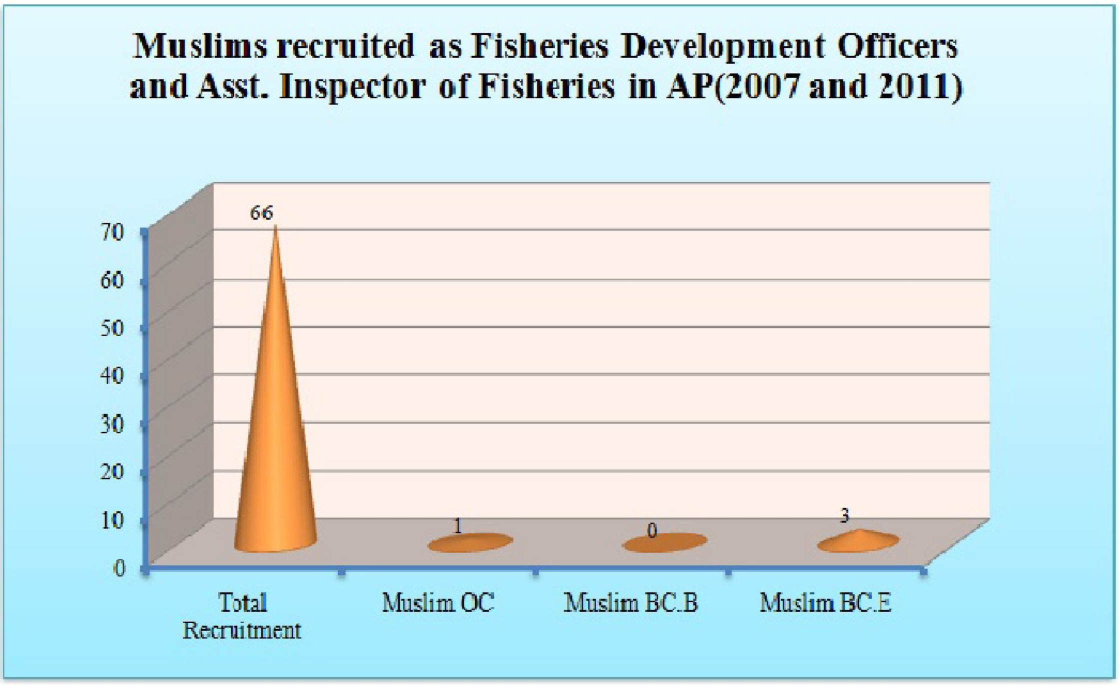

16۔ اسسٹنٹ موٹروہیکل انسپکٹر کےتقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی

Muslim Representation in the Recruitment of Assistant Motor Vehicle Inspector

آندھراپردیش پبلک سرویس کمیشن کی جانب سےسال2004 تا2012 کےدوران اسسٹنٹ موٹروہیکل انسپکٹر کےعہدے پرکل258 افرادکاتقررعمل میں آیاجن میں سے16 افرادمسلم طبقے سےتعلق رکھتے تھےجوکل6.20 فیصد ہے یہ فیصدصرف دوسال2008 اور2012 میں ہوئےمسلم افراد کےتقررات کاہے۔کیونکہ سال2004 میں جملہ 34افراد مختلف طبقات سےتقررہوئے تھےپراس سال کسی بھی مسلمان کااسسٹنٹ موٹروہیکل انسپکٹر کی حیثیت سےتقررنہیں ہوا۔ اس کے بعد سال 2008 میں کل 173 افراد کا تقرر ہوا تھا جس میں سے 13 مسلمانوں کا اس عہدے پرتقرر ہوا۔ 11 مسلمان کاBC-E زمرے کےتحت اور2 مسلمان کاعام زمرے کےتحت تقررہوا۔اس طرح اس سال مسلم نمائندگی 7.51 فیصدرہی۔پرسال2012 میں جملہ 51افرادہی مختلف طبقات سےتقررہوئے4 فیصدتحفظات کے باوجوداس سال اس عہدے پر BC-E زمرے کے تحت اور عام زمرے کے تحت کوئی مسلمان کا تقررنہیں ہوا۔صرف BC-B زمرے کےتحت اس عہدے پرمسلم طبقے سےتعلق رکھنےوالے تین افرادکاتقررہوا۔اس طرح تحفظات ہونے کے باوجودبھی کوئی مسلمان اس زمرے میں تقررکے لئے اہل نہیں پایاگیا۔جسکوحسب ذیل جدول میں دیکھ سکتے ہیں۔

جدول6.27:اسسٹنٹ موٹروہیکل انسپکٹر کےتقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی2004 تا2012

% of Muslim	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim OC	BC.E	BC.D	BC.C	BC.B	BC.A	ST	SC	OC	Total Recruited	Recruited Years	S. No
00	00	00	00	--	07	00	04	05	03	04	11	34	2004	1
7.51	13	00	02	11	28	00	28	18	13	35	40	173	2008	2
5.88	03	03	00	00	02	00	07	06	05	17	14	51	2012	3
6.20	16	03	02	11	37	00	39	29	21	56	65	258	Total	4

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2004,08 & 2012, provided by the Andhra Pradesh Public Service Commission (APPSC), Hyderabad.

گراف:6.23

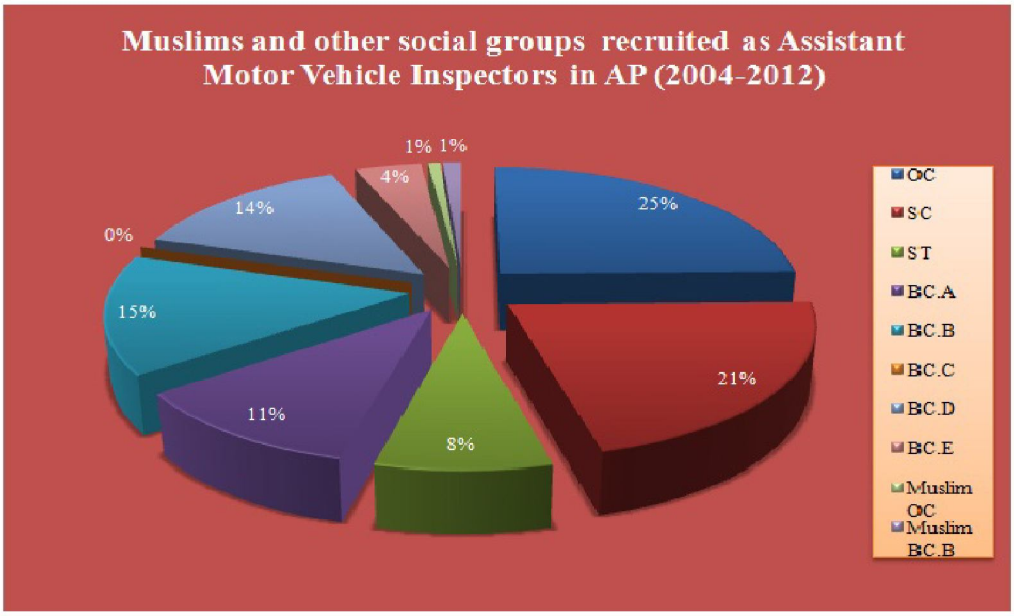

17۔ تحفظات سے قبل اور مابعد APPSC کے ذریعہ کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کا تقابلی تجزیہ

Comperative Analysis of Muslims Recruited by APPSC before and after Reservation

ریاست آندھرا پردیش پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ریاستی حکومت کے مختلف شعبوں ومحکموں میں کئے گئے تقررات میں محقق نے چنندہ شعبوں ومحکموں میں BC.E تحفظات سے قبل اور مابعد یعنی سال 2004 تا 2012 تک کے تقررات میں مسلمانوں کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔

تحفظات سے پہلے سال 2004 تا 2005 میں APPSC کے ذریعہ چنندہ شعبوں میں کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی کے جائزہ کے مطابق گروپ II سرویس میں 2.25 فیصد مسلم افراد کا تقرر ہوا۔ جن میں سے عام زمرے کے تحت 1.5 فیصد اور BC.B کے تحت 0.75 فیصد مسلمانوں کا تقرر رہوا۔ اسی طرح اسسٹنٹ ایگزیکیٹو انجینئر ز میں کل 2.22 فیصد مسلمانوں کا تقرر رہوا۔ سیول اسسٹنٹ سروجن اور ڈینٹل اسسٹنٹ سرجن کے عہدوں پر صرف 0.96 فیصد مسلمانوں کی نمائندگی دیکھی گئی۔ جبکہ اسسٹنٹ موٹر وہیکل انسپکٹر چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر ز اور چائلڈ ہومس میں سپرنٹنڈنٹس اور شہری اور دیہی منصوبہ بندی خدمات میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے

تقررات میں مسلم نمائندگی صفر ہے۔

اس طرح تحفظات سے پہلے APPSC کے مختلف عہدوں میں کل 1957 تقررات عمل میں آئے جن میں مسلمانوں کی تعداد 41 رہی جو 2.09 فیصد ہے۔جن میں سے عام زمرے کے تحت 25 مسلمان جس کا فیصد 1.27 ہے اور BC.B کے تحت کل 16 مسلمانوں کا تقرر ہوا جو 0.81 فیصد ہے۔

جبکہ تحفظات کے بعد سال 2006 تا 2012 کے درمیان مسلمانوں کی نمائندگی مختلف عہدوں جیسے گروپ II سرویس اور اسسٹنٹ ایگزیکیٹو انجینئرز میں بالترتیب 4.27 فیصد اور 4.59 فیصد رہی۔اسسٹنٹ موٹر وہیکل انسپکٹر میں مسلمانوں کی نمائندگی 7.14 فیصد رہی اور چائلڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ آفس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹرز اور چائلڈ ہومس سپرنٹنڈنٹس کے عہدے پر مسلمانوں کا فیصد 5 فیصد رہا اور سیول اسسٹنٹ سرجن اور ڈینٹل سرجن کے عہدوں پر مسلمانوں کا فیصد 3.5 فیصد ہے۔اسطرح تحفظات کے بعد سال 2006 تا 2012 تک APPSC میں چنندہ شعبوں میں کل 8586 تقررات مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا ہوا۔جن میں کل 387 مسلمانوں کا تقرر جو 4.50 فیصد ہے۔اس طرح عام زمرے کے تحت 0.68 فیصد، BC.B کے تحت 0.55 فیصد اور BC.E کے تحت 3.26 فیصد مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔APPSC کے چنندہ شعبوں میں قبل اور مابعد تحفظات یعنی سال 2004 تا 2012 کے ان دس سالوں میں کل 10.543 افراد مختلف طبقات سے تقرر ہوئے اس میں مسلمانوں کی تعداد 428 رہی جو 4.05 فیصد ہے۔جن میں عام زمرے کے تحت 84 جسکا فیصد 0.79 ہے اور BC. B زمرے کے تحت 64 مسلم افراد کا تقررا ہوا جو 0.60 فیصد ہے۔جبکہ 2006 سے تحفظات ملنے کے بعد کل 280 مسلم افراد کے تقررات BC.E زمرے کے تحت ہوئے جو 2.65 فیصد ہے۔

اس تجزیہ سے یہ پتہ چلتا ہیکہ جہاں تحفظات سے پہلے مسلمانوں کی نمائندگی مختلف جائیدادوں میں صرف 2 فیصد تھی اور چند شعبوں میں تو انکی نمائندگی صفر تھی وہیں تحفظات کے بدولت مسلمانوں کی نمائندگی تمام عہدوں میں 4 فیصد سے زائد ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تحفظات ملنے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی فائدہ ہوا ہے۔جہاں مسلمانوں کی نمائندگی نہ کہ برابر تھی آج تحفظات کی بدولت کم سے کم 4 فیصد حصہ یقینی طور پر مل رہے ہیں۔یہاں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تحفظات کے بعد مسلمانوں کی نمائندگی عام زمرے میں برائے نام ہے۔اس وجہ سے تحفظات کے باوجود

سلمانوں کی مجموعی نمائندگی سرکاری جائیدادوں میں انکے آبادی کے لحاظ سے بہت کم ہے۔

جدول6.28: تحفظات سے قبل اور مابعد APPSC کے ذریعہ کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی (2004 تا2012)

% of Muslim	Muslim Total	Muslim BC.B	Muslim OC	BC.E	Total Recruited	Year	Post of APPSC	S. No
2.25 4.27	27 79	09 06	18 03	-- 70	1195 1850	2004 2008 to2011	Group- II Services	1
2.22 4.59	13 266	07 35	06 49	-- 182	585 5787	2004 2006 to 2011	Assistant Executive Engineers	2
00 7.14	00 16	00 03	00 02	-- 11	34 224	2004 2008 &2012	Assistant Motor Vehicle Inspector	3
00 5	00 08	00 00	00 02	-- 06	33 161	2004 2011 & 2012	Asst. Directors in Child Development Project Officer and Superintendents in Children Homes	4
0.96 3.5	01 17	00 04	01 03	-- 10	104 483	2005 2006 to 2011	Civil Asst. Surgeons in A.P.I.M.S and Dental Asst. Surgeons	5
00 1	00 01	00 00	00 00	-- 01	06 81	2004 2008 to 2012	Asst. Director in Town and Country Planning Service	6
2.09	41	16	25	--	1957	2004 to 2005	Before Reservation	7
4.50	387	48	59	280	8586	2006 to 2012	After Reservation	
4.05	428	64	84	451	10543	2004 to 2012	Total	8

گراف:6.24

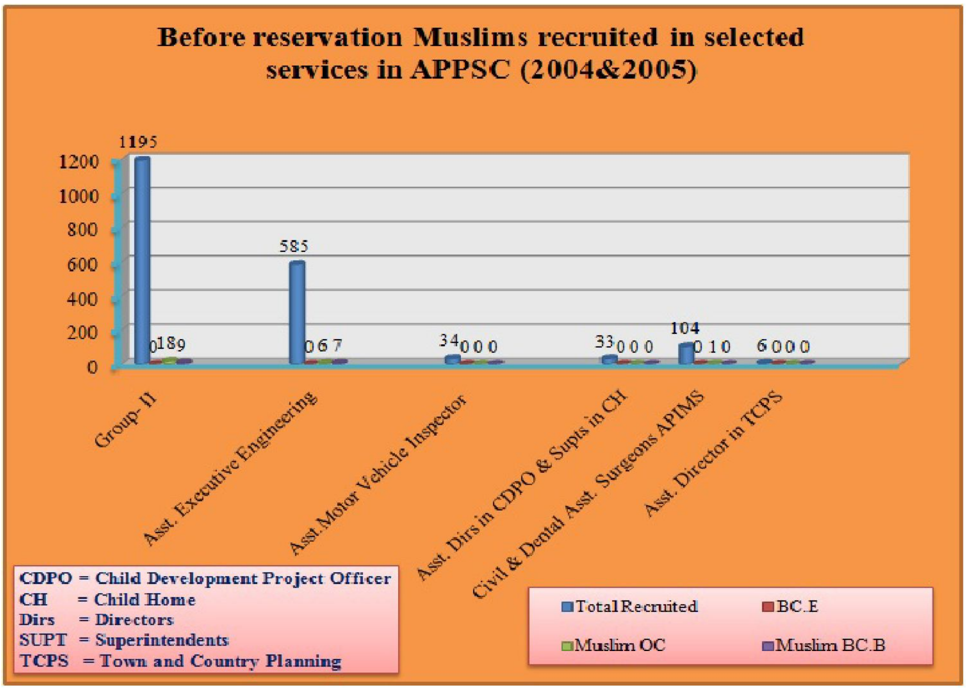

گراف:6.25

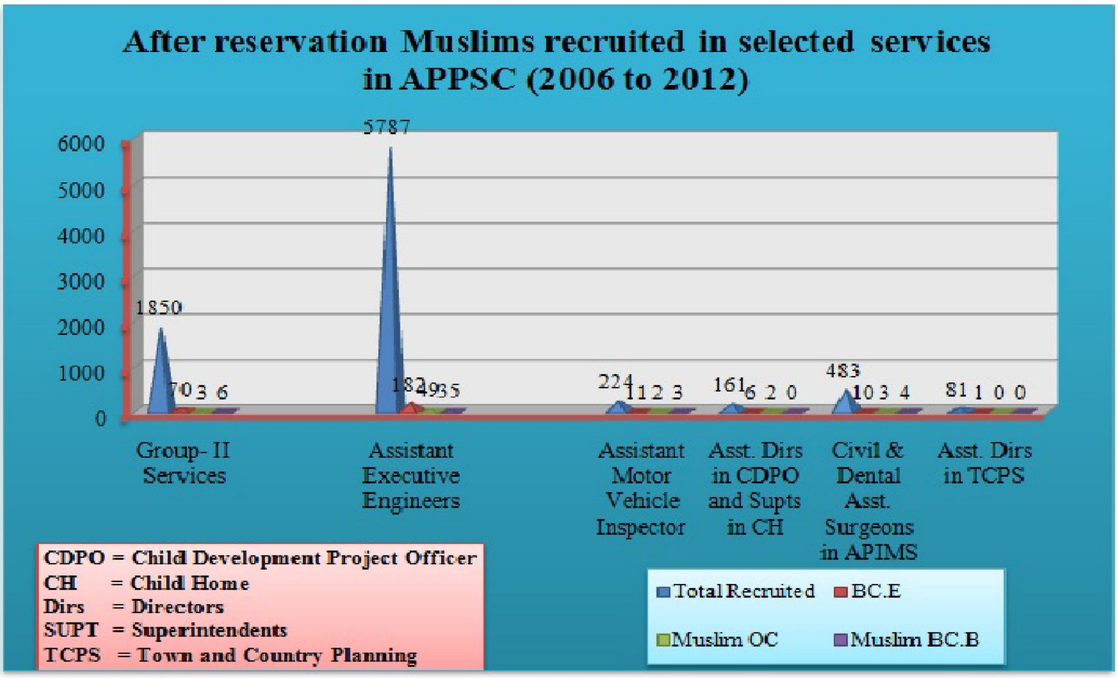

II۔ پولیس فورس میں مسلمانوں کی نمائندگی

محکمہ پولیس ایک اہم اور حساس شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کی نمائندگی کافی اہمیت کی حامل ہے۔عموماً اقلیتی طبقات کو پولیس زیادتی اور جانبدار رویہ کی شکایت رہتی ہے۔اس احساس کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اقلیتی طبقات کو بھی پولیس فورس میں متناسب نمائندگی دی جائے۔اس ضمن میں ریاست آندھراپردیش کے پولیس شعبہ میں مختلف زمرات میں مسلم نمائندگی کا خاص کر مسلم تحفظات کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔

اس کے لئے آندھراپردیش پولیس رکروٹمنٹ بورڈ کے ذریعہ مختلف زمرات جیسے (SCT Police Constable (Civil)، SCT Police Constable (APSP)، SCT Police (AR) Constable اور SCT SI & SCT RSI (Civil)، SCT SI & SCT RSI (AR) اور SCT SI & SCT RSI (APSP) وغیرہ کا مواد حاصل کیا گیا ہے۔اور مسلم تحفظات سے قبل اور مسلم تحفظات کے ملنے بعد انکی نمائندگی کا تقابل کیا گیا جسکی تفصیلات حسب ذیل ہے۔

1۔ SCT Police Constable (Civil) میں مسلمانوں کی نمائندگی

آندھراپردیش پولیس بورڈ کے تحت 2002 سے 2012 تک SCT پولیس کانسٹبل (Civil) کا جائزہ لیا گیا ہے اس دوران چھ بار تقررات کئے گئے جس میں کل 21695 لوگوں کو بطور سے Police Constable تقرر کیا گیا۔اس میں 1325 یعنی 6.1 فیصد مسلم ہیں۔2002 سے 2006 تک کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کا فیصد بالترتیب 5.29، 6.28 اور 3.28 رہا یعنی تینوں تقررات میں مسلمانوں کا فیصد کل ملکر 4.94 فیصد رہا۔جبکہ 2008 سے BC-E کے تحت تحفظات ملنے کے بعد مسلمانوں کا اوسطاً 2008 میں 5.9 فیصد، 2011 میں 6.1 فیصد اور 2012 میں 7.9 رہا۔مجموعی طور پر تینوں تقررات ملا کر یہ 6.4 فیصد رہا۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحفظات سے مسلمانوں کو مجموعی طور پر فائدہ ہوا ہے یعنی پچھلے تین تقررات میں مسلمانوں کے اوسطاً تقررات کا اوسط 4.9 فیصد رہا جبکہ 2008 کے بعد کے تین تقررات میں اسکا فیصد 6.4 رہا۔اس سے یہ پتہ چلتا ہیں کہ نہ صرف BC-E زمرے کے تحت 4 فیصد تقررات یقینی طور پر ملے بلکہ عام زمرے اور BC-B زمرے کے تحت بھی مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا ہے۔جسکی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول6.29: ریاست آندھرا پردیش میں پولیس کانسٹبل (سیول) کیلئے منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2002 تا 2012)

Mus lim %	Total Mus lim	Mus lim BC	Mus lim Gen OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candi date	Year	S. No
5.29	70	21	49	00	246	17	271	168	147	256	217	1322	2002	1
6.28	75	12	63	0	92	10	126	83	64	167	652	1194	2003	2
3.98	86	33	53	00	511	15	563	266	132	389	280	2156	2006	3
5.9	474	79	26	369	1745	49	1669	1132	746	1539	662	7911	2008	4
6.1	354	64	12	278	1428	20	1231	815	578	1027	405	5782	2011	5
7.9	266	37	73	156	577	36	664	454	616	748	79	3330	2012	6
6.1	1325	246	276	803	4599	147	4524	2918	2283	4126	2295	21695	جملہ	7

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2002 to 2012, provided by the State level police recruitment board Andhra Pradesh (SLPRIBAP), Hyderabad.

گراف:6.26

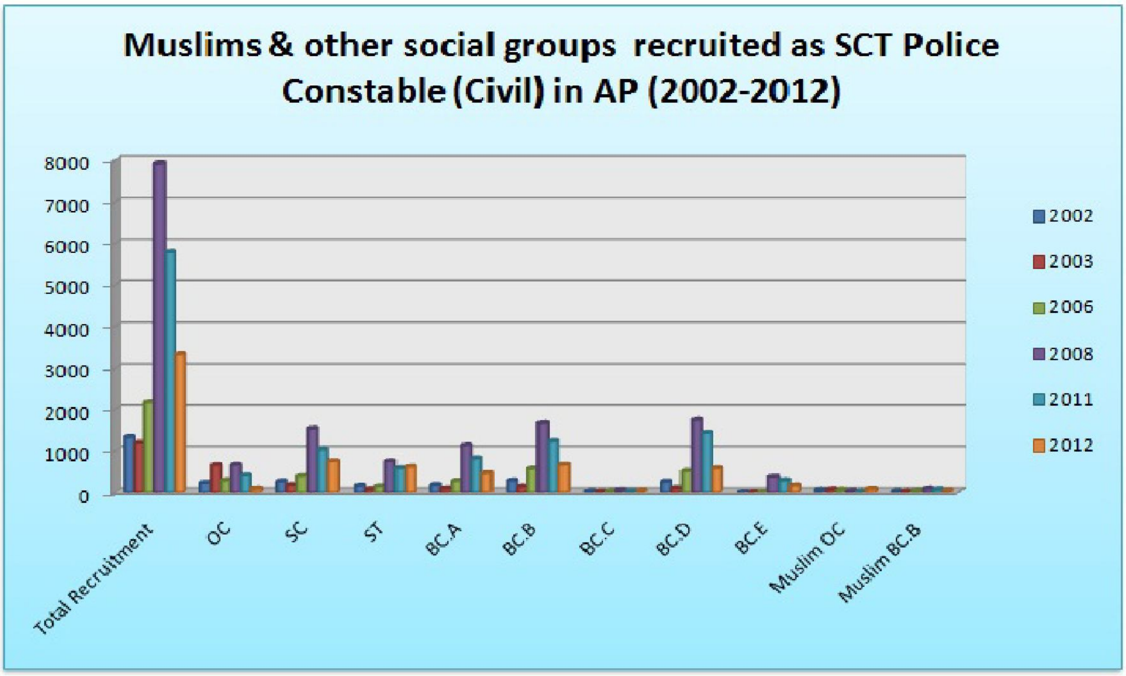

2۔ SCT Police Constable (AR) میں مسلمانوں کی نمائندگی

SCT Police Constable (AR) میں سال 2002 سے 2012 تک کل 6822 افراد کا بطور تقرر کیا گیا جس میں SCT Police Constable(AR) 439 یعنی 6.4 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ سال 2002 سے سال 2006 کے درمیان تین بار تقررات کئے گئے جن میں مسلمانوں کا فیصد بالترتیب 6.9، 31.67 اور 3.22 فیصد رہا یعنی تینوں تقررات کا مجموعی فیصد 8.67 رہا۔ جبکہ سال 2008 سے BC-E زمرے کے تحت تحفظات ملنے کے بعد مسلمانوں کا اوسط 2008 میں 4.4 فیصد، 2011 میں 3.66 فیصد اور 2012 میں 22.49 فیصد رہا۔ مجموعی طور پر ان تینوں تقررات کا فیصد کل ملا کر 6.10 فیصد رہا۔ پچھلے تین تقررات میں مسلمانوں کا اوسط 8.67 فیصد رہا اسکی وجہ خاص کر 2003 میں غیر معمولی طور پر مسلمانوں کا 31 فیصد رہا۔ امیدواروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ جبکہ سال 2008 تا 2012 کے درمیان کے تین تقررات میں مسلمانوں کے اوسط 6.10 فیصد ہی رہا۔ سال 2008 اور سال 2011 میں تحفظات ملنے کے باوجود مسلمانوں کا فیصد چار فیصد سے بھی کم رہا جبکہ سال 2012 میں مسلمانوں کے تحفظات سے بڑھ کر یعنی چار فیصد سے بڑھ کر تقرر ہوئے۔ BC-E زمرے کے تحت ہی نہیں بلکہ عام زمرے میں اور BC-B زمرے کے تحت بھی مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا ہے جس کو حسب ذیل جدول میں دیا گیا ہے۔

جدول 6.30: SCT Police Constable (AR) میں مسلمانوں کی نمائندگی

% of Muslim	Total Muslim	Muslim BC	Muslim Gen	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candidate	Year	S. No
6.9	16	07	09	--	44	01	45	27	45	46	23	231	2002	1
31.69	51	00	51	--	07	00	07	10	04	13	120	161	2003	2
3.22	23	11	12	--	170	03	153	97	42	131	118	714	2006	3
4.4	134	38	22	74	754	07	561	354	233	606	434	3023	2008	4
3.66	76	27	01	48	648	00	403	306	111	352	207	2075	2011	5
22.49	139	01	04	134	81	12	20	66	56	234	15	618	2012	6
6.4	439	84	99	256	1704	23	1189	860	491	1382	917	6822	جملہ	7

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2002 to 2012, provided by the State level police recruitment board Andhra Pradesh (SLPRIBAP), Hyderabad.

گراف:6.27

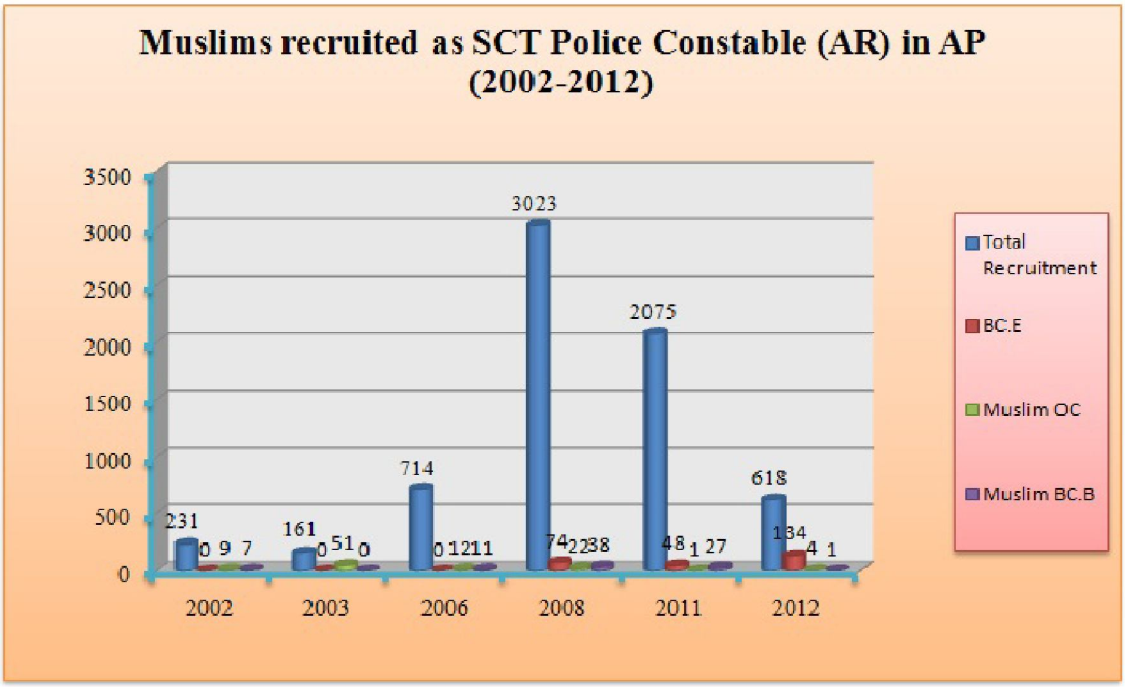

3۔ SCT Police Constable (APSP) میں مسلمانوں کی نمائندگی

سال 2002 سے 2012 تک کل 10328 افراد کا SCT Police Constable(APSP) میں تقرر کیا گیا۔ جن میں سے 553 یعنی 5.35 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ سال 2002 سے 2006 یعنی مسلمانوں کو BC-E تحفظات ملنے میں سے پہلے کل 311 مسلمانوں کا یعنی 4 فیصد تقرر ہوا۔ جبکہ سال 2008 تا سال 2012 کے درمیان تین تقررات ہوئے جن میں مسلمانوں کا تقرر سال 2008 میں 13.4 فیصد، 2011 میں 4.4 فیصد اور س ال 2012 میں غیر معمولی طور پر 91.4 فیصد رہا۔ اس سال تمام 35 جائیداد بی سی سی اور بی سی ای یعنی مسلم اور کرسچین اقلیتوں سے بھرتی کی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پولیس فورس میں تقررات میں اقلیتوں کی نمائندگی بڑھانے کی سنجیدہ کوشش کی جارہی ہے ۔

جدول 6.31: ریاست آندھرا پردیش میں SCT پولیس کانسٹبل (APSP) کیلئے منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات

(2002 تا 2012)

% of Mus lim	Total Mus lim	Mus lim BC	Mus lim Gen	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candi date	Year	S. No
4.7	34	13	21	--	131	07	129	97	70	161	127	722	2002	1
4.5	80	34	46	--	312	16	316	266	189	389	274	1762	2003	2
3.3	75	34	41	--	509	22	498	307	165	444	285	2230	2006	3
13.4	123	12	05	106	224	19	139	99	60	149	120	916	2008	4
4.4	209	28	08	173	1521	00	889	629	309	744	398	4663	2011	5
91.4	32	00	00	32	00	03	00	00	00	00	00	35	2012	6
5.35	553	121	121	311	2697	67	1971	1398	793	1887	1204	10328	جملہ	7

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2002 to 2012, provided by the State level police recruitment board Andhra Pradesh (SLPRIBAP), Hyderabad.

گراف: 6.28

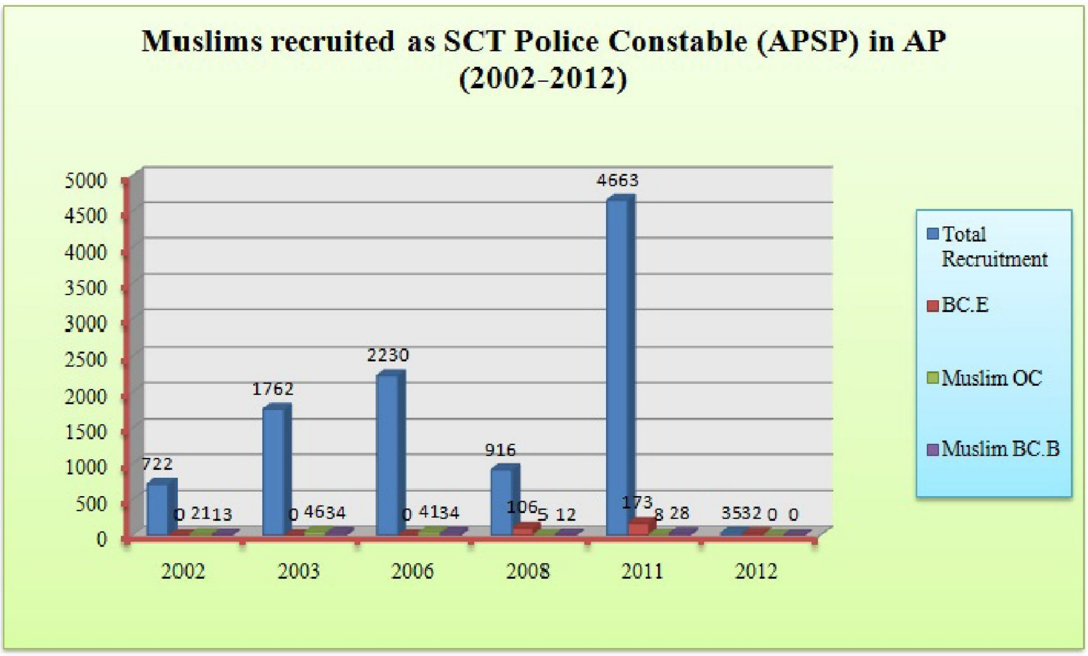

4۔ SCT SI and SCT RSI (Civil) میں مسلم نمائندگی

سال 2003 سے سال 2011 تک SCT SI اور (Civil) SCT RSI کے چار بار تقررات عمل میں آئے جن میں کل SI3600 Civil کے تقررات کئے گئے جن میں سے 156 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا جو 4.3 فیصد ہے۔ تحفظات سے قبل SCT SI اور SCT RSI میں مسلمانوں کا فیصد سال 2003 اور 2006 میں 3.5 فیصد اور 2.5 فیصد رہا یعنی ان دو سالوں کے تقررات میں مسلمانوں کا فیصد 3.01 رہا جبکہ BC-E زمرے کے تحت دئے گئے تحفظات کے بعد سال 2008 میں مسلمانوں کے تقررات کا فیصد 5.5 رہا یعنی اس سال BC-E زمرے کے تحت مسلمانوں کو چار فیصد یقینی طور پر ملا اسکے علاوہ BC-B اور عام زمرے کے تحت بھی مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔ مگر وہی سال 2012 کے تقررات میں مسلمانوں کا فیصد 2.2 فیصد رہا۔ لیکن سال 2008 اور 2011 دو سالوں میں مسلمانوں کے تقررات کل ملا کر 4.64 فیصد رہا یعنی تحفظات ملنے کے بعد مسلمانوں کو مجموعی طور پر فائدہ ہوا ہے۔

جدول 6.32: ریاست آندھرا پردیش میں SI، SCT اور SCT RSI (Civil) کیلئے منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2003 تا 2011)

% of Muslim	Total Muslim	Muslim BC	Muslim Gen	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candidate	Year	S. No
3.5	11	02	09	00	80	00	70	35	14	33	77	309	2003	1
2.5	10	06	04	00	88	00	105	39	22	63	70	387	2006	2
5.5	118	18	02	98	459	21	476	255	126	340	363	2138	2008	3
2.2	17	01	00	16	237	00	197	72	43	105	96	766	2011	4
4.3	156	27	15	114	864	21	848	401	205	541	606	3600	جملہ	5

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2003 to 2011, provided by the State level police recruitment board Andhra Pradesh (SLPRIBAP), Hyderabad.

گراف:6.29

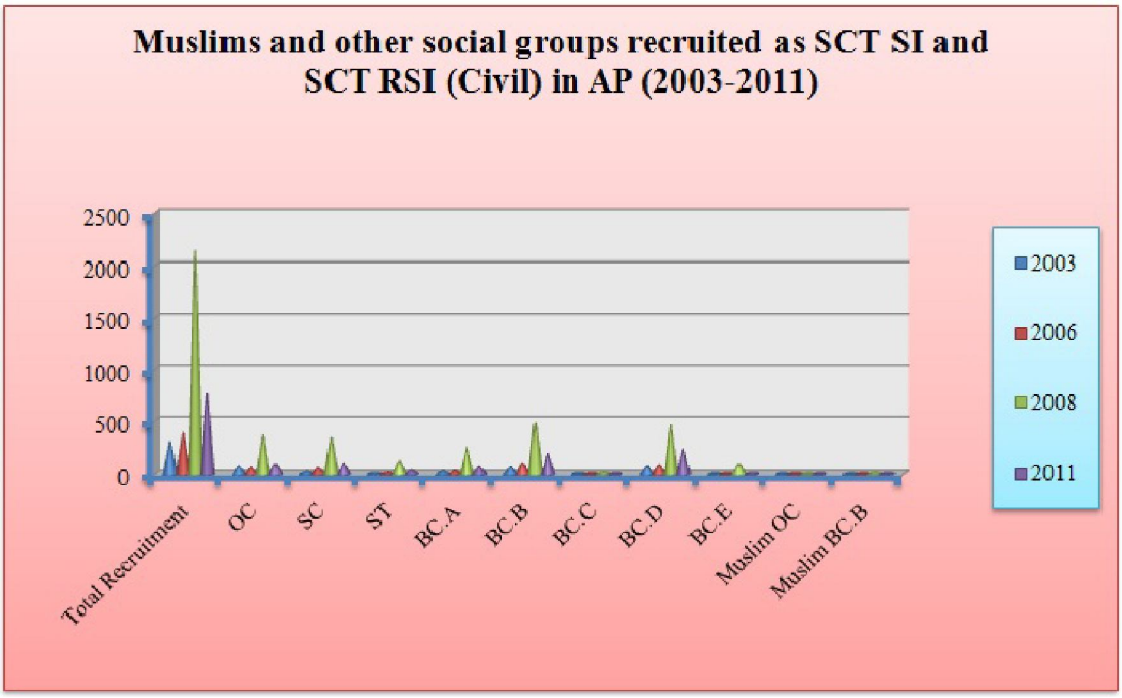

5۔ SCT RSI (AR) اور SCT SI میں مسلم نمائندگی

RSI (AR) اور SI میں سال 2003 تا سال 2011 کے درمیان چار مرتبہ تقررات عمل میں آئے کل 528 افراد کا بطور SI (AR) اور RSI تقرر کیا گیا جس میں سے 22 یعنی 4.1 فیصد مسلم ہیں۔ سال 2003 میں کوئی مسلم بطور سے SI (AR) کا تقرر نہیں ہوا جبکہ سال 2006 میں 2 فیصد مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔ سال 2008 میں مسلمانوں کو BC-E زمرے کے تحت تحفظات ملنے کے بعد مسلمانوں کا اوسط 5.2 فیصد اور 2011 میں 4 فیصد رہا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہیکہ نہ صرف BC-E زمرے کے تحت 4 فیصد تقررات یقینی طور پر ملے اور اسکے علاوہ عام زمرے اور BC-B زمرے کے تحت بھی مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا ہے جسکی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 6.33: ریاست آندھرا پردیش میں SCT SI اور SCT RSI (AR) میں مسلم اور دیگر طبقات (2003 تا 2011)

%of Muslim	Total Muslim	Muslim BC	Muslim Gen	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candidate	Year	S. No
	00	00	00	00	13	01	08	02	04	06	08	42	2003	1
2	02	01	01	00	24	00	12	17	06	15	22	96	2006	2
5.2	18	04	01	13	82	01	69	34	25	55	61	340	2008	3
4	02	02	00	00	24	00	11	07	02	04	02	50	2011	4
4.1	22	07	02	13	143	02	100	60	37	48	93	528	جملہ	5

Source:Compiled from the selected candidates list/ Unit List for 2003 to 2011, provided by the State level police recruitment board Andhra Pradesh (SLPRIBAP), Hyderabad.

گراف: 6.30

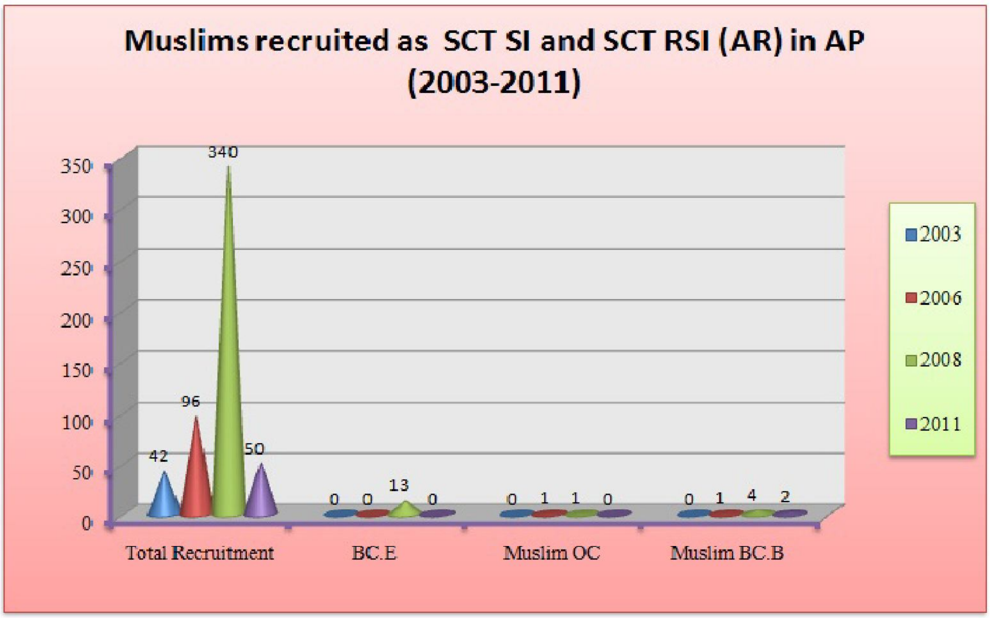

6۔ SCT RSI (APSP) اور SCT SI میں مسلمانوں کی نمائندگی

RSI (APSP) اور SI کے سال 2003 اور سال 2006 میں کل 404 تقررات عمل میں آئے جن میں سے 8 مسلمانوں کا تقرر ہوا یعنی 1.98 فیصد مسلمانوں کا بطور SI اور RSI(APSP) تقرر ہوا جبکہ سال 2008 اور سال 2011 کا جائزہ لیا جائے تو ان دو سالوں میں کل 329 تقررات کیے گئے جس میں 8 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا

جوان دوسالوں کے جملہ تقررات کا2.43 فیصد ہے۔

یعنی سال 2003 تا 2011 کے درمیان کل 733 تقررات کئے گئے جن میں سے صرف 16 مسلمانوں کا بطور SI اور RSI (APSP) تقرر ہوا یعنی صرف 2.1 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔اس طرح SI پوسٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی 4 فیصد بھی نہیں ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم طبقہ کی نمائندگی اعلیٰ سطحوں پر تحفظات کے باوجود بھی کم ہے۔جسکی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 6.34: ریاست آندھراپردیش میں SCT SI اور SCT RSI (APSP) میں مسلم اور دیگر طبقات (2003 تا 2011)

% of Muslim	Total Muslim	Muslim BC	Muslim OC	BC. E	BC. D	B C. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candidate	Year	S. No
1.2	03	00	03	00	37	01	16	15	06	16	27	262	2003	1
3.5	05	03	02	00	45	00	29	18	08	20	22	142	2006	2
3	03	00	00	03	28	01	10	07	23	11	16	99	2008	3
2.1	05	03	00	02	110	00	72	33	02	08	03	230	2011	4
2.1	16	06	05	05	220	02	127	73	39	55	68	733	جملہ	5

Source:Compiled from the Provisional Selection Lists from 2003 to 2011, provided by the State Level Police Recruitment Board Andhra Pradesh (SLPRBAP), Hyderabad.

گراف:6.31

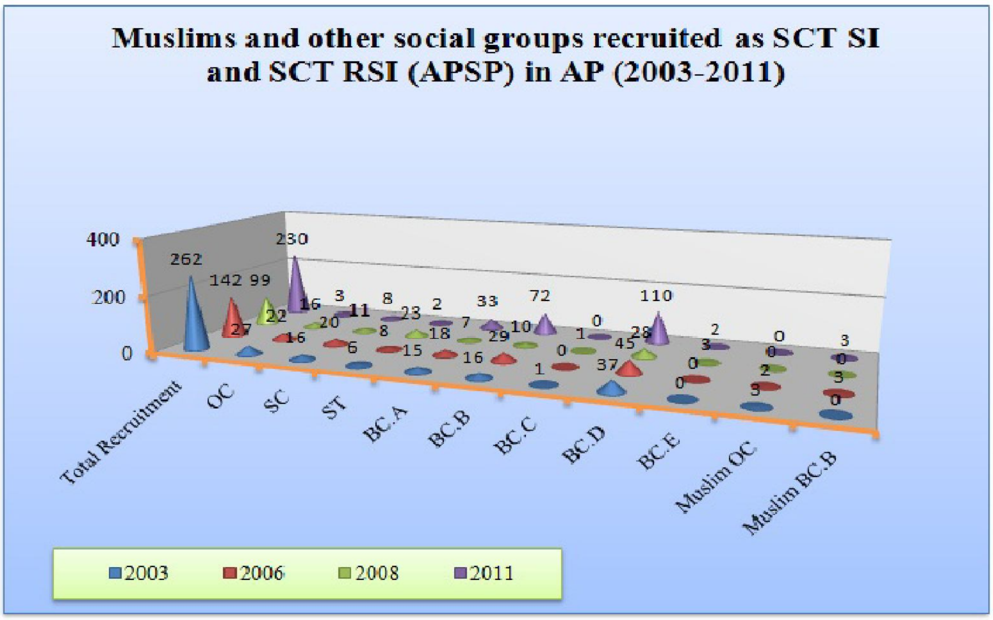

پولیس فورس میں مسلمانوں کی نمائندگی کے جائزہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نچلی سطح پر کہ پولیس کانسٹبل کے عہدوں پر مسلمانوں کی نمائندگی اطمینان بخش ہے جبکہ اعلیٰ سطح کے عہدوں میں مسلمانوں کی نمائندگی تشفی بخش نہیں ہے۔

III۔ تدریسی شعبہ میں مسلم نمائندگی

تعلیم و تدریس کے شعبہ میں مسلم طبقات کی نمائندگی کافی اہمیت رکھتی ہے۔ ریاست آندھراپردیش میں اسکول کے اساتذہ کا تقرر ضلع سطح کی DSC کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ان تقررات میں خاص کر یہ دیکھا گیا کہ اردو میڈیم اساتذہ اور اردو پنڈت جائیدادوں کے علاوہ دیگر جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کافی کم ہے۔مسلم تحفظات کے بعد تدریسی شعبہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کا جائزہ لینے کیلئے سال 2004 سے 2014 تک کا مواد اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس دس سالوں کے دوران صرف تین بار 2006، 2008 اور 2012 میں اساتذہ کے تقررات عمل میں آئے ہیں۔ان تقررات میں مختلف زمرجات جیسے سکنڈری گریڈ ٹیچر، اسکول اسسٹنٹ Language pandit اور Physical Education Teacher میں ضلع حیدرآباد میں کئے گئے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی کا جائزہ حسب ذیل ہیں۔

A۔ ضلع حیدرآباد میں سکنڈری گریڈ ٹیچرس کے جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی

ضلع حیدرآباد میں سکنڈری گریڈ ٹیچر (SGT) کے تقررات DSC کے تحت عمل میں آئے ہیں۔اس طرح سال 2006 میں SGT میں جملہ 115 افراد کے تقررات عمل میں آئے۔جن میں سے صرف 6 مسلمانوں کا تقرر رہا۔ عام زمرے میں 4 اور BC-B زمرے کے تحت 2 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔ جو 5.21 فیصد ہے جبکہ سال 2012 میں 2006 کے مقابلے میں تین گنا اضافی تقررات عمل میں آئے یعنی سال 2012 میں SGT میں کل 530 افراد کا تقرر ہوا جن میں سے 156 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا جسکا فیصد 29.4 ہے۔ عام زمرے کے تحت 18 مسلم طبقے کے افراد، BCB زمرے کے تحت 15 اور BC-E زمرے کے تحت 123 مسلم افراد کا تقرر عمل میں آیا۔

SGT میں سال 2008 میں بھی تقررات عمل میں آئے ہے لیکن اس سال ضلع حیدرآباد میں صرف 9 افراد کا ہی تقرر عمل میں آیا تھا۔ جن میں سے 5 مسلمان تھے۔ 2 عام زمرے کے تحت، ایک BCB زمرے کے تحت اور 2 کا BC-E کے تحت تقرر ہوا۔ اس طرح سال 2004 تا 2014 کے درمیان سکنڈری گریڈ ٹیچر کیلئے کل 654 افراد کا تقرر ہوا جن میں سے 167 مسلمان تھے۔ جن میں سے عام زمرے کے تحت 24، BCB زمرے کے تحت 18 اور BC-E زمرے کے تحت 125 افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ اس طرح 25.53 فیصد مسلم طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر عمل میں آئے۔ جس کو حسب ذیل جدول میں بتلایا گیا ہے۔ اس میں ضلع حیدرآباد کے اردو میڈیم اسکولوں کے جائیداد بھی شامل ہیں۔

جدول 6.35: ضلع حیدرآباد میں DSC کے تحت سکنڈری گریڈ ٹیچرس کے طور پر منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2006 تا 2012)

% of Mus lim	Total Mus lim	Mus lim BC.B	Mus lim OC	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC .A	ST	SC	OC	Total Recru itment	Recrui tment Year	S. No
5.21	06	02	04	00	10	00	24	06	13	16	21	115	2006	1
55.55	05	01	02	02	00	00	02	00	00	03	02	09	2008	2
29.4	156	15	18	123	24	03	24	09	05	38	28	530	2012	3
25.53	167	18	24	125	34	03	50	15	18	57	51	654	جملہ	4

Source:Compiled from the Provisional Selection List from 2006 tp 2012, provided by the Hyderabad District Education Office (DEO), Department of School Education, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad.

گراف:6.32

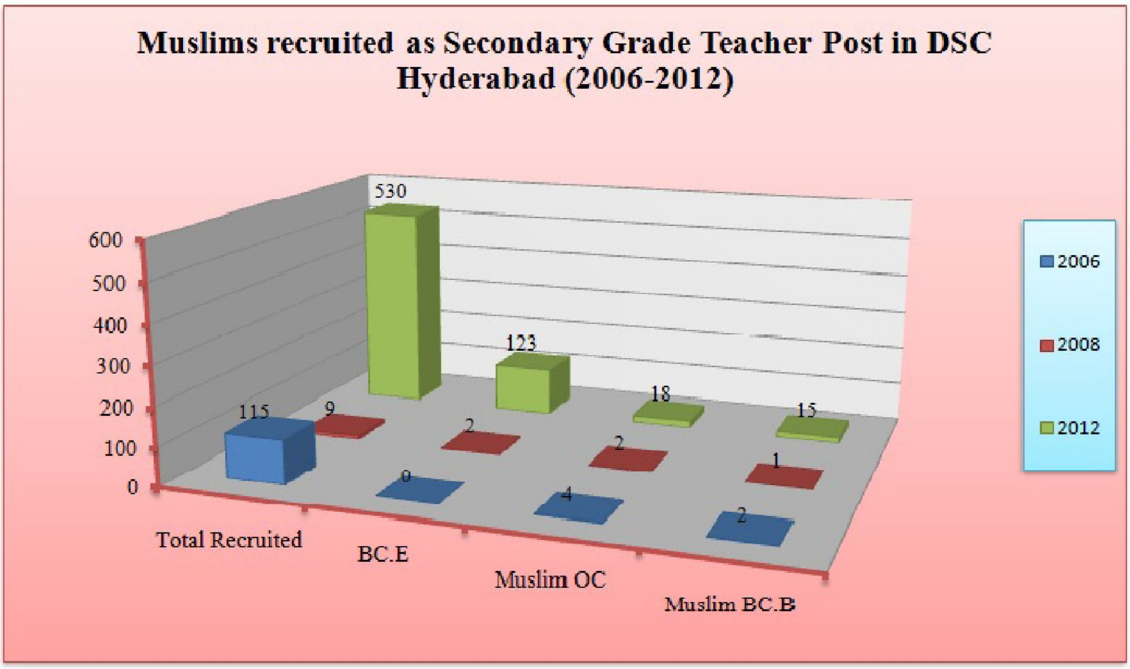

2۔ ضلع حیدرآباد میں School Assistant کے جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی

اسکول اسسٹنٹ میں سال 2004 تا 2014 میں کل 417 افراد کا بطور اسکول اسسٹنٹ کا تقرر عمل میں آیا جس میں کل 80 مسلم طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر ہوا جو 19.18 فیصد ہے۔ سال 2006، 2008 اور 2012 کے اسکول اسسٹنٹ کے تقررات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سال 2006 میں جملہ 126 افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ جن میں 30 مسلم افراد عام زمرے کے تحت منتخب ہوئے جبکہ صرف ایک مسلم کا تحفظات کے تحت BC-B زمرے میں تقرر ہوا۔ اسطرح ضلع حیدرآباد میں سال 2006 میں جملہ 31 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا جو 24.60 فیصد ہے۔ جبکہ سال 2008 میں DSC امتحانات کے تحت اسکول اسسٹنٹ کیلئے کل 130 افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ ان میں سے 21 مسلم طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد تھے۔ BC-E زمرے کے تحت اس سال 14 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ یعنی اس سال 16.15 فیصد مسلم طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ اور سال 2012 میں تمام طبقوں سے جملہ 161 افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ جن میں سے 28 مسلمانوں کا بہ حیثیت اسکول اسٹنٹ تقرر کیا گیا۔ یعنی اس سال 17.39 فیصد مسلم افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ یعنی سال 2008 کے مقابلے میں اس سال ایک

فیصدزائدمسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔اسکی تفصیل نیچے دئے گئے جدول میں دی گئی ہے۔

جدول 6.36: ضلع حیدرآباد میں DSC کے تحت اسکول اسسٹنٹ کی جائیدادوں پر
منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2006 تا 2012)

% of Mus lim	Total Mus lim	Mus lim BC.B	Mus lim OC	BC. E	BC .D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recru itment	Recru itment Year	S. No
24.60	31	01	30	00	08	05	13	05	01	15	45	126	2006	1
16.15	21	02	05	14	15	00	19	07	04	10	16	130	2008	2
17.39	28	03	05	20	20	03	27	13	10	15	22	161	2012	3
19.18	80	06	40	34	43	08	59	25	15	40	83	417	جملہ	4

Source:Compiled from the Provisional Selection List from 2006 to 2012, provided by the Hyderabad District Education Office (DEO), Department of School Education, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad.

گراف 6.33:

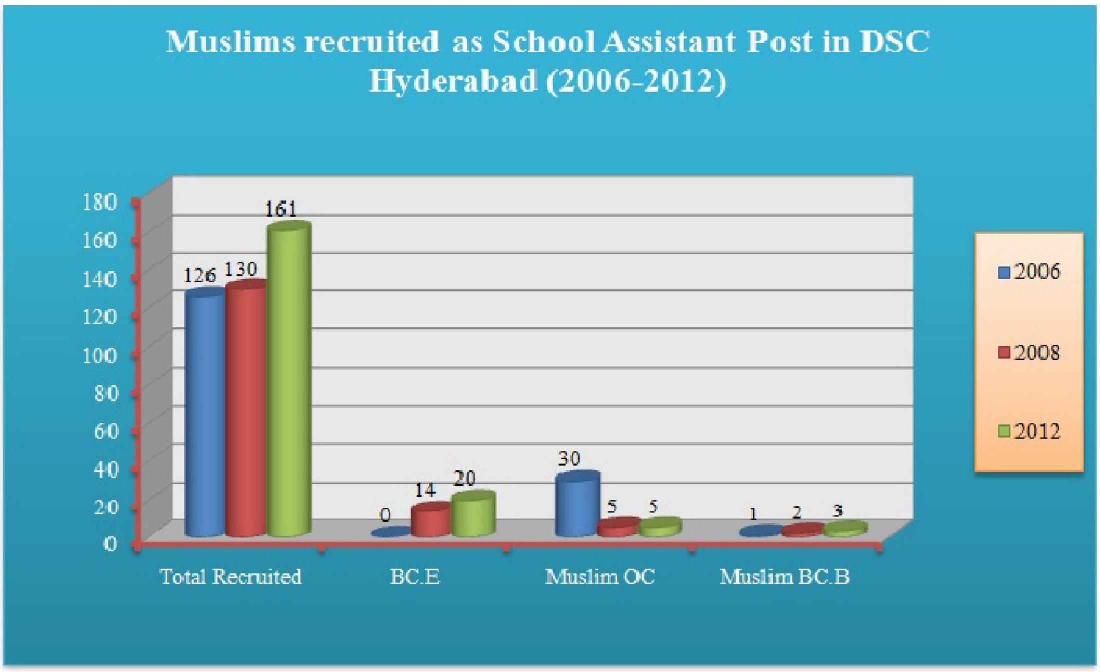

3۔ ضلع حیدرآباد میں Language Pandit اور Physical Education Teacher کے جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی

سال 2004 تا 2014 کے درمیان لینگویج پنڈت کے جائیدادوں کیلئے جملہ 126 افراد کا تقرر ہوا ہے اور Physical Education Teacher میں جملہ 123 افراد کا تقرر عمل میں آیا یعنی سال 2006، 2008 اور سال 2012 میں جو DSC کے ذریعہ منتخب کئے گئے تھے اس میں Language Pandit اور Physical Eduction Teacher کے جملہ 249 مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد تھے ان میں سے 14 افراد مسلم طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی 5.6 فیصد مسلمانوں کا اس عہدے کیلئے تقرر کیا گیا اس میں سے BC-B زمرے کے تحت ایک فرد کا اور BC-E زمرے کے تحت 9 کا تقرر عمل میں آیا۔ اگر ہم تحفظات سے قبل اور تحفظات کے بعد کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ سال 2006 میں صرف ایک مسلمان کا تقرر عمل میں آیا وہ بھی BC-B زمرے کے تحت جبکہ اس سال جملہ 51 افراد کے تقررات Language Pandit اور Physical Education Teacher میں ہوئے جن میں سے صرف 1.96 فیصد ہی مسلم طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر رہوا۔

سال 08-2007 میں مسلمانوں کو BC-E زمرے کے تحت 4 فیصد تحفظات دیئے جانے لگے۔ جسکی وجہ سے سال 2008 میں BC -E زمرے کے تحت 2 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا اور ایک کا عام زمرے کے تحت تقرر رہوا۔ اس طرح اس سال جملہ 3 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا یعنی 2.65 فیصد مسلم طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ جبکہ سال 2012 میں سال 2008 کے مقابلے میں 7 زائد مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔ یعنی اس سال 11.76 فیصد مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔ جن میں عام زمرے کے تحت ایک، BC-B زمرے کے تحت 2 مسلمانوں اور BC-E زمرے کے تحت 7 مسلمانوں کا تقرر عمل میں آیا۔ یعنی اس سال جملہ 85 مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر رہوا جن میں سے 10 مسلمان تھے۔ اسکی تفصیل درج ذیل جدول میں بتلایا گیا ہے۔

جدول6.37: ضلع حیدرآباد میں Language Pandit اور Physical Education Teacher کے جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی

% of Mus lim	Total Mus l im	Mus lim BC	Mus lim Gen	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Candidate			Year	S. No
												T	PET	L.P		
1.96	01	01	00	00	09	00	11	02	01	08	01	51	18	33	2006	1
2.65	03	00	01	02	13	01	18	13	06	11	17	113	77	36	2008	2
11.76	10	02	01	07	07	00	17	03	05	15	07	85	28	57	2012	3
5.6	14	03	02	09	29	01	46	18	12	34	25	249	123	126	جملہ	4

Source:Compiled from the Provisional Selection List from 2006 to 2012, provided by the Hyderabad District Education Office (DEO), Department of School Education, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad.

گراف: 6.34

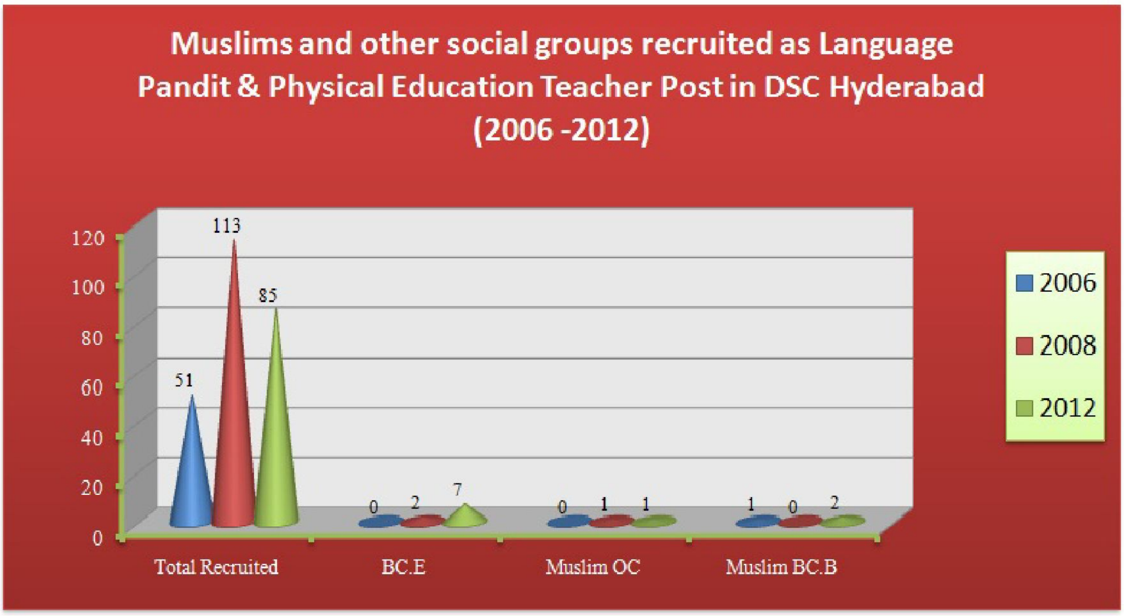

4۔ ضلع حیدرآباد کے DSC میں مسلمانوں کی نمائندگی

جدول 6.38: ضلع حیدرآباد میں DSC کے تحت منتخبہ مسلم اور دیگر طبقات (2006 تا 2012)

% of Muslim	Total Muslim	Muslim BC.B	Muslim Oc	BC. E	BC. D	BC. C	BC. B	BC. A	ST	SC	OC	Total Recruitment	Post of DSC	S. No
25.23	167	18	24	125	34	03	50	15	18	57	51	654	سکنڈری گریڈ ٹیچر	1
19.18	80	06	40	34	43	08	59	25	15	40	83	417	اسکول اسسٹنٹ	2
5.6	14	01	02	09	29	01	46	18	12	34	25	249	لینگویج پنڈت اور فزیکل ایجوکیشن	3
19.77	261	25	30	168	106	12	155	58	45	131	159	1320	جملہ	4

Source: Compiled from the Provisional Selection List from 2006 tp 2012, provided by the Hyderabad District Education Office (DEO), Department of School Education, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad.

گراف: 6.35

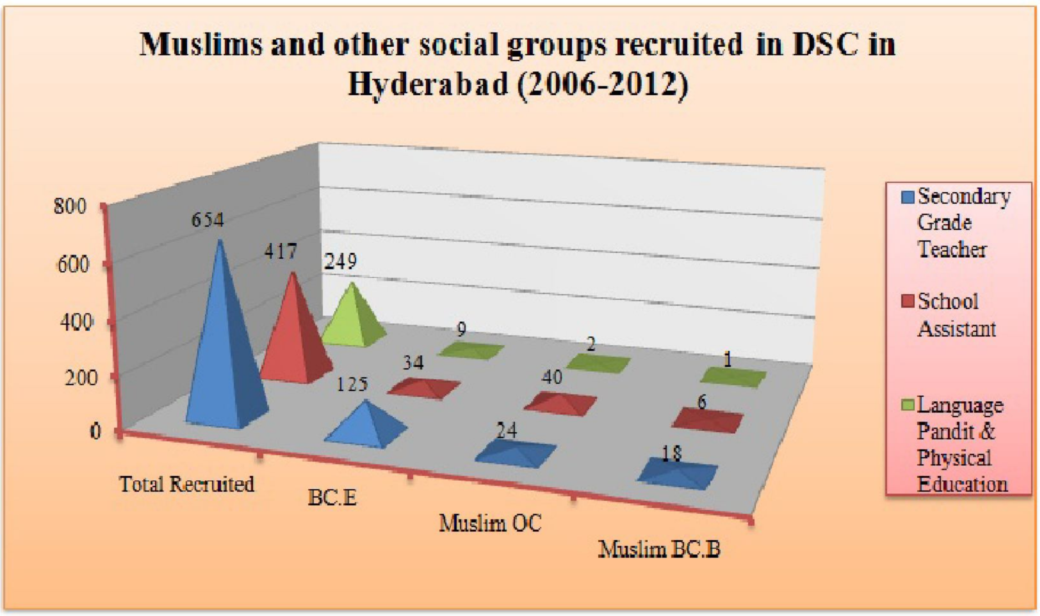

ضلع حیدرآباد میں DSC امتحانات سال 2004 تا 2014 تک تین بار منعقد ہوئے ہیں۔ اس دوران DSC کے تحت Secondary Grade Teacher میں جملہ 654 افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ جن میں سے 167 افراد کا تعلق مسلم طبقہ سے ہے جو کہ 25.53 فیصد ہے۔ اس طرح BC-E زمرے کے تحت 125 مسلم افراد کا تقرر ہوا جو کل میں سے 19.11 فیصد ہے۔ عام زمرے کے تحت 24 اور BC-B زمرے کے تحت صرف 18 مسلم افراد کا تقرر ہوا۔ جبکہ 417 افراد کا بطور سے اسکول اسسٹنٹ کا تقرر عمل میں آیا جن میں سے کل 80 مسلمانوں کا تقرر ہوا جو 19.18 فیصد ہے۔ 8.15 فیصد BC-E زمرے کے تحت تقرر کئے گئے اور باقی 11.03 فیصد کا عام زمرے اور BC-B زمرے کے تحت تقرر عمل میں آیا۔ اور Language Pandit اور Physical Education Teacher کا 2004 تا 2014 تک کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں SGT اور S.A کے مقابلے میں بہت کم تقررات عمل میں آئے۔ Language Pandit اور Physical Education Teacher میں ان دس سالوں میں ضلع حیدرآباد میں صرف 249 افراد کا مختلف طبقات سے تقرر کیا گیا اور ان میں سے صرف 14 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ اس طرح ڈی ایس سی میں سال 2004 تا 2014 میں جملہ 1320 مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر عمل میں آیا۔ جن میں سے 261 مسلم طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کا تقرر عمل میں آیا یعنی 19.77 فیصد مسلمانوں کا تقرر ہوا۔ جسکی تفصیل اوپر کے جدول میں دی گئی ہے۔

سال 08-2007 میں مسلمانوں کو BC-E زمرے کے تحت 4 فیصد تحفظات دیئے جانے لگے۔ اگر ہم تحفظات سے قبل اور تحفظات کے بعد کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ تحفظات سے پہلے DSC میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت کم تھی۔ جب سے مسلمانوں کو 4 فیصد تحفظات دیئے جانے لگے مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ ہوا ہے۔ کیونکہ BC-E زمرے سے تعلق رکھنے والے افراد کا 4 فیصد تحفظات کی بناء پر تقرر ہو رہا ہے۔ BC-E زمرے سے تعلق رکھنے والے چند مسلمانوں کا میرٹ کی بنیاد پر عام زمرے میں بھی انتخاب ہو رہا ہے۔ جسکی وجہ سے BC-E زمرے کا فیصد 4 فیصد سے بڑھ کر SGT میں 19.11 فیصد اور اسکول اسسٹنٹ میں 8.15 فیصد ہوگیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں تحفظات سے قبل مسلمانوں کی نمائندگی DSC میں نہ کہ برابر تھی وہیں تحفظات کے بعد سے مسلمانوں کی نمائندگی میں دھیرے دھیرے اضافہ ہو رہا ہے۔

IV۔ ریاست آندھراپردیش کے یونیورسٹیز کے تدریسی شعبے میں مسلم نمائندگی

ریاست آندھراپردیش کے مختلف یونیورسٹیوں میں سال 2002 تا2014 تک کئے گئے اساتذہ کے تقررات میں مسلمانوں کی نمائندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان دس سالوں میں کل 1613 مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا درس وتدریس کے عہدوں پرتقرر رہوا۔جن میں مسلمانوں کی تعداد صرف 24 یعنی 1.48 فیصد ہے۔ان تقررات میں عام زمرے کے تحت 1.11 فیصد، BC.B زمرے کے تحت 0.12 فیصد اور BC.E زمرے کے ت حت 0.24 فیصد مسلمانوں کے تقررات عمل میں آئے۔تحفظات ملنے کے باوجود بھی مسلمانوں کی نمائندگی یونیورسٹیوں میں درس وتدریس کے عہدوں پر 2 فیصد بھی نہیں ہے۔

اگرانفرادی طور پر یونیورسٹی کا جائزہ لیں تو عثمانیہ یونیورسٹی میں سال 2002 تا2012 تک کہ ان دس سالوں میں صرف سال 2007 میں ہی تقررات ہوئے جن میں کل 138 افراد کے تقررات درس وتدریس کے عہدوں پر ہے جن میں صرف 5 مسلم افراد کے تقررات صرف عام زمرے کے تحت ہی عمل میں آئے جو 3.6 فیصد ہے۔جبکہ BC.B اور BC.E کے تحت کوئی مسلمان تقرر نہیں ہوا۔اسی طرح سری وینکٹیشور یونیورسٹی میں سال 2007 تا2012 تک کل 143 افراد کے تقررات عمل میں آئے جن میں سے مسلمانوں کی نمائندگی 2.7 فیصد ہے ان دس سالوں میں سری وینکٹیشورو یونیورسٹی میں مسلمانوں کا صرف عام زمرے کے تحت ہی تقرر رہوا جبکہ تحفظات ہونے کے باوجود BC.E اور BC.B کے تحت کسی بھی مسلمان کا تقرر نہیں ہوا اور پدماوتی یونیورسٹی میں بھی سال 2002 تا2013 تک کل 32 افراد کے تقررات ہوئے جن میں سے صرف ایک مسلم فرد کا تقرر عام زمرے کے تحت ہوا جبکہ BC.E اور BC. B زمرے کے تحت کوئی تقرر نہیں ہوا۔پالامورویونیورسٹی میں سال 2008 تا2014 تک کل صرف 8 افراد کا تقرر رہوا جس میں سے عام زمرے کے تحت ایک مسلمان کا تقرر رہوا جو 3.1 فیصد ہے اس یونیورسٹی میں بھی تحفظات کے تحت BC.E اور BC.B زمروں میں کوئی تقرر نہیں ہوا۔جبکہ کاکتیہ یونیوسٹی اور ڈرواڈین یونیورسٹیوں میں سال 2002 تا2013 تک مسلمانوں کے تقررات بالترتیب 1.96 فیصد اور 2.7 فیصد ہوئے جو عام زمرے اور BC.B زمرے کے تحت عمل میں آئے، جبکہ BC.E زمرے کے تحت کوئی بھی تقرر نہیں ہوا۔

یوگی ویمنا یونیورسٹی میں سال 2002 تا2013 تک کل 110 تقررات مختلف طبقات سے کئے گئے جن میں

سے عام زمرے کے تحت 4.54 فیصد اور BC.E زمرے کے تحت 1.81 فیصد مسلمانوں کے تقررات ہوئے جبکہ BC.B زمرے کے تحت کوئی مسلمانوں کا تقرر نہیں ہوا۔اس طرح عام زمرے اور BC.E زمرے کے تحت ان دس سالوں میں کل 6.36 فیصد تقررات عمل میں آئے۔

جبکہ دیگر یونیورسٹیوں جیسے تلنگانہ یونیورسٹی، جواہر لال نہرو ٹیکنالوجیکل یونیورسٹی، مہاتما گاندھی یونیورسٹی، آندھرا یونیورسٹی، کرشنا یونیورسٹی اور ڈاکٹر بی آر امبیڈکر یونیورسٹی وغیرہ میں ان دس سالوں میں تقررات تو ہوئے پر کسی بھی مسلمان کا تقرر نہیں ہوا۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحفظات حاصل ہونے کے باوجود مسلم طبقہ کی نمائندگی یونیورسٹی اور دیگر تدریسی شعبوں میں تشفی بخش نہیں ہے۔جس کی تفصیل حسب ذیل جدول میں دی گئی ہیں۔

جدول 6.39: ریاست آندھرا پردیش کے یونیورسٹیز کے تدریسی شعبے میں مسلم اور دیگر طبقات (2002 تا 2013)

% of Muslim	Muslim Total	Muslim BC.B	Muslim General	BC -E	BC -D	BC -C	BC -B	BC -B	ST	SC	OC	Total Candidate Select	Year of Recruitment	University Name	S. No
3.6	05	00	05	00	10	01	21	11	05	18	70	138	2007	Osmania University	1
1.96	02	01	01	00	08	01	08	05	08	18	52	102	2002 to 2013	Kakatiya University	2
2.7	04	00	04	00	08	01	11	08	17	27	67	143	2002 to 2013	Sri Venkateswara University	3
0	00	00	00	00	09	01	12	06	25	25	62	202	2004 to 2013	Andhra University	4
0.76	02	00	00	02	12	02	26	12	37	32	125	261	2002 to 2013	Acharya N.G. Ranga Agricultural University	5

0	00	00	00	00	18	03	24	22	18	44	158	289	2002 to 2013	Jawaharlal Nehru Technological University	6
0	00	00	00	00	01	00	02	01	01	08	37	50	2006 to 2009	Telangana University	7
0	00	00	00	00	00	01	03	01	01	07	23	36	2007 to 2013	Mahatma Gandhi University	8
6.36	07	00	05	02	04	05	14	06	01	15	58	110	2002 to 2013	Yogi vemana University	9
3.1	01	00	01	00	01	01	03	00	07	07	12	32	2002 to 2013	Sri Padmavati Mahila Visva vidyalayam	10
12.5	01	00	01	00	00	00	00	00	00	01	06	08	2010 & 2012	Palamuru University	11
0	00	00	00	00	00	00	00	01	02	04	19	26	2009 & 2013	Krishna University	12
0	00	00	00	00	00	01	02	02	01	07	13	26	2002 to 2013	Adikavi Nannaya University	13
0	00	00	00	00	00	00	02	00	00	04	15	12	2009 & 2012	Vikrama Simhapuri University	14
2.7	02	01	01	00	11	03	07	06	04	14	27	74	2002 to 2013	Dravidian University	15
0	00	00	00	00	00	00	00	01	00	01	05	07	2010-2011	Dr. B. R. Ambedkar University Srikakulam	16
0	00	00	00	00	03	00	05	04	01	13	47	74	2002 -2013	Dr. Horticultural University	17

0	00	00	00	00	00	00	00	00	00	00	23	23	2006 to 2013	Sri Venkateswara Vedic University	18
1.48	24	02	18	04	85	20	140	86	128	245	819	1613	2002 to 2013	Total	19
Source: : Compiled from the Recruited persons list 2004 to 2014, provided by the different universities of Andhra Pradesh .															

گراف:6.36

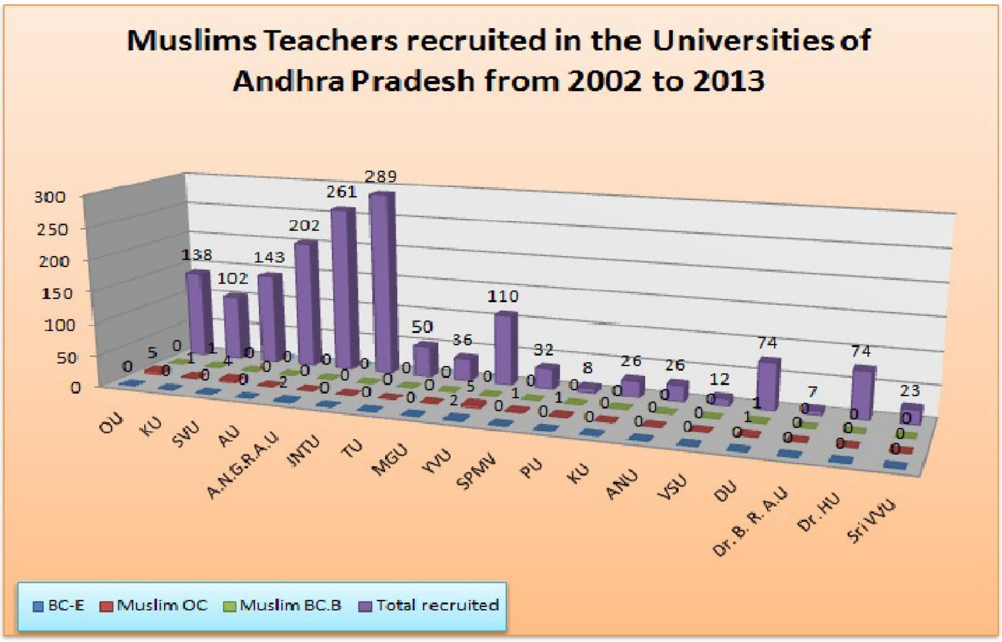

چنانچہ ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کوحاصل تحفظات کی عمل آوری کے جائزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمی اداروں اورسرکاری جائیدادوں میں مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ ہوا ہے۔خاص کر ملازمتوں میں مسلمانوں کا فیصد تحفظات سے پہلے دو یا تین فیصد تک ہی محدود ہوگیا تھا۔تحفظات کے ملنے کے بعد یقینی طور پر 4 فیصد ہوگیا ہے۔البتہ عام زمرے میں مسلمانوں کا تقرر بہت کم ہے جسکی وجہ سے مسلمانوں کی نمائندگی انکی آبادی کے لحاظ بھی ابھی بھی بہت کم ہے۔ اسکول اساتذہ اور پولیس کانسٹبل کے جائیدادوں میں مسلمانوں کا فیصد بہتر ہے۔جبکہ اے پی پی ایس سی اور پولیس فورس اور یونیورسٹی کے اعلیٰ عہدوں میں مسلمانوں کا اوسط 4 فیصد تک محدود ہوگیا ہے۔خاص کر یونیورسٹیز کے تدریسی شعبوں میں مسلمانوں کا اوسط مایوس کن ہے۔

//......☆☆☆......//

باب 7

اختتامیہ

Conclusion

ہندوستان جیسے تکثیری ملک کے لئے تمام طبقات کو ملک کی ترقی سے جوڑے رکھنا بہت ضروری ہے۔ خاصکر ملک کے طبقاتی سماجی نظام کی وجہ سے یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب کے لوگوں کو قومی دھارے میں باندھنا ایک اور بڑی چنوتی ہے۔ ہندوستان کے قومی رہنما اسکی اہمیت کو بخوبی جانتے تھے۔ اس لئے ہندوستان کے دستور کو ایک شمولیتی دستاویز بنایا جس میں ہر شہری کو مساوی سماجی، معاشی اور سیاسی حیثیت کی یقین دہانی کی گئی۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لئے سماج کے پچھڑے اور پسماندہ طبقات کے لئے مثبت امتیازی پالیسی کو اپنایا گیا اور دستور میں دفعات 15 اور 16 میں ضروری ترمیم کر کے (4)15 اور (4)16 کے تحت اسکی راہ ہموار کی گئی۔ اس کے نتیجہ میں درج فہرست ذاتوں، قبائلوں اور پسماندہ طبقات کو سماجی، معاشی اور سیاسی سطحوں پر مناسب مواقع فراہم کئے گئے۔

مثبت امتیازی پالیسی کی اس پوری اسکیم میں عملاً کئی مسائل بھی پیش آئے۔ خاصکر مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے پچھڑے اور پسماندہ طبقات کو اس میں پوری طرح شامل نہیں کیا گیا۔ جیسے کہ درج فہرست ذاتوں کیلئے دئے گئے تحفظات سے مسلم اور عیسائی ذاتوں کو باہر رکھا گیا۔ اسی طرح پسماندہ طبقات کیلئے دئے گئے تحفظات میں بھی بہت کم اقلیتی پسماندہ طبقات کو شامل کیا گیا۔ مرکز اور ریاستی پسماندہ طبقات کی فہرست میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تمام ریاستوں کے اقلیتی پسماندہ طبقات کو مرکزی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ جبکہ ریاستوں کی پسماندہ طبقات کی فہرستوں میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم آبادی کا ایک بڑا حصہ ہندو مذہب کے نچلے اور پسماندہ طبقات سے اسلام میں شامل ہوا ہے۔

ہندوستان میں رائج ذات پات پر مبنی ورنا سماجی نظام سے بیزار اچھوت کہلانے والے نچلی ذات کے طبقات قبائل اور پسماندہ طبقات مساوات کا درس دینے والے اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ ہندوستان میں اسلام کے ماننے والوں میں بڑا حصہ ہندو مذہب کے نچلے طبقات سے تعلق رکھنے والے آبائی باشندوں کا ہے جبکہ 10 سے 15 فیصد ہی عرب، ایران، ترکی اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ہندو سماج کے اثر سے مسلمانوں میں بھی ذات پات کی تفریق پائی جاتی ہے۔

انگریزوں کی آمد کے بعد مسلمان نہ صرف اقتدار سے محروم ہوئے بلکہ حکومت کی اندیکھی اور انگریزی تعلیم کے متعلق خدشات بھی مسلمانوں کو دوسرے طبقات سے پیچھے کر دیا۔ اسطرح آزاد ہندوستان کے مسلمان دوہری محبر ومیت کا شکار ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق سماج کے کمزور طبقات سے ہے۔ دوسرا مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ ان تمام مراعات سے محروم ہیں جو ہندو مذہب کے پچھڑے اور کمزور طبقات کو حاصل ہیں۔ اسکے نتیجہ میں مسلمان ایک حاشیائی طبقے میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ اس کا ثبوت 2006 کی سچر رپورٹ میں ملتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی حالت درج فہرست ذاتوں اور قبائل سے حد درجہ بہتر مگر پسماندہ طبقات سے کمتر ہے۔ اسکی وجہ سے مسلمانوں میں بھی تحفظات جیسے مثبت امتیازی پالیسی کی مانگ ہونے لگی ہے۔

مسلمانوں کیلئے تحفظات ایک جذباتی مسئلہ بن گیا۔ مسلمانوں میں خود اسکے متعلق رائے منقسم ہے۔ مسلم زعماء کئی عرصے تک مسلمانوں کیلئے تحفظات کی مخالفت اس بناء پر کرتے رہے ہیں کہ مسلمان اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور تحفظات کی وجہ سے ان میں مسابقت کا جذبہ ختم ہوجائے گا۔ مگر اب زیادہ تر مسلمان یہ مانتے ہیں کہ دیگر طبقات کے مساوی ترقی کیلئے مسلمانوں کو حکومت کی مدد وقومی وسائل میں حصہ داری ضروری ہے اور یہ بھیک نہیں بلکہ جمہوری نظام میں ہر شہری کا برابر کا حق ہے۔

البتہ مسلمانوں میں تحفظات کس کو ملنا چاہئے اس پر بحث چل رہی ہے۔ اعلیٰ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان رہنما مسلمانوں کو ایک اٹوٹ گروہ بتاتے ہوئے تمام مسلمانوں کو تحفظات دینے کی مانگ کر رہے تھے۔ مگر مسلم پسماندہ طبقات کی جانب سے اسکی شدید مخالفت کی جارہی ہے۔ امتیاز احمد، اصغر علی انجینئر جیسے ساجیات کے ماہرین کے مطابق ہندوستان کے مسلمان ایک اٹوٹ گروہ نہیں ہیں۔

اشراف، اجلاف اور ارزال کی تفریق ایک حقیقت ہے اور اسے تسلیم کرنا چاہئے اور اس کی بنیاد پر تحفظات کا مطالبہ کرنا چاہئے ورنہ تحفظات کے فائدے مسلمانوں کے اعلیٰ طبقے تک ہی محدود ہو جائیں گے۔

کا کا کالیکر کمیشن (1953)، منڈل کمیشن (1980)، سچر کمیٹی رپورٹ (2006) اور رنگناتھ مشرا کمیشن نے مسلمانوں میں درج فہرست ذات اور پسماندہ طبقات کی تصدیق کی ہے۔ کالیکر کمیشن اور منڈل کمشن نے نہ صرف مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کی نشاندہی کی ہے بلکہ انکو مرکزی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کرنے کی سفارش بھی کی ہے۔ اس طرح تقریباً 80 مسلم پسماندہ طبقات کو مرکزی دیگر پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ کئی ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو پسماندہ طبقات میں شامل کیا گیا ہے۔ مگر اسکے طریقہ کار میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔

کیرالا، کرناٹک اور تامل ناڈو اور بنگال میں مسلم پسماندہ طبقات کو بالترتیب 12، 4، 3.5 اور 10 فیصد تحفظات علیحدہ دئے گئے ہیں۔ جبکہ یوپی، بہار، مہاراشٹر جیسے دیگر ریاستوں میں مسلمان پسماندہ طبقات کو دیگر پسماندہ طبقات کے ساتھ تحفظات دئے گئے ہیں۔ علاحدہ کوٹہ مقرر نہ کرنے کی وجہ سے ان ریاستوں میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی نہیں مل رہی ہے۔ اس طرح ان ریاستوں میں مسلم پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والا ایک بڑا طبقہ تحفظات کے دائرہ میں ہے۔ مرکزی پسمادہ طبقات کی فہرست میں بھی ان ریاستوں کے زیادہ تر پسماندہ طبقات کو شامل کیا گیا ہے۔

ریاست آندھرا پردیش میں البتہ 2004 تک مسلمان سوائے دو تین طبقات کے تحفظات سے محروم رہے۔ صرف دودے کولا، مسلم مہتر اور قریش طبقات کو ریاستی پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ 2004 میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کو 5 فیصد تحفظات دئے گئے۔ اسے بھی عدالت نے محض مذہب کی بنیاد پر دیئے گئے تحفظات تصور کرتے ہوئے کالعدم قرار دیا۔ تیسری بار ریاستی حکومت نے پی ایس کرشنن کے سفارشات کے مطابق تمام مسلمانوں کے بجائے 14 مسلم پسماندہ طبقات کو 4 فیصد تحفظات فراہم کیا۔ اس فیصلہ کو بھی ریاستی ہائی کورٹ نے کالعدم قرار دیا۔ البتہ سپریم کورٹ نے فیصلہ کی عمل آوری پر حتمی فیصلہ تک روک لگا دیا۔ اسطرح ریاست آندھرا پردیش میں 14 مسلم پسماندہ طبقات کو تعلیم اور روزگار میں 4 فیصد تحفظات حاصل ہیں۔

اس تناظر میں موجودہ تحقیقی مقالہ میں ریاست آندھراپردیش میں مسلمان پسماندہ طبقات کے تحفظات کی عمل آوری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے تحفظاتی پالیسی خاص کر ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کو تحفظات کیلئے کی گئی جدوجہد اور تحفظات کے لئے قانونی جواز کا جائزہ لیا گیا۔اس کے علاوہ ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی صورتحال کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔اس تحقیق کا مقصد ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کو دیئے گئے تعلیم اور روزگار میں تحفظات کی عمل آوری اور نتائج کی جانچ کرنا ہے۔

یہ تحقیقی مقالہ حسب ذیل تین مفروضات پر مبنی ہے۔ پہلا مفروضہ ریاست آندھراپردیش میں BC.E زمرے کے تحت مسلم پسماندہ طبقات کو دیئے گئے تحفظات کے نتیجہ میں انکا تعلیمی موقف بہتر ہوا ہے۔ دوسرا مفروضہ تحفظات کے نتیجہ میں سرکاری خدمات میں مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ ہوا ہے اور تیسرا مفروضہ تحفظات کی پالیسی مسلم سماج کی معاشی ترقی میں جزوی طور پر ہی کامیاب ہوئی ہے۔ ان مفروضات کی جانچ کیلئے ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال، روزگار میں انکا موقف اور مجموعی معاشی حیثیت کا جائزہ سرکاری اور دیگر ذرائع سے حاصل کردہ مواد سے کیا گیا ہے۔

ماخذات

متحدہ ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کی خواندگی کی شرح 2011 کی مردم شماری کے مطابق نہ صرف ریاست کی اوسط سے بڑھ کر ہے بلکہ ہندو طبقے سے بھی زیادہ ہے۔آندھراپردیش کی خواندگی کی شرح 67.25 ہے جبکہ ہندوؤں کی 63.6 فیصد اور مسلمانوں کی 68 فیصد ہے۔تعلیم کی سطح جیسے بڑھ رہی ہے مسلمانوں کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے۔مسلم پسماندہ طبقات کو BC.E زمرے کے تحت چار فیصد تحفظات کے نتیجہ میں اعلیٰ تعلیم اور پیشہ ورانہ کورسز میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ MBBS میں 2011 تا 2014 کے تین سالوں میں BC.E زمرے کے تحت 499 نشستیں ملی ہیں۔ جبکہ عام زمرے میں صرف 45 نشستیں ہی حاصل ہوئے ہیں۔اسی طرح ان تین سالوں میں BDS کورسز میں کل 201 نشستیں حاصل ہوئی جس میں BC.E زمرے کے تحت 178 اور عام زمرے کے تحت صرف 23 نشستیں مسلمانوں کو ملے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحفظات کے بغیر مسلمانوں کو

ان باوقار کورسز میں داخلہ ملنا کتنا دشوار ہے۔اسی طرح دیگر پیشہ ورانہ کورسز جیسے انجینئرنگ، M.B.A، M.C.A، فارمیسی اور ایل ایل بی میں بھی مسلمانوں کو B.C.E زمرے کے تحت بڑے پیمانے میں نشستیں دستیاب ہوئے۔جسکی تفصیل چھٹویں باب میں دی گئی ہے۔اسکے نتیجہ میں مسلمانوں کی نہ صرف اعلیٰ تعلیمی اداروں تک رسائی ہوئی ہے بلکہ ان کے روزگار کے مواقع بھی بہتر ہوئے ہیں۔اسکا ایک اور فائدہ یہ ہوا ہے کہ تعلیم کی طرف مسلمانوں کی رغبت بڑھی ہے، جیسا کہ مسلمانوں کے مجموعی خواندگی کی شرح سے ثابت بھی ہوتا ہے اس طرح تحقیق کا پہلا مفروضہ ''ریاست آندھراپردیش میں BC.E زمرے کے تحت مسلم پسماندہ طبقات کو دئے گئے تحفظات کے نتیجہ میں انکا تعلیمی موقف بہتر ہوا ہے'' درست ثابت ہوا ہے۔

اس طرح متحدہ ریاست آندھراپردیش کے بھرتی کے ادارے جیسے APPSC، APPRB اور DSC اور ریاست کی یونیورسٹیوں سے حاصل کردہ 2004 تا 2014 تک دس سال کے اعدادوشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحفظات کے بغیر مسلمانوں کو 2 تا 3 فیصد ہی ملازمتیں مل رہی تھی جبکہ BC.E زمرے کے تحت تحفظات کے نتیجہ میں نہ صرف 4 فیصد ملازمتیں یقینی طور پر مل رہی ہیں بلکہ عام زمرے میں بھی ایک یا دو فیصد ملازمتیں مل پارہی ہیں۔ چنانچہ APPSC کے ذریعہ بھرتی کئے جانے والے ریاست کے اعلیٰ عہدوں جیسے Group I اور Group II کے تقررات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحفظات کے بغیر مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔سال 2007 اور 2009 میں گروپ I کیلئے منتخبہ کل 346 امیدواروں میں 15 مسلمانوں کا تقرر ہوا۔جن میں BC.E زمرے میں 14 اور کھلی مسابقت کے تحت عام زمرے میں صرف ایک مسلمان کا تقرر ہوا ہے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عام مسابقت میں ملازمت حاصل کرنا مسلمانوں کیلئے دشوار ہے۔Group II کیلئے تحفظات سے پہلے اور تحفظات کے بعد کے اعدادوشمار سے یہ بات اور واضح ہوتی ہے۔سال 2004 میں تحفظات ملنے سے پہلے Group II کے تقررات میں مسلمانوں کو صرف 2.25 فیصد ملازمتیں حاصل ہوئی۔جبکہ 2009 اور 2011 میں بالترتیب 4.06 اور 4.49 فیصد ملازمتیں حاصل ہوئی۔

اسی طرح APPRB کے تحت پولیس کے تقررات، DSC کے تحت اسکول کے اساتذہ کے تقررات اور یونیورسٹیز میں تقررات کے جائزہ سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ BC.E تحفظات کے نتیجہ میں ملازمتوں میں

مجموعی طور پر مسلمانوں کا موقف بہتر ہوا ہے۔اس کی تفصیل چھٹویں باب میں دی گئی ہے اس طرح تحقیق کا دوسرا مفروضہ ''تحفظات کے نتیجہ میں سرکاری خدمات میں مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ ہوا'' بھی درست ثابت ہوتا ہے۔ البتہ تحفظات کے بعد عام زمرے میں منتخب ہونے والے مسلمانوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی ہے۔اسکول اساتذہ اور پولیس کانسٹبل کے جائیدادوں میں مسلمانوں کو معقول نمائندگی مل رہی ہے جس سے ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی میں مجموعی طور پر اضافہ ہوا ہے جبکہ یونیورسٹی کے تدریسی جائیدادوں میں، پولیس فورس کے اعلیٰ عہدوں میں اور دیگر اعلیٰ سرکاری عہدوں میں مسلمانوں کی نمائندگی 4 فیصد تک محدود ہوگئی ہے۔خاصکر یونیورسٹیز کے تدریسی شعبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی مایوس کن ہے۔

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے موقف کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحفظات کے نتیجہ میں مسلمانوں کا تناسب ملازمتوں میں پہلے سے بہتر ضرور ہوا مگر یہ مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے بہت کم ہے۔متحدہ ریاست آندھراپردیش میں مسلمانوں کی آبادی 9.56 فیصد ہے۔جبکہ سرکاری ملازمتوں میں تحفظات کے باوجود مسلمانوں کا تناسب 5 اور 6 فیصد کے درمیان ہی رہا ہے۔اسکے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سرکاری ملازمتیں محدود ہیں اور خانگیانہ کے اس دور میں یہ اور بھی کم ہورہے ہیں۔

تحفظات کے نتیجہ میں مسلمانوں کی معاشی صورتحال میں زیادہ فرق نہیں پڑا ہے۔مسلمانوں میں غربت کی سطح ریاستی اوسط سے زیادہ ہے، جسکی تفصیل پانچویں باب میں دی گئی ہے۔خاص کر دیہی علاقوں کے مقابلے میں شہری علاقوں میں مسلمانوں میں غربت زیادہ ہے۔زیادہ تر سرکاری ملازمت کرنے والے مسلمان شہروں میں مقیم ہیں۔اسکے باوجود شہری علاقوں میں مسلمانوں میں غربت کا زیادہ ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ صرف چنندہ لوگوں کو سرکاری ملازمتیں ملنے سے مسلمانوں کی مجموعی معاشی حالت بہتر نہیں ہوسکتی۔البتہ تحفظات کے نتیجہ میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے والے مسلمانوں کی معاشی حالت مستحکم ضرور ہوئی ہے۔اس سے تحقیق کا تیسرا مفروضہ ''تحفظات کی پالیسی مسلم سماج کے معاشی ترقی میں جزوی طور پر ہی کامیاب ہوئی ہے'' درست ثابت ہوتا ہے۔

صرف تحفظات کی پالیسی کے ذریعہ مسلمانوں کے تمام معاشی مسائل کا حل تلاش کرنا درست نہیں ہے۔اسکے لئے معاشی ترقی کے دیگر شعبہ جات جیسے صنعت، تجارت اور خانگی شعبوں میں مسلمانوں کو دیگر پسماندہ طبقات کے

مماثل سہولیات فراہم کرنا چاہیئے۔

تجاویز

متحدہ ریاست آندھراپردیش میں مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کے جائزے سے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں حسب ذیل امور پرغور کرنے کی ضرورت ہے۔

1۔ مسلمان پسماندہ طبقات کو دیئے گئے 4 فیصد تحفظات ناکافی ہیں۔اس میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ 2014 کے بعد ریاست کی تقسیم کے نتیجہ میں دو نئے ریاست آندھراپردیش اور تلنگانہ کا وجود ہوا ہے۔ دونوں ریاستوں میں مسلمانوں کو انکی آبادی کے لحاظ سے یعنی آندھراپردیش میں 7 فیصد اور تلنگانہ میں 12 فیصد تحفظات دینے کی ضرورت ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ تحقیق میں یہ پایا گیا ہے کہ 4 فیصد تحفظات کے بعد مسلمانوں کا عام زمرے میں بہت کم انتخاب ہورہا ہے اورانہیں صرف 4 فیصد تک ہی محدود کیا جارہا ہے۔ ریاست تلنگانہ میں اس طرف کوشش کی جارہی ہے۔ اور ریاستی حکومت 12 فیصد تحفظات دینے کا نہ صرف اعلان کیا ہے بلکہ اسکے لئے سدھیر کمیشن کی رپورٹ بھی حاصل کی گئی جسے ریاستی پسماندہ طبقات کمیشن سے رجوع کیا گیا ہے۔ ریاست آندھراپردیش میں بھی اس طرح کا اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ 14 منتخبہ پسماندہ طبقات کے علاوہ دونوں ریاستوں میں مسلمانوں کو تحفظات سے محروم طبقات کی نشاندہی کرکے تحفظات کے زمرے میں شامل کرنا چاہیئے۔

3۔ متحدہ ریاست آندھراپردیش کے پسماندہ طبقات میں صرف چار طبقات مسلم، مہتر، دودےکولا، قریش اور فقیر (درویش) کو ہی مرکزی دیگر پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس آخرالذکر طبقہ فقیر (درویش) کو حال ہی میں یعنی اگست 2016 میں قومی پسماندہ طبقات کمیشن کی سفارش پر دیگر پسماندہ طبقات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ BC.E میں شامل دیگر پسماندہ طبقات کو مرکزی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ دونوں ریاستوں کی مرکزی پسماندہ طبقات کی فہرست میں BC.E کے تمام پسماندہ طبقات کو شامل کرنا چاہیئے۔

4۔ مسلم پسماندہ طبقات کے ایسے گروہ جو بہت کم تعداد میں ہیں اور بہت زیادہ پسماندگی کا شکار ہیں جیسے بورے والے، پتھر پھوڑ، ریچھ والے اور گونگی مسلمانوں میں تحفظات کے متعلق شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔تاکہ وہ تحفظات کے ثمرات سے فیض یاب ہوسکیں۔

5۔ مقامی حکومتی ادارے جیسے میونسپالٹی اور پنچایت راج میں بھی مسلمانوں کو پسماندہ طبقات کے ساتھ تحفظات دیئے جارہے ہیں مگران کے لئے علیحدہ کوٹہ نہیں ہے جسکی وجہ سے بہت کم مسلمان مقامی حکومتی اداروں میں منتخب ہورہے ہیں۔ مقامی حکومتی اداروں میں بھی مسلم پسماندہ طبقات کو انکی آبادی کے لحاظ سے علیحدہ نشستیں مختص کرنی چاہیئے۔

6۔ مسلم پسماندہ طبقات کے تحفظات کی عمل آوری کی نگرانی میں مسلم شہری سماج کی تنظیموں کو فعال رول ادا کرنا چاہیئے تاکہ تحفظات کے فائدے کا مسلمانوں کے غریب اور ضرورت مند لوگوں تک پہنچ سکے۔

7۔ مسلم پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے تحفظات ہی ایک واحد راستہ نہیں ہے۔انکی شمولیتی ترقی کے لئے بجٹ میں مناسب رقم مختص کرنا، دیہی غریب مسلمانوں کو زراعت کے لئے زمین، تجارت کے لئے قرضہ جات اور صنعتی ادارے قائم کرنے کے لئے ترغیبات بھی دینا چاہیئے۔

مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کرتے ہوئے دونوں ریاستیں آندھراپردیش اور تلنگانہ میں مسلم پسماندہ طبقات کے لئے تحفظاتی پالیسی کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔اس سے نہ صرف مسلمانوں کی مجموعی ترقی کو یقینی بنایا جاسکتا ہے بلکہ ان ریاستوں کی شمولیتی ترقی بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

............☆☆☆............

Bibliography کتابیات

Books: کتابیں

- بھارت 2001 حوالہ جاتی سالہ نامہ،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی،2001ء
- بھارت 2002 حوالہ جاتی سالہ نامہ،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی2002ء
- بھارت کا آئین 2010،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی2010ء
- ڈاکٹر عبدالقیوم، ہندوستان کی حکومت اور سیاست،نصاب پبلیشرس،حیدرآباد جولائی2003ء
- ڈاکٹر عبدالقیوم، ہندوستان کا نظم ونسق،نصاب پبلیشرس حیدرآباد2009ء
- سجاد احمد'ہندوستان کا جدید تعلیمی انقلاب اور مسلم اقلیت' رانچی2006ء
- سچر کمیٹی رپورٹ (اردو)، ہندوستان کے مسلمانوں کے سماجی،اقتصادی اور تعلیمی حالت، وزیراعظم کی اعلیٰ سطح کمیٹی،کابینہ سکریٹریٹ حکومت ہند،ء،نئی دہلی،نومبر 2006
- کمال الدین،ابوذر ڈاکٹر،سیکولرازم بھارت اور مسلمان،اردو بک ریویو پبلی کیشنز،جنوری2009
- محمد مصطفیٰ علی سروری،سچر کمیٹی رپورٹ اور مسلمانوں کے مسائل'مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،حیدرآباد2009ء
- Abedi, Zakir (2011):*Indian Muslims: Socio Economic and Education Status*, New Delhi, Aris Publishers &Distribution.
- Aggerwal, J.C. (2007):*Development of Education System in India*, Delhi, Shipra Publications.
- Agarwal, S.K. (ed) (1973):*Legal Education in India: Problems and Prospective*, Bombay,N.M. Tripathi Pvt. Ltd.
- Agarwal, S.P. and J.C. Agarwal (1991): *Education and Social Uplift of Backward Classes*, New Delhi, Concept Publishing Company.

- Ahmed, Ausaf (1993): *Indian Muslim:Issues in Social and Economic Development*, New Delhi, KhanPublishing.
- Ahmed, Imtiyaz (1976):*Modernisation and Socio Change among Muslims in India*, New Delhi, Manohar Publishers.
- ____________ (1978):*Caste and Social Stratification Among Muslims in India*, New Delhi, Manohar Publishers.
- Allen, C.K. (1958): *Aspects of Justice*, London, Stevens and Sons.
- Ambedkar, B.R. (1970): *State and Minorities*, Hyderabad, Dr. Ambedkar Memorial Society.
- Ambedkar, S.N. (2008):*Reservation Policy, Issues and Implementation*, Jaipur, A.B.D.Publishers.
- Anand, C.L. (1987):*Equality, Justice and Reverse Discrimination*, Delhi, Mittal Publications.
- Anant, S.S. (1972): *The Changing Concept of Caste in India*, Delhi, Vikas Publication.
- Ansari, Iqbal. A (1982):*Reading on Minorities Perspective & Document*, Vol 1, New Delhi, Institute of Objective Studies.
- _____________ (1989): *The Muslim Situation of India*, New Delhi, Sterling Publisher.
- Asha, William (1964): *Marxism and Moral Concepts*, New York, Monthly Review Press.
- Austine, Granville(1972):*The Indian Constitution: Cornerstone of A Nation*, Bombay, Oxford University Press.
- Bagchi, Amiya (1972):*The Political Economy of Underdevelopment*, Cambridge, Cambridge University Press.
- Bains, Ravinder Singh (1994): *Reservation Policy and Anti-Reservations*, New Delhi, Rawat Publications.

- Baker, John (1987):*Arguing for Equality*, London, Verso.
- Bakshi, R.K. (2010)*:Dalit Movement: Role of Dr. B.R. Ambedkar*, New Delhi, Adhyan Publishers.
- Baldwi, R.W. (1966):*Social Justice,* Oxford, Pergamon Press.
- Bandopadhyaya, Jayantaniya (1988):*The Poverty of Nations*, New Delhi, Allied Publishers Pvt. Ltd.
- Barker, E. (1959):*Political Thought of Plato and Aristotle*, New York, Dover Publication Inc.
- Bakshi, P.M. (2004):*The Constitution of India*, New Delhi, Universal Law Publication Co. Pvt. Ltd.
- Bardhan, Pranab (1984):*The Political Economy of Development in India*, Delhi, Oxford University Press.
- Basu, A.R. (1985):*Tribal Development Programmes and Administration in India*, New Delhi, National Book Organisation.
- Basu, Dilip K. and Richar Singhs (eds.) (1986):*Economic and Social Developments in India,* New Delhi, Sage Publication.
- Basu, Durga Das(1977):*Constitutional Law of India,* New Delhi, Prentice-Hall of India.
- Baxi, Upendra, (1980):*Indian Supreme Coun and Politics*, Delhi, Eastern Book House.
- Bayly, Susan (1999):*The New Cambridge History of IndianCaste, Cambridge*, Cambridge University press.
- Benjamin Joseph (1989):*Scheduled Castes in Indian Politics and Society*, Delhi, EssEss Publisher.
- Ben, S. and R.S. Peters (1975):*Social Principles and Democratic States*, London, Martinus Nijhoff Publishing.

- Betelle, Andre (1992): *Society and Politics in India: Essays in Comparative Perspective,* Delhi, OUP.
- Bhattacharya, Mohit (1997):*Reservation Policy: The West Bengal Scene*, in Pai Panindiker (ed), The Politics of Backwardness, Delhi, Konark.
- Bulbus, I.D. (1973):*The Dialectics of Legal Repression: Black Rebels before the American Criminal Courts*, New York, Russell Sage Foundation.
- Chalam, K.S. (1993): *The Relevance of Ambedkarism in India*, New Delhi, Rawat Publications.
- ___________ (2007): *Caste-based Reservation and Human Department in India*, New Delhi, Saga Publication.
- Chandra, Lahri Chandra (1997):*Socio Demographic Profile of Muslim*, New Delhi, Rawat Publications.
- Chandra V. Mouli (1994): *B.R. Ambedkar: Man and His Vision*, New Delhi, Sterling Publications.
- Cheetterji, P.C.(1985): In Defence of Reservation, New Delhi, Patriot.
- Chatterjee, S.K. (1996):*The Scheduled Castes in India*, New Delhi, Gyan Publications.
- Chatterjee, Sarajit Kumar (1996):*The Scheduled Castes in India*, Vol. 4, Delhi, Gyan Publishing House.
- Desai, I.P. (1985):*Caste, Caste-Conflict and Reservation*, Delhi, Ajanta Publications.
- Deshpande, Ashwini (2013)*:Affirmative Action in India*, Oxford, Oxford University Press.
- Dutta, Nalini Kanta (1991):*An X-Ray on Reservation Provisions*, New Delhi, Anmol Publications.

- Galanter, Marc (1984):*Competing Equalities: Law and Backward Classes in India*, Delhi, OUP.
- Gomango, G. (1992):*Constitutional Provisions for the Scheduled Castes and Scheduled Tribes*, Bombay, Himalaya Publishers.
- Habibullah, A.B.M. (1976):*The Foundation of Muslim Rule in India,* Central Book Depot, Allahabad.
- Harold J. Laski(1951):*A Grammer of Politics,* London,Yale University Press.
- Hooda, Sager Preet (2001):*Contesting Reservation: The Indian Expriment on Affirmation Action*, New Delhi, Rawat Publications.
- Hutton, J.H. (1946):*Caste in India: Its Nature, Functions,* and Origins, New York, Harvard University Press.
- Irfan, Mohammed (2012): *Social Exclusion and Muslim Ethnography*, Jaipur, Avishkar Publishers.
- Jala, Ayesha (1995):*Democracy and Authoritarianism in South Asia, Oxford,* Cambridge University Press.
- Jain, Meenakshi (1996):*Backward Castes and Social Change in U.P. and Bihar, in M.N. Sreenivas (ed), Caste: Its Twentieth Century Avatar,* New Delhi, Viking.
- Jawaid, M.A., K. N. Jehangir and Shankar Bose (2007):*Minorities of India: Problems & Prospects,* New Delhi, Indian Council of Social Science Research.
- Khalidi, Omer (1995):*"Muslims since Independence",* New Delhi, Vikas Publishing House.
- Khanna, S.K. (1998): *Caste in India Politics,* New Delhi, Commonwealth Publishers.

- Khan, Mumtaz Ali (19840):*Muslim in the Process of Rural Development*, New Delhi, Uppal Publishing House.
- Khan, Maulana Wahiduddin (1994):*Indians Muslims: The Need for A Positive Out Look*, New Delhi, Nizamuddin West Market.
- Kumar, Sangeet, (2005):*Changing Role of The Caste A Critique,* New Delhi, Rawat Publications.
- Kumar, V. Santosh (2008): *Social Justice and the Politics of Reservation in India: The Post Mandal Phase*, New Delhi, Mittal Publications.
- Kuppu Swamy, B. (1992):*Social Change in India*, Delhi, Concept Publication House.
- Lal, A.K. (2005):*Protective Discrimination Ideology and Praxis*, New Delhi, Concept Publishing Company.
- Lelah, Duskin, (1972): *Scheduled Caste Politics, in Michael Maher (ed.) The Untouchables in Contemporary India, Tuscan*, The University of Arizona Press.
- Madam, J.N. (1976):*Muslim Communities of South Asia*, New Delhi, Vikas Publishing House.
- Malik, Sushila, (1979):*Social Integration of Scheduled Caste*, New Delhi, Abhinav Prakashan.
- Mathew, Thomas(1992): *Caste and Class, Dynamics-Radical Ambedkarite Praxis*, New Delhi, Rawat Publications.
- Mathur, Gautam (1982):*The Rectification of Positive Discrimination,* New Delhi, Institute of Applied Manpower Research.
- Mathur, Y.B. (1976):*Growth of Muslim Politics in India,* New Delhi, Pragati Publication.
- Miller, David(1979):*Social Justice,*Oxford, Clarendon Press.

- Mishra, R.G.and Gurvinder Kaur (1990):*Reservation Policy and Personnel Selection*, New Delhi, Uppal Publishing House.
- Mondal, Sekh Rahim (1997):*Educational Status of Muslims: Problems, Prospects, and Priorities*, New Delhi, Inter-India Publications.
- Mujeeb, Mohammed (2003): *The Indian Muslims*, New Delhi, Munshiram Manoharlal Publishers.
- Najiullah, Syed (2011):*Muslim Minorities and the National Commission for Minorities in India*,Cambridge, Cambridge Scholars Publishing.
- Padhy, K.S. and Jayashree Mahapatra (1988):*Reservation Policy in India*, Delhi, Ashish Publication House.
- Panandiker, V.A. Pai (1997): *The Politics of Backwardness: Reservation Policy in India*, New Delhi, Light & Life Publisher.
- Panikar, K.M. (1964):*Hindu Society at Cross Roads*, Bombay, Asia Publisher House.
- Prasad, Anirudh (1991):*Reservation Policy and Practice: A Means to An End*, New Delhi, Deep & Deep Publications.
- (1997):*Reservational Justice to Other Backward Classes: Theoretical and Practical Issues*, New Delhi, Deep and Deep Publications.
- Prasad, Ishwari (1986):*Reservation Action for Social Equality*, New Delhi, Criterion Publications.
- Purohit, B.D. and S.D.Purohit (1990):*The Handbook on Reservations*, New Delhi, Jain Sons.
- Quigley, Declan (1993):*The Interpretation of Caste*, New York, Oxford University Press.
- Rajasekhariah, A.M. (1980):*Dr. B.R. Ambedkar on Reservation Policy*, Trivendrum, Light and Life Publishers.

- Randolph L. Braham(1980):*Social Justice*, London, Martinus Nijhoff Publishing.
- Rao, M.S.A. (1987): *Social Movements and Social Transformation: A Study of Two Backward Classes Movemen*ts, Delhi, Manohar Publications.
- Rao, P.R. (1990), *History of Modern Andhra,* New Delhi, Sterling Publishers Private Limited.
- Rawls John (1972):*A Theory of Justice*, *Cambridge*, Cambridge University Press.
- Russel, Bertrand(1919):*Road to Freedom, Cambridge*, Cambridge University Press.
- Sahoo, Niranjan (2009):*Reservation Policy and its Implementation Across Domains in India: An Analytical Review*, New Delhi, Academic Foundation.
- Sandhandhiv, D.N. (1986):*Reservation of Social Justice*, Bombay, Current Law Publishers.
- Seervai, H.M (1999):*Constitution of India,* Delhi, Universal Book Traders.
- Shafiquzzaman, Md (2008):*Reservation for Muslims*, Hyderabad, Booklinks Corporation.
- Shah, Ghanshyam (1990):*Social Movements in India: A Review of Literature*, Delhi, Sage Publications.
- Sharma, Arvind (2005):*Reservation and Affirmative Action, Modes of Social Integration in India and the United States*, 1st New Delhi, Sage Publications India Pvt. Ltd.
- Sharma, B.A.V. (ed) (1982): *Reservation Policy in India*, Delhi, Light & Life Publisher.

- Singh, Gopal and Harilal Sharma (1995):*Reservation Policies in India: Mandalization of the Society,* New Delhi, Deep and Deep Publications.
- Singh, Parmanand Singh (1985):*Equality, Reservation and Discrimination in India,* New Delhi, Light and Lifes Publishers.
- Singh, S.K. and A.K.Singh (2004):*O.B.C. Women Status and Educational Empowerment*, Lucknow, New Royal Book Company.
- Singh, Soran (1987):*Scheduled Caste of India: Dimensions of Social Change*, Delhi, Gyan Publishing House.
- Singh, S.N. (1996): *Reservation Policy for backward Classes*, New Delhi, Rawat Publication.
- Tabassum, Henna (2011):*Reservation and Social Mobility in India,* New Delhi, Anmol Publications.
- Thorat, Sukhadeo, Aryamanand Prashant Negi (2007): *Reservation and Private Sector: Quest for Equal Opportunity and Growth*, New Delhi, Rawat Publications.
- Varma, R.B.S.V. , H.S.Verma and Rajkumar Singh (2006):*Empowerment of the Weaker Sections in India,* New Delhi, Serials Publications.
- Yadav, Sushma (2010):*Reservation and Inclusive Growth,* Indian Institute of Public Administration, New Delhi.

Articles: مضامین

- Akermark, Sia Spiliopoulou (1999): *"Reservation Clauses in Treaties Concluded Within the Council of Europ"*, The International and Comparative Law Quarterly, July, Vol. 48, No.3.

- Akerlof, George (1976):*"The Economics of Caste and of Rat Race and other Woeful Tales*", Quarterly Journal of Economics, November, Vol. XC No.4.
- Alavi, Hamza (1972):*"The State in Post Colonial Societies"*, New Left Review, Vol. 74,July-August.
- ___________ (1975):*"India and the Colonial Mode of Production"*, Economic and Political Weekly, August.
- Banerjee, Hema (2009): *"RESERVATION POLICY A Controversial affair in Island's Society"*, Economic and Political Weekly, July, Vol.70, No.3.
- Basavaraju, C. (2009): *"Reservation Under the Constitution of India: Issues and Perspectives"*, Journal of the Indian Law Institute, June, Vol.51, No. 2.
- Bhambhri, C.P.(2005): *"Reservations and Casteism"*, Economic and Political Weekly, March,Vol.40, No.9.
- Baxi, Upendra (1985):*"Caste, Class and Reservation"*, Economic and Political Weekly, March.
- Chinnaiah, Jangam (2003): *"BJP and Reservtions: Quota Politics or Electoral Convenience?"*, Economic and Political Weekly, August, Vol.38, No.30.
- Choudhary, Kamaleshwar (1990):*"Reservations for OBCs: Hardly an Abrupt Decision,"* Economic and Political Weekly, October.
- (1993),*"New Reservation Policy"*, Economic and Political Weekly, Vol. 28, No. 23,August.
- Das, A. N.(1984):*"Class in Itself, Caste for Itself,"* Economic and Political Weekly, September.

- Das, Bhagwan (2000): *"Moments in a History of reservations"*, Economic and Political Weekly, October, Vol.35, No.43/44.
- Desai, I.P. (1984):*"Should Castebe the Basis for Recognizing Backwardness"* Economic and Political Weekly, July.
- Dogra, Bharat Dogra (1990): *"Mandal Commission: Will Tribal Interests Suffer"*, Economic and Political Weekly,September.
- Duflo, Esther (2005): *"Why Political Reservations"*, Journal of the European Economic Association, April/ May, Vol.3, No.2/3.
- Engineer, Asgar Ali (2004): *"Reservation for Muslims"* Economic and Political Weekly, September, Vol.39, No.36.
- Grewal, Jasraman Singh (2006): *"Morality and the Reservation Issue"*, Economic and Political Weekly, September,Vol.41, No.39.
- Gupta, Bhabani Sen (1990):*"Power, Peasantry and Poor*", Economic and Political Weekly, August.
- Gupta, D. (1991):*"Caste Infrastructure and Superstructure,"* Economic and Political Weekly, December.
- Gupta, Dipankar (1981):*"Caste Infrastructure, and Super Structure: A Critique"*, Economic and Political Weekly, December.
- Harry Blair, W. (1980):*"Rising Kulaks and Backward Classesin Bihar"*, Economic and Political Weekly, January.
- Hill-kelley, Jennifer (2007): *"Restoring the Reservation, Sustaining Oneida"* Natural Resources & Environment, Vol.21, No.3.
- Illaiah, Kancha (2006): *"Merit of Reservations"*, Economic and Political Weekly, June, Vol.41, No.24.
- Jogdand,P.G.(2004): *"Reservation in Private Sector: Legislation in Maharashtra"*, Economic and Political Weekly, July, Vol.39, No.30.

- Kalra, Satish Kumar Kalra (1979): *"Caste and Achievement Values"*, Journal of Social Work, April.
- Kamat, A.R. (1981):*"Education and Social Changes among the SCs and STs"*, Economic and Political Weekly, August.
- Kar, Samit (Nov, 2003): *"Reservations for EBCs: Poor Quota Card"*, Economic and Political Weekly, November, Vol.38, No.44.
- Kothari, Rajni (1988):*"Class and Communalism in India"*, Economic and Political Weekly, December.
- Kumar Pradeep (2001): *"Reservations within Reservations: Real Dalit-Bahujans"*, Economic and Political Weekly, September, Vol.36, No.37.
- Kumar, Virendra (2008): *"Dynamics of Reservation Policy: Towards a more Inclusive Social Order"*, Journal of the Law Institute, December, Vol. 50, No.4.
- Kundu, Amitabh(1990): *"Reservationists, Anti-Reservationists and Democracy"*, Economic and Political Weekly, November.
- Lakshmanan,M. (1990): *"Tamil Nadu's Backward Classes: Compartmentalised Reservations"*, Economic and Political Weekly, September, Vol.25, No.39.
- Lienten, G.K. (1979):*"Caste and Class in Politics"*, Economic and Political Weekly, February.
- Louis, Prakash (2003): *"Scheduled Castes and Tribes: The Reservation Debate"*, Economic and Political Weekly, June, Vol.38, No.25.
- Maheshwari, Shriram (1997):*"Reservation Policy in India: Theory and Practice"*, Indian Journal of Public Administration, September, No.3.
- Maheshwari, S.R. (1997):*"Reservation Policy in India: Theory and Practice"*, Indian Journal of Public Administration, September, No-3.

- Manasa (2000): *"Karnataka and Women's Reservation Bill"*, Economic and Political Weekly, October, Vol.35, No.43/44.
- Manickavasagam, V., Alagappan, A.R. (1998): *"Reservation Policy in PSUs: How Effective?"*, Economic and Political Weekly, April, Vol.33, No.15.
- Mehta, Pratap Bhanu (July 2004): *"Affirmation Without Reservation"* Economic and Political Weekly,July, Vol.39, No.27.
- Misra, Amaresh (1994): *"Reservation is Not the Issue"* Economic and Political Weekly,Vol.29, No.38.
- Namboodiripad, E.M.S. (1979):*"Caste Conflicts Value, Growing Unity of Popular Democratic Forces"*, Economic and Political Weekly, February.
- Nanivadekar, Madha (2003): *"Dual- Member Constituencies: Resolving Deadlock on Women's Reservation"*, Economic and Political Weekly, October, Vol.38, No.43.
- Natraj, V.K. (1999): *"Reservations: Seeking New Perspectives"*, Economic and Political Weekly, August, Vol. 34, No. 34/35.
- Nauriya, Anil (1991): *"Reservations in Public Employment: Modified Mandal Scheme"*, Economic and Political Weekly, October, Vol.26, No.43.
- Nickel, James M. (1975): *"Preferential Policies in Hiring and Admission: A Jurisprudential Approach"*, Columbia Law Review, Vol. 75, No. 3.
- Nigam, Aditya (1990): *"Mandal Commission and the Left"*, Economic and Political Weekly, December.

- Paul, Sharat (1990): *"Should Class Be the Basis for Recognizing Backwardness?,"* Economic and Political Weekly, December.
- Pillai, K.N. Chanrasekharan (2005): *"Supreme Court on Caste Conversion and Reservation"*, Journal of the Indian Law Institute, December, Vol. 47, No.4.
- Presey, R.L. (1994): *"Ad Hoc Reservations: Forward or Backward Steps in Developing Representative Reserve Systems",* Conservation Biology. Vol. 8, No.3.
- Radhkrishnan, P. (2002): *"Sensitising Officials on Dalits and Reservations"* Economic and Political Weekly, February, Vol.37, No.7.
- Rajendran, Viduthalai (June 2000): *" Reservation Policy"*, Economic and Political Weekly, June, Vol.35, No.26.
- Raman, Vasanthi (1986): *" Reservation Struggle"* Economic and Political Weekly, July, Vol.21, No.27.
- Rao, P.P. (2000): *"Right to Equality and the Reservation Policy"*,Journal of the Indian Law Institute, December, Vol.42, No. 2/4.
- Roy, K. (1985):*"Anti-Reservation Movement",* Economic and Political Weekly, August.
- Saksena, K.D. (2007): *"Policy Changes Needed on Reservations"*, Economic and Political Weekly, July, Vol.42, No.26.
- Sau, Ranjit (2000): *" Reservations and Minorities"*, Economic and Political Weekly, December, Vol.35, No.48.
- Shah Ghanshyam (1991):*"Social Backwardness and Politics of Reservation"*, Economic and Political Weekly, March.
- Sivaraman, B. (1991):*"This Mandalist Myopia,"* Economic and Political Weekly, February.

- Suri, K.C. (1994):*"Caste Reservation in India: Policy and Politics"*, Indian Journal of Political Review, Jan-March, Vol.55. No.1.
- Teltumbde Anand (2007): *"Reverting to the Original Vision of Reservations"* Economic and Political Weekly, June, Vol.42, No.25.
- Tharu, Susie, Prasad, M. Madhava, Pappu Rekha, Satyanarayana, K. (2007): "*Reservations and the Return to Politics"*, Economic and Political Weekly, December, Vol.42, No.49.
- Thimmaiah, G. (1992): *"Occupation-Based Reservation"*, Economic and Political Weekly, September.
- (2005): *"Implications of Reservations in Private Sector"*, Economic and Political Weekly, February, Vol.40, No.8.
- Vidyasaga R., Suresh,V. (2009): *"Backward Classes and Reservations"* Economic and Political Weekly, April, Vol.25, No.16.
- Wang, Tuo, Venkatesh, R., Chatterjee, Ranbikar (2007): *"Reservation Price as a Range: An Incentive- Compatible Measurement Approach"*, Journal of Marketing Research, May, Vol.44, No.2.

Reports رپورٹس

- Anantaraman Commission (1970): Report on the Backward Classes of Andhra Pradesh, Hyderabad, Government of Andhra Pradesh.
- Dalva Subramaniyam Commission (2005): Report on Backward Classes of Andhra Pradesh, Hyderabad, Government of Andhra Pradesh.
- Gopal Singh Committee (1983): Report of the High Level Committee on the on SCs, STs and Minorities, New Delhi, Government of India.
- Kaka Kalekar Commission (1953): Report of the First National Backward Classes, New Delhi, Government of India.

- Mandal Commission (1980): Report of the Second National Backward Classes Commission, New Delhi, Government of India.
- Muralidhar Rao Commission (1982): Report on the Backward Classes of Andhra Pradesh, Hyderabad, Government of Andhra Pradesh.
- P.S. Krishnan Committee (2007): Report on the Identification of Socially and Educationally Backward Classes in Muslim Community in Andhra Pradesh, Hyderabad, Department of Backward Classes Welfare, Government of of Andhra Pradesh.
- Puttu Swamy Commission (1994): Report on the Backward Classes of Andhra Pradesh, Hyderabad, Government of Andhra Pradesh.
- Ranganath Mishra Commission (2007): Report of the National Commission for Religious and Linguistic Minorities in India, New Delhi, Ministry of Minority Affairs, Government of India.
- Sachar Committee (2006): Report of the Prime Minister's High Level Committee on Socio Economic and Education Status of Muslim in India, New Delhi, Cabinet Secretariat, Government of India.

Web Sites ویب سائٹس

- http://www.reservation+importance.org.
- http://www.enwikipedia.org/wiki/reservation in india# history of the reservation system.
- http://www. Importance of reservation.com.
- http://www.two.circle .net.

- http://www.arguments/against/the/muslim reservationfor muslim minorities.org.
- http:/www.dalitstudies.org.in download//wp/0602.pdf.
- http://www.reservation/for/minorities/constitute/two.circles.net.
- http://www.anbedkar.org/News reservation in india.pdf.
- http://www.indianmuslimcommunity/in/india&globally.twocircle.net.
- http://www.latasinha.wordpress.com/2009/09/16/genesis.of.affir mative-actionreservation-policy-in-india.
- http://www.dalitindia.com/reservation RSEVO.html.
- http://www.mightylaws.in/483/reservation-policy-india.
- http://www.ambedkar.org/research/bhagwandas.pdf.
- http://www.sabrang.com/cc/archive/2010/aprlo/chapter8.pdf.
- http://www.idsn.org/fileadmin/iser-folder/pdf/new-file/india/the-s tatus-of-reservation-in-education.pdf.
- http://www.reviewofresearch.net/publish articles/193.pdf.
- http://www.mohfw.nic.in/write/read/data/1892s/426793331 modefimplimentation.pdf.
- http://www.website.apspsc.gov.in/documents/annual report/12.pdf.
- http://www.planningcommission.nic.in/reports/genrap/rpresedu-a10.pdf.
- http://www.en.wikipedia.org/wiki/reservation-in-india/reservationin in india.pdf.
- http://www.indian-muslims &higher education.jim.ac.in/upload/research/ab-2013-cdms-saima.pdf.
- http://www.isidelhi.org.in/hrnews/isidownload/reservation-2014/pdf.
- http://www.ambedkar.org/news/reservationinindia.pdf.
- http://www.iimahd.ernet.in/assets/snippets/working/paper/pdf.

- http://www.www.pdkv.ac.in/pdf/eng-report/part-III-7.pdf.
- http://www.persmin.gov.in/DOPT/RTIcorner/proavtive disclosare/FAQ-SCST.pdf.
- http://www.AP.sagar and ors.vs sate of AP.
- http://www. Indian kanoon.org/doc.
- http://www.dalit studies.org.in/download/wp.pdf.
- http://www.pluralindia.com/issues-in-secular-politics-pdf.

Journals and Magazines

جرائد ورسائل

- اردو دنیا، نئی دہلی
- افکار ملی، نئی دہلی
- آندھرا پردیش، حیدرآباد
- مسلم انڈیا، نئی دہلی
- یوجنا، نئی دہلی

- Columbia Law Review
- Economic and Political Weekly
- Indian Journal of Political Weekly
- Indian Journal of Public Administration
- Journal of the Indian Law Institute
- Journal of Marketing Research
- Journal of Social Work
- Quarterly Journal of Economics

اخبارات — News Papers

- روزنامہ سیاست، حیدرآباد
- روزنامہ منصف، حیدرآباد
- روزنامہ اعتماد، حیدرآباد
- روزنامہ رہنمائے دکن، حیدرآباد
- روزنامہ راشٹریہ سہارا، حیدرآباد
- دکن کرونیکل، حیدرآباد
- دی۔ ہندو
- دی۔انڈین ایکسپریس
- ٹائمز آف انڈیا، حیدرآباد

//............☆☆☆............//